جلد ششم

- فیض المستغاث فی حکم الطلاقات الثلاث
- حق الاظہار و تحقیق معنی الـ
- اظہار الدین
- مواہب سبحانی در مسائل قربانی
- طلاق دینے کا شرعی طریقہ
- ازالۃ الخفاء عن صلوۃ الجنازۃ بالاخفاء


محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

محمد کفایت اللہ دہلوی

حسین علی الوانی



مکتبۃ اشاعۃ العلوم

دنیا میں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

## انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاؤن لوڈ کریں

نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

**نوٹ**

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر ، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً فوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

**اعلان بَرَاَت :** ہماری ویب سائٹ سے شائع شدہ کسی بھی کی کتاب کی مضامین سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہم اسی کتب کے مضامین کے ذمہ دار نہیں کیوں کہ کتاب کا مصنف / مؤلف اس کا جواب دہ ہوتا ہے ہم مکمل طور پر ان سے دست بردار ہیں۔ ہم نے پہلے سے اسکین شدہ کتب / مضامین کو صرف بطور معلومات شئیر کئے ہیں جو ان کے کتب یا انٹرنیٹ سے لیے گئے ہیں جن کے ضروری حوالے بھی دیے گئے ہیں ان کو صرف بطور معلومات ہی پڑھا جائے یا ڈاؤن لوڈ کیا جائے باقی اختلافات / تشریحات کے لیے آپ کتاب کے مصنف / مؤلف سے رابطہ کریں۔

**ویب سائیٹ maktabatulishaat.com ( مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام )**

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لا رہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردِ غیر مقلدیت پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

# مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

جلد ششم

- فیض المستعان فی حکم الطلاقات الثلاث
- حق الاظہار بمعنی معنی الشغار
- اظہار الذین
- طلاق ثلاثہ
- ازالۃ الغطاء عن صلوٰۃ الجنازۃ بالاخفاء

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم
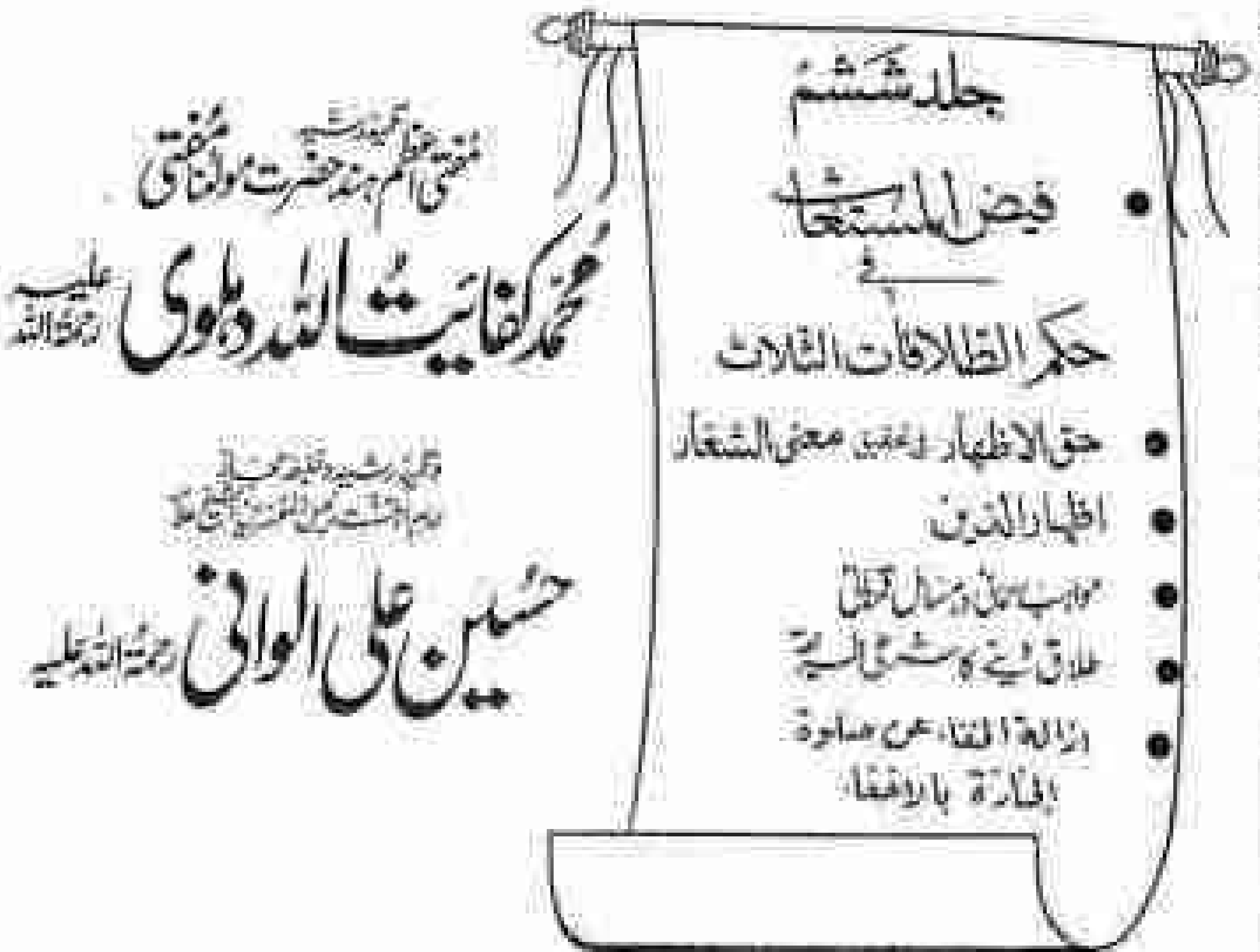
فیض المستغاث
فی حکم
الطلقات الثلاث
تصنیف
شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

# اجمالی فہرست

## جلد ششم
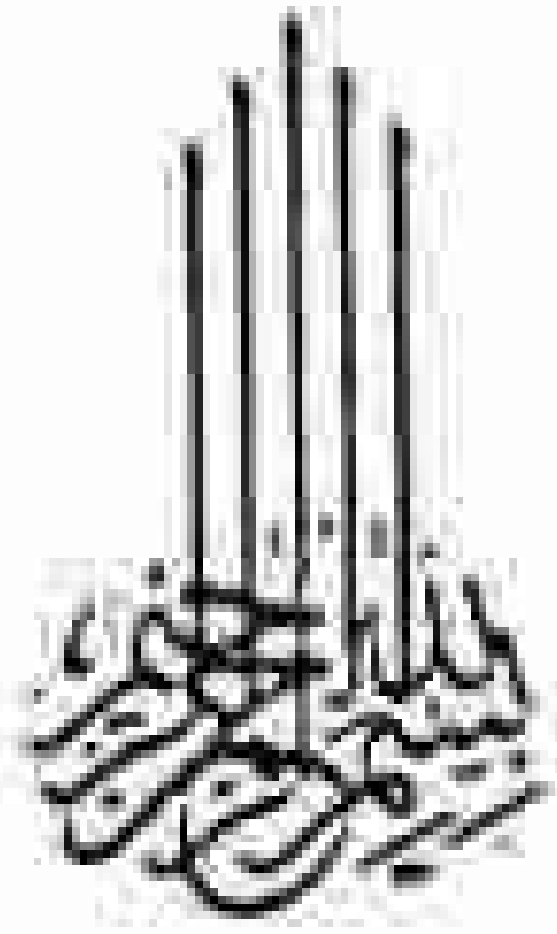
## حرفِ آغاز

الحمد للہ کہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی کی تحقیقی تصنیف آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ بلکہ قبل ازیں ادارہ گلستانِ اسلام کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ "عارفین" میں بالاقساط، اور ماہنامہ گلستانِ اسلام" میں یکجا اشاعتِ خاص کے طور پر اس کتاب کو شائع کرنے کے مواقع بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔ تاہم یہ رسائل دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ اور اب اس کی مسلسل بڑھتی ہوئی مانگ کے پیشِ نظر مستقل کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب میں سب سے پہلے بطورِ تمہید مسئلہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے، پھر اباحت طلاق، طلاق کے نقصانات، طلاق کی ممانعت اور پھر طلاق دینے کا شرعی طریقہ اور طلاق کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد مروجہ حلالہ کے متعلق نہایت اہم بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ مروجہ حلالہ سراسر زنا ہے اور اس کا مرتکب شرعاً رجم اور سنگسار کیے جانے کا مستحق ہے۔ اور اس کے بعد اصل محلِ نزاع مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا بدمذہب روافض، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کا مسلک ہے، جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تحقیق کے مطابق در اصل یہودیوں کا مسلک ہے۔

جب کہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص جاہلی طریقہ کے مطابق حمل، حیض اور طہر وغیرہ کا لحاظ کیے بغیر اپنی بیوی کو ایک ہی طہر کے دوران مختلف اوقات میں، یا ایک ہی مجلس میں متفرقہ یعنی الگ الگ کرکے، یا مجتمعۃً یعنی ایک ہی جملے، یا صرف ایک ہی لفظ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور وہ مطلقہ بہ ثلاث عورت اس طلاق دہندہ مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی نے خود صاحبِ شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد فیصلوں اور فتووں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا ہے۔ نیز بعض روایات سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ بھی نہایت احسن طریقہ سے فرمادیا ہے۔ مثلاً:

صحیح مسلم میں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی اس مشہور روایت کے بارے میں اپنے مخصوص محققانہ انداز میں غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے کہ عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور ابتداء عہدِ فاروقی میں تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان ہستیوں کے نزدیک بھی وہ ایک طلاق ہی ہوا کرتی تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ادوار میں جہلاء ایسا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ میں سے کسی ایک نے بھی اپنے فیصلے اور فتوے میں بیک مجلس اور بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار نہیں دیا۔ نیز آپ نے حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کے متعلق دیگر محقق علماء کی بیان کردہ توجیہات کا ذکر بھی اس کے ساتھ ہی فرمادیا ہے۔

اسی طرح سننِ ابی داؤد میں مروی ابن جریج اور ابن اسحٰق کی روایات کے متعلق بھی حضرت علامہ نیلوی نے محققانہ بحث فرماکر ان روایات کو ناقابلِ استدلال اور واجبُ الرد قرار دیا۔ نیز آپ نے محمد بن اسحٰق کی بعض ظاہر البطلان روایات کا حوالہ دے کر کئی اور مسائل بھی بطریقِ احسن حل فرمادیے ہیں۔

احقر کی رائے ہے کہ ہمارے معزز وکلاء اور عرائض نویس اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں۔ اور جب کوئی شخص ان کے پاس "طلاق نامہ" لکھوانے کی غرض سے آئے تو انھیں چاہیے کہ اول تو وہ اس شخص کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دیں، اور اگر اس کا طلاق دینا ہی ناگزیر سمجھیں تو اسے صرف ایک طلاق دینے کا مشورہ دیں، تاکہ آئندہ صلح ہونے کا دروازہ کھلا رہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب کسی حاکم کے سامنے تنسیخِ نکاح کا مقدمہ پیش کیا جائے تو اس کا فیصلہ کرتے وقت مدعا علیہ کی موجودگی کا خاص اہتمام کریں، اور یک طرفہ فیصلہ ہرگز نہ کریں، کیونکہ ایسا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔

اور اگر حاکم کے طلب کرنے پر بھی مدعا علیہ عدالت میں حاضر نہ ہونا چاہے تو حاکم کو چاہیے کہ مدعیہ کے حق میں تنسیخِ نکاح کے اس مقدمے کا فیصلہ کرنے سے پہلے بزورِ قانون مدعا علیہ کو عدالت میں پیش کیے جانے کا حکم دے خواہ اسے قید کرکے ہی عدالت میں پیش کرنا پڑے۔ اور پھر مدعا علیہ سے طلاق دینے کو کہا جائے، اور اس صورت میں اگر ان میاں بیوی کی جدائی کو حاکم ضروری سمجھے اور مدعا علیہ طلاق دینے پر رضامند نہ ہو تو حاکم کو تنسیخِ نکاح کی اجازت ہے، ورنہ نہیں۔ کیونکہ شرعاً ایسا یک طرفہ فیصلہ قابلِ قبول نہیں جو مدعیہ اور مدعا علیہ کی موجودگی میں نہ ہو۔

اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت تھوڑی دیر کے لیے گروہی اور فرقہ وارانہ تعصب کی عینک کو اتار کر ایک طرف رکھ دیں۔ والسلام

مرتب:

سید حسن واسطی

ایڈیٹر ماہنامہ گلستانِ اسلام

## تمہید (مسئلہ کی اہمیت)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ كِتَابِهٖ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. وَقَالَ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. وَقَالَ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ. وَقَالَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ قَالَ اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ. وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ الَّذِيْنَ اُمِرَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِطَاعَتِهِمْ حَيْثُ قَالَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ. اَمَّا بَعْدُ:

جس طرح ہر مرد وزن پر ایمان وعقائد اور عبادات ومعاملات اور پاکی پلیدی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح نکاح، طلاق، رضاعت، پردہ اور حلال وحرام کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد وزن کے لیے نہایت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ کسی قطعی حلال کو حرام اور قطعی حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:
مَنِ اعْتَقَدَ الْحَرَامَ حَلَالًا اَوْ عَلَى الْقَلْبِ يَكْفُرُ (فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۲)
کہ جو شخص حرام کے حلال ہونے کا یا حلال کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھے گا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

نیز حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرام قطعی کو حلال اور حلال قطعی کو حرام کہتا ہے یا جو شخص فرض کو فرض نہیں سمجھتا وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (مالابد منہ ص ۱۳۶)

امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نو مسلم لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ فرائض کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بڑے زوردار انداز میں فرمایا: تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ کہ فرائض کا علم حاصل کرو۔ اس مجلس وعظ میں صاحب النعلین والعصا والوسادہ والطہور محدث اعظم امام المحدثین والفقہاء، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اور انھوں نے حضرت امیر المؤمنینؓ کی زبانِ محفوظ سے یہ اہم حکم سُنتے ہی اس میں دو اہم ترین چیزوں کا اضافہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ۔ یعنی جس طرح ایمانیات وعبادات اور فرائض کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن کے لیے ضروری ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر طلاق اور حج کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اور پھر ان دونوں جلیل القدر بزرگوں نے یک زبان ہو کر ارشاد فرمایا کہ بے شک طلاق اور حج کے مسائل کا سیکھنا دین کے اہم امور میں سے ہے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ص ۲۶)

اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ آسکتی ہے کہ واقعی نکاح اور طلاق کے مسائل کا علم حاصل کرنا اتنا ہی ضروری اور اہم ہے جتنا کہ توحید و شرک اور سُنت و بدعت کے مابین فرق کا علم حاصل کرنا اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ حلال و حرام کا مسئلہ در اصل اسلام اور کفر کا مسئلہ ہے۔

اور طلاق کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ جس طرح شرک و بدعت کا مرتکب اپنے عقائد و اعمال کے معاملے میں خود کو راہِ راست پر سمجھتا ہے بالکل اسی طرح حلت و حُرمت کے اس مسئلے کا معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ایسا لفظ کسی کے مُنہ سے نکل گیا جس کے باعث اس پر کوئی حلال چیز حرام ہوجاتی ہے، لیکن اس کہنے والے کو اس بات کا علم نہ ہو تو وہ اس حرام کام کو حلال اور جائز سمجھتے ہُوئے اس حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور یہ کام صرف روز دو روز، مہینہ دو مہینہ یا سال دو سال کا نہیں بلکہ ساری زندگی کا معاملہ ہے اور اس کا مرتکب لاعلمی کی وجہ سے زندگی بھر حرام کاری اور گناہِ کبیرہ میں مُبتلا رہ کر آخرت خراب کرتا رہتا ہے۔

موجودہ دور میں عام مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے۔ خطا کسی کی اور بلا کسی کے سر پر۔ مثلاً: کسی شخص کا بازار میں لین دین پر کسی سے جھگڑا ہوجائے تو عورت کو طلاق دیدی، یا جوا کھیلتے ہوئے جھگڑا ہوگیا تو عورت کو طلاق دیدی۔ اسی طرح ہل چلاتے ہوئے کسی کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی یا کسی معاملے میں گواہی کے دوران یقین دلانے کے لیے عورت کو طلاق دینے کا رواج شہرت پاگیا ہے۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے گھریلو جھگڑوں میں بھی عموماً لوگ اول تو صریح لفظوں میں اپنی بیویوں کو طلاق دیدیا کرتے ہیں، لیکن بعض محتاط مگر بے علم لوگ اس قسم کے الفاظ اپنے منہ سے ادا کر دیتے ہیں جس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور وہ لوگ اپنے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، اور وہ بدستور میاں بیوی کی طرح باہم تعلق قائم رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم شرعاً حرام کاری اور "زنا" جیسے گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہورہے ہیں۔

بلکہ بعض جہلاء تو غصے کی حالت میں ایک سے زیادہ، بلکہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں اکٹھی دیدیتے ہیں؛ اور بعض تو ایک لفظ میں ہی تین طلاقیں ایک ساتھ دے کر اپنے غصے کی آگ بجھاتے ہیں؛ جو سراسر خلافِ شریعت اور گناہ ہے۔

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اگر میاں بیوی کا باہم نباہ ممکن نہ رہا ہو تو اس صورت میں طلاق دینا مباح، بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہوجاتا ہے۔ لیکن شریعت نے طلاق دینے یا طلاق لینے کے لیے کچھ قیود و شرائط اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں؛ جن کی خلاف ورزی سے انسان مجرم اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اسے آخرت میں اس کی سزا ملے گی۔ البتہ اگر اس جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ سے توبہ کرلے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ گناہ معاف فرمادے گا۔ لیکن جب اس شخص کو اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ میں نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیا ہے تو اُسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے طلاق کے مسائل سیکھنے پر اس قدر زور دیا ہے۔ حالانکہ وہ اُن اہلِ علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سُنہری دَور تھا جنھوں نے قرآن و سُنّت کا علم براہِ راست صاحبُ الوحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور ان علوم کو دُوسرے لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نومسلموں کو اپنے بیٹوں کی طرح اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا، اور گاہے گاہے ان کا اِمتحان بھی لیتے رہتے تھے، حتیٰ کہ جب ان میں تدریس کی صلاحیت پیدا ہوجاتی تو درس و تدریس کا یہ عظیم کام انہی موالی کے سپرد فرمادیتے، تاکہ توحید و سُنّت کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔

چنانچہ سلفاً خلفاً کئی صدیوں تک تعلیم الوحیین کا یہ عظیم سلسلہ بدستور جاری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض علماء نے تبلیغ و اِشاعت کے معاملے میں تساہل اور کوتاہی کا اِرتکاب کیا اور دعوۃ اِلی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کردیا تو غیر اقوام اپنی پوری جہالت کے ساتھ ہم پر مسلط ہوگئیں اور وہ وقت بھی آیا جب لوگوں نے ضروریاتِ دین کی تعلیم حاصل کرنے کو ایک عبث اور غیر ضروری کام سمجھنا شروع کردیا۔ اور اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہُوئے علماء سُوء نے اپنی چرب زبانی کے ذریعے عوام کو علماءِ حق سے متنفر کرنے کے لیے مختلف حربے اِستعمال کیے اور مُختلف محاورے وضع کرکے لوگوں میں مشہور کردیے۔ مثلاً: "مُلّاں" کی دوڑ مسجد تک، "مُلّاں" حلوہ خور، "دو مُلّاؤں" میں مُرغی حرام، مولوی فساد کی جڑ ہے، بُنیاد پرست مُلّاؤں کی بات مت سُنو، دقیانوسی مُلّاں ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، اور نہ جانے کیسے کیسے حربوں سے عوام کے دِلوں میں تنفر پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں لوگوں نے دینی تعلیم کے حصول سے توجہ ہٹالی، یہاں تک کہ آج عام مسلمانوں کو عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ کی ان باتوں کا علم بھی نہیں ہے جن کا جاننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

موجودہ دور کے مسلمانوں نے اپنے پیشے، ذریعۂ معاش اور ضرورت کے مطابق کچھ ایسے فقرے یاد کیے ہوئے ہیں جن کے ذریعے ایک طرف تو وہ اپنے معاشی اور معاشرتی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ خود کو متبع سنت کہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً: ① ایک ڈاڑھی منڈے مچھندر تمباکو نوش اور بے نماز خوانچہ فروش کو دیکھا گیا ہے جو کھجوریں فروخت کر رہا تھا، اور گاہکوں کی رغبت کے لیے ایک تختی پر لکھا ہوا تھا کہ: "کھجوریں کھانا سنتِ رسولؐ ہے۔" گویا اس کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اور اسلام کی علامت اور شعار صرف یہی ہے۔

② اسی طرح بازاروں اور گاڑیوں میں الکحل جیسی ناپاک اور حرام چیز سے تیار کی ہوئی خوشبو اور عطریات بیچنے والے حضرات خوشبو لگانے کو سنتِ رسولؐ قرار دے کر اپنے زعم میں لوگوں کو سنتِ رسولؐ کی ترغیب دے کر بہت بڑی نیکی کرتے ہیں۔

③ اسی طرح سرمہ فروش اپنا سرمہ بیچنے کے لیے کہتا ہے کہ "سرمہ لگانا سنتِ رسولؐ ہے۔"

④ اسی طرح اُون اور چمڑے کی مصنوعات بنانے والے بھیڑ بکریاں پالنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "بھیڑ بکریاں پالنا انبیاء کرامؑ کی سنت ہے۔"

⑤ اسی طرح تجارت کے اسلامی اصول وضوابط سے ناآشنا اور خواجہ سراؤں کی طرح ڈاڑھی مونچھ صفاچٹ کرنے اور یہود و ہنود اور نصاریٰ کے خانہ زاد تجارتی اصولوں اور سود کی بنیاد پر کاروبار کرنے والا بیوپاری کہتا ہے کہ "ہم انبیاءؑ کے ساتھ ہوں گے"

⑥ اور کاریگر و مزدور کہتے ہیں: "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ" کہ کاریگر اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اس قسم کی "فضیلت" والی باتیں بتانے والوں نے جہاں ان کے مطلب کی یہ باتیں بتائی ہیں وہاں کان رسول اللہ ﷺ یحب الحلواء جیسی اپنے مطلب کی حدیث تو ضرور سنائی ہوگی۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں نے لاعلم لوگوں کو حلال و حرام، توحید و شرک، سنت و بدعت اور نکاح طلاق جیسے اہم ترین مسائل سمجھانے میں کوتاہی سے کام لیتے ہوئے یہ تو بتایا ہے کہ "تم حلال کھاؤ اور حرام سے بچو۔" لیکن یہ نہیں بتایا کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا۔

اسی طرح توحید و شرک اور سُنت و بدعت کے مسائل کو اس طرح گول مول اور مبہم انداز میں بیان کیا ہے کہ لوگ شرک و بدعت جیسے کبیرہ گناہوں میں بدستور مبتلا ہیں، اور اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ ہم راسخ العقیدہ موحد اور پختہ متبع سُنت ہیں اور بالکل اسی طرح نکاح اور طلاق کے مسائل بیان کرنے میں بھی تساہل سے کام لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل کے مسلمان اپنے بچوں کا نکاح کرتے وقت اس طرح کی بے شمار خرافات اور لغویات کا ارتکاب کر گزرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام کا شعار ہیں اور اسلام میں ان کا نہ تصور ہے نہ گنجائش۔ لیکن اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نکاح کر کے شریعت کے ایک حکم کی تعمیل کر لی ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت پر عمل کر کے ایک بہت بڑا نیکی کا کام کیا ہے۔ حالانکہ نکاح کے موقع پر غیر مسلم اقوام کی نقالی کرتے ہوئے حرام اور غیر شرعی کاموں کی اس قدر آلائشیں شامل کر دی جاتی ہیں کہ یہ مسنون کام ان آلائشوں میں دب کر ہندوؤں، سکھوں کے نکاح کی طرح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پاک صاف دُودھ سے بھرے ہوئے مٹکے میں ایک قطرہ پیشاب پڑ جانے سے سارا دودھ ناپاک، حرام اور ناقابلِ استعمال ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ آج کل نکاح جیسے اہم دینی کام میں اس قدر غیر اسلامی رسوم اور کبیرہ گناہوں کو جمع کر دیا جاتا ہے کہ رسمی مسلمانوں اور غیر مسلم ہندو وغیرہ قوموں کے نکاح میں کچھ نمایاں فرق دکھائی نہیں دیتا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو تمام کلمہ گو ہندوؤں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔

اسی طرح طلاق کے مسائل بھی عوام کو نہیں بتائے گئے۔ عام مسلمان صرف یہ جانتا ہے کہ اگر میاں بیوی میں نباہ ممکن نہ رہے تو طلاق سے یہ تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن طلاق دینے کے لیے اسلام نے جو شرائط، قیود اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان مرد و زن کے لیے نہایت ضروری ہے۔

## اباحتِ طلاق

"مباح" اُس حلال کام کو کہتے ہیں جس کا کرنا فرض، واجب، اور سُنّت یا مستحب تو نہ ہو، البتہ اشد ضرورت کے وقت اس کی ممانعت بھی نہ ہو، لیکن اہلِ تقویٰ نے ہمیشہ غیر ضروری مباحات کے استعمال سے پرہیز کیا ہے، اس لیے شدید ترین ضرورت کے بغیر مباح چیزوں سے پرہیز ہی بہتر ہے۔ اور ان مباح چیزوں میں سب سے زیادہ قابلِ اجتناب چیز طلاق ہے، کیونکہ شدید ضرورت کے وقت بھی طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ جیسا کہ:

- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ۔ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۳)
- حضرت محارب بن دثار رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ (مراسیل ابی داؤد ص ) یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حلال اور مباح چیزوں میں سب سے بغض والی، اور قابلِ نفرت چیز طلاق ہے۔
- نیز حضرت محارب بن دثار رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرسلاً یہ بھی مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا اَحَلَّ اللّٰہُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۳) کہ طلاق سے زیادہ کوئی مبغوض اور قابلِ نفرت چیز اللہ تعالیٰ نے حلال نہیں فرمائی۔
- ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشد ضرورت کے تحت جبکہ میاں بیوی میں نباہ ممکن نہ رہا ہو تو اس صورت میں شرعاً طلاق دینے کی اجازت تو ہے لیکن اس کے باوجود طلاق دینا نہایت قابلِ نفرت کام ہے۔ اس لیے ہر شخص کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے اور اختلافات کی صورت میں اپنے جذبات، غصے اور زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حلال اور مباح چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور قابلِ نفرت چیز طلاق ہے۔

## طلاق کے نقصانات

- طلاق کی وجہ سے وہ نکاح منقطع ہوجاتا ہے جس کے ساتھ کئی دینی اور دُنیاوی مصالح وابستہ ہیں۔ مثلاً: ○ دینی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت تو یہ ہے کہ نکاح کے ذریعے انسان ماتحت الازار ستر کے زنا سے محفوظ و مامون رہ سکتا ہے، جو بالاتفاق تمام ادیان میں حرام ہے۔ اور دُوسری مصلحت یہ ہے کہ نکاح کرنے سے دو خاندان آپس میں جُڑ جاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہیں اور اتحاد پیدا کرنے والے بہت سے کاموں میں سے ایک نکاح بھی ہے۔
- اور دُنیوی مصالح یہ ہیں کہ نکاح کے بعد مرد پر عورت کو روٹی کپڑا اور مکان وغیرہ دینا واجب ہوجاتا ہے۔ نیز نکاح سے اولاد حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن طلاق کی صُورت میں یہ تمام مصالح فوت ہوجاتے ہیں۔
- یاد رہے کہ جس چیز سے اہم دینی اور دُنیاوی مصالح فوت ہوجاتے ہوں تو اس چیز کو شریعت میں سرے سے ناجائز ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ:
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق دینا مطلقاً حرام تھا۔ جبکہ
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی۔ (۱)
- حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ حکم بَین بَین ہے۔ کیونکہ بسا اوقات میاں بیوی کے درمیان نااتفاقی حد سے اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اتفاق کی کوئی صُورت باقی نہیں رہتی۔ اور اس بات کا اندیشہ شدید ہوجاتا ہے کہ ان حالات میں میاں بیوی کے اُن حقوق کو ادا کرنے میں قصور و فتور واقع ہوگا جو ایک دُوسرے پر واجب اور ضروری ہیں، تو ایسی نازک صُورت میں اسلامی شریعت نے طلاق کو مُباح تو قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ایک تو اسے "ابغض المباحات" فرما کر اشارۃً طلاق دینے سے منع فرمایا گیا ہے تو دُوسرے موقع پر صراحۃً بھی نہی فرما دی۔ چنانچہ:

## طلاق کی ممانعت

- بدائع صنائع ج ۳ ص ۹۵ میں ہے: نَہٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَنِ الطَّلَاقِ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے سے منع فرمایا ہے۔ نیز:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا. کہ تم لوگ نکاح تو کیا کرو، لیکن طلاق نہ دیا کرو۔ (بدائع صنائع ج ۳ ص ۹۵) نیز:
- طلاق جیسی قابلِ نفرت چیز سے ممانعت کی وجہ بیان فرماتے ہوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ معصوم سے ارشاد فرمایا: فَإِنَّ الطَّلَاقَ یَھْتَزُّ لَہٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ (بدائع صنائع ج ۳ ص ۹۵) کہ طلاق دینے سے اللہ تعالیٰ کا عرشِ عظیم کانپ جاتا ہے۔
- اسی لیے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اصل میں طلاق سے ممانعت آئی ہے۔ اور طلاق کی اباحت صرف ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے مقرر کی گئی ہے کیونکہ قاعدہ ہے: اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَاتِ کہ سخت ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔ لہٰذا اگر شدید ضرورت ہو تو ایک طلاق ہی دینی چاہیے کیونکہ قاعدہ ہے: اَلضَّرُوْرَۃُ تَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ کہ ضرورت کی چیز ضرورت کے مطابق استعمال کرنی چاہیے۔ مثلاً:
- کوئی شخص بھوک سے بے حال ہو رہا ہو، کچھ کھائے بغیر بھوک کی شدت سے جان نکلنے کا شدید خطرہ ہو، اور حرام کے علاوہ کوئی حلال چیز کھانے کے لیے مہیا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں بقدرِ ضرورت تو حرام چیز کھانا مباح ہے لیکن اس سے زیادہ اگر ایک لقمہ بھی کھائے گا تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔
- اور یہ طلاق کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح ہے کہ اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہ رہے اور "ابغض المباحات" کا استعمال ضروری ہو گیا ہو تو صرف ایک طلاق پر ہی اکتفا کرنا چاہیے، کیونکہ ایک طلاق سے ضرورت رفع ہو جاتی ہے۔ اور اگر دو یا تین طلاقیں دے گا تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

## طلاق دینے کا طریقہ

ہزار کوشش کے باوجود اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینا بہت ہی ضروری سمجھتا ہو تو اسے چاہیے کہ علماء سے طلاق دینے کا صحیح شرعی طریقہ معلوم کر کے ہی کوئی قدم اٹھائے، کیونکہ عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ لوگ شرعی قیود و شرائط کا لحاظ کیے بغیر طلاق دے کر خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں' اور اپنا گھر برباد کر کے بعد میں علما کے سامنے اپنی خانہ بربادی کا رونا رو کر دوبارہ گھر آباد کرنے کے حیلے دریافت کرتے پھرتے ہیں۔

○ آج کل عموماً طلاق دیتے وقت لاعلمی کی وجہ سے ایک ہی مجلس میں ایک ساتھ تین طلاقیں دیدی جاتی ہیں، جس کے بعد خانہ آبادی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (۲:۲۳۰) لیکن اپنا اُجڑا ہُوا گھر دوبارہ آباد کرنے کی غرض سے مروجہ حلالہ کی کوشش کرنا حرام اور لعنتیوں کا کام ہے۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ. کہ حلالہ کرنے اور حلالہ کروانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، کیونکہ یہ ایک ناجائز حیلہ، ہیرا پھیری اور احکام شریعت سے بغاوت ہے۔

○ لیکن بعض لوگ اس سے بھی بڑی ہیرا پھیری اور حیلہ یہ کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں دی ہُوئی تین طلاقیں ایک تصور کر کے رجوع یا تجدید نکاح کو جائز سمجھتے ہیں؛ جو سراسر زنا ہے اور یہ معاملہ زندگی بھر رہتا ہے۔ اس لیے تین طلاقوں کو ایک طلاق تصور کرنا حلالہ جیسے ملعون کام سے کہیں بڑھ کر کبیرہ گناہ ہے۔

○ لہٰذا ہر مسلمان مرد و زن کو دیگر ضروری مسائل اور احکام شریعت کے ساتھ ساتھ طلاق جیسے اہم ترین مسئلہ کا علم سیکھنا بھی نہایت ضروری ہے، تاکہ چند روزہ دُنیوی زندگی بھی سکون سے گزرے اور آخرت میں بھی ابدی راحت نصیب ہو۔ چنانچہ:

## طلاق احسن

○ جب طلاق دینا ناگزیر ہوجائے تو اسلام میں اس کا "احسن" طریقہ یہی ہے کہ اپنی مدخول بہا بیوی کو صرف ایک طلاق دینے پر ہی اکتفا کیا جائے بشرطیکہ: ① وہ عورت حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ نیز: ② جس طہر میں طلاق دینا چاہتا ہے اس طہر میں اس عورت کے ساتھ ہمبستری بھی نہ کی ہو۔

## طلاق کی عدت

○ اور پھر طلاق دینے والے کو چاہیے کہ طلاق دینے کے بعد وہ اس عورت سے شرعی پردہ کرے۔ اور اس عورت کو اپنے گھر سے بھی نہ نکالے۔ اور اس عورت کو خرچہ بھی دیتا رہے۔ اور وہ عورت خود بھی اس گھر سے نہ نکلے، حتی کہ: ① جس عورت کو حیض آتا ہو اُس کے تین حیض مکمل گزر جائیں۔ اور ② جو عورت حاملہ ہو اس کا بچہ یا بچی پیدا ہوجائے۔ اور ③ جو عورت بوڑھی ہو، اور اُسے حیض آنا بند ہوگیا ہو تو طلاق کے وقت سے تین مہینے گزر جائیں۔

○ اس مدت میں عورت کا طلاق دینے والے اپنے سابق شوہر کے گھر میں پردہ کے ساتھ رہنا عدت کہلاتی ہے۔ اور دَورانِ عدت عورت کو اس گھر سے نکلنا، یا عورت کو اس گھر سے نکالنا، دونوں گناہ کے کام ہیں۔

## طلاق سے رُجوع

○ عدت کے دَوران اگر مرد اپنے کیے پر پریشان ہو اور چاہے کہ میں پھر دوبارہ احسن طریقے سے حقوق کی رعایت کرتے ہُوئے اس عورت کو بساؤں، تو شرعاً اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ تجدیدِ نکاح کے بغیر رجوع کرکے اس عورت کو بسالے اور یہ دونوں مرد اور عورت میاں بیوی بن کر رہیں۔

○ اور اگر عدت کے دَوران صلح اور جوڑ کی کوئی صُورت نہ بن سکے تو پھر عدت گزرنے کے بعد عورت آزاد ہے اور دُوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

○ اور اگر عدت گزرنے کے بعد پھر جب کبھی ان کے دل میں خیال آئے کہ

ہم پھر نئے سرے سے گھر بسائیں تو پھر بھی شریعت میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ تجدیدِ نکاح کے بعد اپنا اجڑا ہُوا گھر ایک بار پھر آباد کریں۔

- اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایک بہت بڑا احسان ہے، جس نے یہ قوانین محض اس لیے بنائے ہیں کہ حتی الامکان اتفاق اور جوڑ قائم رہ سکے۔
- اور ایسے طریقۂ طلاق کو "احسن" کہتے ہیں، جو تمام ائمہ مسلمین کے یہاں متفق علیہ اور مستحسن طریقہ ہے۔

## تنبیہ

لیکن ایک بار طلاق دینے کے بعد رجوع یا تجدیدِ نکاح کی اس اجازت اور سہولت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہُوئے بار بار طلاق دے کر رجوع کر لینا بھی ناجائز ہے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ:

- سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لِمَ یَقُولُ اَحَدُکُمْ لِامْرَأَتِہٖ قَدْ طَلَّقْتُكِ قَدْ رَاجَعْتُكِ. کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنی بیوی کو یہ کیوں کہتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ اور پھر فرمایا: لَیْسَ ھٰذَا بِطَلَاقِ الْمُسْلِمِیْنَ. کہ مسلمانوں کے طلاق دینے کا طریقہ یہ نہیں ہے۔
- اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا شرعی طریقہ بتلاتے ہُوئے ارشاد فرمایا: طَلِّقُوا الْمَرْأَۃَ فِیْ قُبُلِ طُھْرِھَا کہ اگر خواہ مخواہ طلاق دینا چاہتے ہو تو ابتداءِ طہر میں ایک طلاق دو اور بس۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۲۳۔ و مصنف ابن ابی شیبہ و مستدرک حاکم و ابن ماجہ)
- معلوم ہُوا کہ اگر کسی نے خواہ مخواہ طلاق دینے کی ٹھان ہی لی ہے تو حیض کے بعد طہر کے شروع میں ہمبستری کیے بغیر صرف ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی، اور اسے اس قانون کی خلاف ورزی کے گناہ کی سزا بھی ملے گی۔

- یہ تو تھا اس شخص کی طلاق کے بارے میں شرعی حکم، جو اپنی مدخول بہا بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے یا وہ مدخول بہا تو نہ ہو لیکن اس کے ساتھ اس کی خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو۔ کیونکہ خلوتِ صحیحہ جماع کے قائم مقام بھی جاتی ہے، جبکہ خلوتِ صحیحہ تنہائی میں میاں بیوی کی ایسی ملاقات کو کہتے ہیں جہاں جماع سے حسّی، طبعی اور شرعی مانع کوئی نہ ہو۔
- اور جس "طلاقِ احسن" کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اسے "طلاقِ رجعی" بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس طلاق کے بعد عدت کے اندر اندر رجوع کی اجازت ہوتی ہے۔
- اور اگر طلاق دینے والے نے اپنی منکوحہ کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ کی ہو تو ایک "طلاق بائن" واقع ہو جائے گی، جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس کی عدت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے غیر مدخول بہا مطلقہ کو طلاق ملتے ہی کسی دوسرے شخص سے فوراً نکاح کر لینے کی بھی شرعاً اجازت ہے۔ اور اگر وہ اپنے طلاق دینے والے سابق شوہر سے ہی نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بغیر جب چاہے نکاح ہو سکتا ہے، لیکن یہ شوہر صرف دو طلاقوں کا مالک رہ جائیگا۔

## طلاقِ حسن

اور "طلاقِ حسن" ایسی طلاق کو کہتے ہیں کہ شوہر اپنی مدخول بہا بیوی کو ایسے الگ الگ تین طہروں میں ایک ایک طلاق دے کہ جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو۔ اور اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

1. مرد نے ایک طہر میں ایک طلاق دی، اور عورت عدت بیٹھ گئی۔ ○ اور دوسرے طہر میں دوسری اور ○ تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدی تو تیسرا حیض ختم ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو گئی۔ اور اب وہ عورت آزاد ہے کہ طلاق دینے والے اس سابق شوہر کے علاوہ اور کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔
2. مرد نے ایک طہر میں ایک طلاق دی۔ اور ○ دوسرے اور تیسرے طہر میں کوئی طلاق نہیں دی، پھر ○ تیسرا حیض ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیا۔ اور

○ چوتھے طہر میں پھر دُوسری طلاق جڑ دی تو پہلی عدت کا لحاظ نہیں ہوگا اور ... سرے سے عدت گزارنی ہوگی۔ ○ اور اب بھی اگر وہ مرد پہلے کی طرح دوسرے اور تیسرے طہر میں طلاق نہیں دیتا اور تیسرا حیض ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلیتا ہے، تو اب بھی اگر وہ شخص حسبِ سابق چوتھے طہر میں تیسری طلاق دے دیتا ہے تو عورت پھر نئے سرے سے عدت بیٹھے گی۔ اور اپنے تین حیض پُورے کرنے کے بعد آزاد ہوجائے گی۔

❷ اور اگر مرد نے ایک طہر میں ایک طلاق دی اور عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے جب بھی رجوع کرلیا تو یہ طلاق احسن ہوئی۔ ○ لیکن پھر مدتِ دراز کے بعد اگر پھر کسی طہر میں ایک اور طلاق دیدی تو یہ طلاق حسن ہوگی اور عورت عدت بیٹھ جائے گی۔ اور عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرکے یہ مرد عورت ایک بار پھر اپنا گھر آباد کرسکتے ہیں۔ ○ اور اگر اس کے بعد پھر کبھی تیسری طلاق دیدے گا تو اب اسے رجوع کا کوئی حق نہیں ہوگا اور وہ عورت اپنی عدت تین حیض پُورے کرکے آزاد ہوجائے گی۔ اور ان دونوں مرد عورت کا باہم نکاح نہیں ہوسکتا۔ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔

❸ اسی طرح طلاق حسن کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مطلقہ عورت حاملہ یا بانجھ ہو، اور اسے تین ماہ میں الگ الگ تین طلاقیں دے دی جائیں۔ تو اس کی عدت "حاملہ" کے لیے وضعِ حمل، اور "بانجھ" کے لیے تین ماہ ہوگی۔

○ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ طلاقِ حسن کی تمام صورتوں کو بدعت کہتے ہیں، جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اسے مباح سمجھتے ہیں۔

## طلاق بدعی

طلاق کی ایک قسم "طلاق بدعی" ہے، جس کا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن جو شخص دانستہ اپنی خوشی کے ساتھ یا غصّے کی حالت میں بدعی طلاق دے بیٹھے تو وہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور اس طلاق بدعی کی کئی صُورتیں ہیں۔ مثلاً:

## طلاق بدعی کی صورتیں

❶ حیض کی حالت میں ایک یا ایک سے زیادہ دو یا تین طلاقیں اکٹھی دیدینا۔

❷ ایسے طہر میں ایک یا زیادہ طلاقیں دینا جس میں مطلقہ سے ہمبستری کر چکا ہو۔

❸ ایسے طہر میں دو طلاقیں اکٹھی دینا کہ جس میں مطلقہ سے ہمبستری نہ کی ہو۔ مثلاً: ① یوں کہے کہ: "تجھے دو طلاقیں ہیں۔" ② یا کہے کہ: "تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے"

❹ ایسے طہر میں تین طلاقیں اکٹھی دینا کہ جس میں مطلقہ سے ہمبستری نہ کی ہو۔ مثلاً: ① یوں کہے کہ: "تجھے تین طلاقیں۔" ② یا کہے کہ: "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" ③ یا کہے کہ: "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔" ④ یا کہے کہ: "میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی۔" ⑤ یا کہے کہ: "تجھے طلاق طلاق طلاق۔" (تیسری چوتھی قسم میں شرط یہ ہے کہ نیت تاکید کی نہ ہو)

○ طلاق بدعی کی مذکورِ بالا تمام صورتیں منکر یعنی خلافِ شریعت بُرا کام ہے۔ ایسی طلاق دینے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مجرم ہے اور یہ غیر دانشمندانہ اور احمقانہ کام کر کے اُس نے خود ہی اپنا خانہ خراب کیا اور صلح کا دروازہ بند کیا اور یہ ظالمانہ و احمقانہ اور بزدلانہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو۔ اور پھر کہتا ہے کہ مجھ سے یہ غلطی غصے کی حالت میں ہوئی۔

○ کیا طلاق بھی غصہ اُتارنے کی کوئی چیز ہے۔ اگر غصہ اُتارنا ہی تھا تو اس جوش میں ہوش سے کام لینا چاہیے تھا۔ اگر طلاق دینی ہی ضروری تھی تو شرعی طریقہ کے مُطابق طہر کی حالت میں صرف ایک طلاق دیتا۔ تاکہ غصہ اتر جانے کے بعد کوئی صُورت صلح کی پیدا ہوتی تو معاملہ زیادہ نہ بگڑتا، دشمنی نہ ہوتی خاندان جُڑے رہتے اور اولاد بھی ذلیل و رسوا نہ ہوتی۔ اور نابالغ اولاد بھی باپ کی سرپرستی سے محروم نہ ہوتی اور اولاد کے سمجھدار ہونے تک خرچہ دیکر اولاد کو اس کی ماں کے پاس نہ چھوڑنا پڑتا، اور نہ ہی ماں اپنے بچوں کے ذہن میں باپ سے نفرت کے جذبات پیدا کرتی۔ ~~شعر~~: نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یوں رُسوائیاں ہوتیں

## تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کی صورت

جب کوئی شخص بطریقِ حسن یا بدعی طریقے سے اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دیکر فارغ کر دیتا ہے تو پھر وہ عورت زندگی بھر دوبارہ اس مرد کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ۔ اور اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ:
عدتِ طلاق ختم ہونے کے بعد اس مطلقہ عورت کے ساتھ محض اپنا گھر آباد کرنے کی غرض سے، خود اپنی خوشی اور رضا و رغبت کے ساتھ کوئی دوسرا مرد اس لیے نکاح کرے کہ زندگی بھر میں اس عورت کے ساتھ نباہ کروں گا۔ اور پھر وہ نیک اولاد کے حصول کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کریں۔ اور پھر اس خاوند سے اس عورت کے یہاں اولاد ہو یا نہ ہو' اتفاقاً یہ مرد فوت ہو جائے۔ یا اس خاوند کے ساتھ بھی اس عورت کا نباہ نہ ہو سکے اور مجبوراً یہ خاوند بھی اسے طلاق دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہوئے اسے طلاق دیدے' تو پھر عدت گزارنے کے بعد اگر وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرکے اور اپنی سابقہ غلطیوں کی اِصلاح کرکے بسنا چاہتی ہے اور اس کا وہ پہلا خاوند بھی دستورِ شرع کے مُطابق اس عورت کو دوبارہ اپنے یہاں بسانے پر آمادہ ہو جائے تو صرف اس صُورت میں ان کا باہم دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ جیساکہ: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ. (۲: ۲۳۰) یعنی دو طلاقوں کے بعد تو خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے' کہ عدت کے اندر اندر نکاح کے بغیر اور عدت گزرنے کے بعد نکاح کے ساتھ رجوع کرکے اس عورت کو اپنے گھر آباد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر اگر اس عورت کو تیسری طلاق بھی دیدی تو اب وہ عورت طلاق دینے والے اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی'

تاوقتیکہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرکے دوسرے خاوند سے وطی نہ کرالے۔ اس کے بعد دوسرے خاوند نے بھی اگر اس عورت کو طلاق دیدی (یا وہ مرگیا) تو اب پھر عدت گزارنے کے بعد وہ عورت اس کا سابق شوہر باہم نکاح کرکے رجوع کرلیں تو انھیں اس بات کا کچھ گناہ نہیں۔ بشرطیکہ ان دونوں کو اس بات کی توقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہ سکیں گے۔

○ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں تین طلاقیں دے چکنے کے بعد طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت کے باہم رجوع کرنے اور ایک دوسرے کے لیے حلال ہونے کی صورت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (۲: ۲۳۰) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جن سے تجاوز کرنا اور توڑنا حرام ہے، اور ان حدود کو خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے فائدے کے لیے خوب کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو خانہ داری کی مصلحتوں کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

## حلالہ کا حیلہ

بعض لوگوں نے تین طلاقیں دینے والے مرد کی خاطر مطلقہ عورت کو حلال کرنے کے لیے قرآن مجید کی اسی آیتِ مبارکہ میں تلبیس سے کام لیتے ہوئے یہ حیلہ کیا کہ: "کوئی دوسرا شخص اس مطلقہ کے ساتھ اس غرض سے نکاح کرے کہ میں اس سے وطی کرکے پہلے خاوند کی خاطر طلاق دے دوں گا، تاکہ اس بے چارے کا اُجڑا ہوا گھر دوبارہ بس جائے اور اس کے بال بچے خراب نہ ہوں"

○ تو اس مقصد کے لیے عارضی نکاح کرنا، جیسا کہ آج کل "حلالہ" کے نام سے اس غیرت کش اور قبیح فعل کا رواج ہو رہا ہے، تو یہ فعلِ بد حرام، گناہِ کبیرہ اور شریعت مطہرہ کے ساتھ تمسخر ہے۔ اور یہ لعنتیوں کا کام زنا اور متعہ کے حکم میں ہے۔ اور اس میں ملوث تمام لوگ ملعون و مبغوض ہیں۔

## حلالہ کا مطلب

○ اُردو زبان میں مطلقہ عورت کے "عارضی نکاح" کو "حلالہ" کہتے ہیں، تاکہ وہ عورت دُوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد اپنے پہلے خاوند سے پھر دوبارہ نکاح کر سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس قسم کے "عارضی نکاح" کو کہیں بھی جائز نہیں فرمایا۔

○ بلکہ جس فعلِ قبیح کو "حلالہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسی کے بارے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مبارک سے فرمایا ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ

کہ "محلِّل" یعنی حِلّت کو ثابت کرنے والا عارضی شوہر اور "محلَّل لہٗ" یعنی پہلا شوہر کہ جس کی خاطر حِلّت ثابت کی جائے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

○ اور یہ عبرت ناک حدیثِ رسولؐ درج ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

① امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴ بابِ التحلیل، و ترمذی ج ۱ ص ۱۴۴ و ابن ماجہ باب المحلِّل والمحلل لہٗ ص ۱۴۰، و السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)

② امام المحدثین والفقہاء سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ باب ما جاء فی المحلِّل والمحلَّل لہٗ و نسائی ج ۲ ص ۱۰۱ باب احلال المطلقۃ ثلٰثًا، و السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸ و مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۱)

③ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ابن ماجہ ص ۱۴۰)

④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸ باب ما جاء فی نکاح المحلل)

⑤ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ باب ما جاء فی المحلل والمحلل لہ)

⑥ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ ص ۱۴۰ و دارقطنی ص ۳۹۵)

⑦ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۹)

○

## حلالہ زنا ہے

حلالہ کرنے والے بے غیرت شخص کو "محلل" کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو تین طلاقیں دی ہوئی عورت کے ساتھ اس شرط پر عارضی نکاح کرے کہ اس سے ہمبستری کرکے طلاق دیدوں گا تاکہ وہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہو جائے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس فعل کو زنا سمجھا جاتا تھا چنانچہ:

○ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "صرف وہی نکاح معتبر ہے جو رغبت سے کیا جائے، کیونکہ "حلالہ" کی غرض سے کیے جانے والے عارضی نکاح کو ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زنا سمجھتے تھے"۔ (مستدرک حاکم ۲/۱۹۹)

## حلالہ کرنے والا کرائے کا سانڈ ہے

حلالہ کرنے اور کرانے والے اگر اس فعل قبیح کو جائز سمجھیں تو یہ کافر ہیں، کیونکہ لعنت کا مستحق صرف کافر ہوتا ہے، مسلمان پر لعنت کرنا شرعاً منع ہے۔ البتہ کافر کو کفر کے باعث انسانیت سے خارج نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن یہ "حلالہ" تو اس قدر بری چیز ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر صرف لعنت ہی نہیں فرمائی بلکہ اس سے بڑھ کر حلالہ کرنے والے کو اَلتَّيْسُ الْمُسْتَعَار یعنی کرائے کے سانڈ سے تشبیہ دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ملعون تو گویا انسانیت سے بھی خارج ہو چکا ہے۔ چنانچہ:

○ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ کہ کیا میں تمہیں "کرائے کا سانڈ" نہ بتاؤں کہ وہ کون ہوتا ہے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ: یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَ الْمُحَلِّلُ کہ وہ کسی کی خاطر "عارضی نکاح" کرنے والا ہے۔ اور پھر فرمایا: لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ کہ حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (در منثور ج ۱ ص ۲۸۰)

## حلالہ کرنے والوں میں جُدائی ضروری ہے

اگر کوئی شخص جہالت اور لاعلمی کے باعث حلالہ جیسے ملعون و منحوس کام میں ملوث ہوجائے تو اسے فوراً اس عورت سے الگ کردینا ضروری ہے کیونکہ اوّل تو یہ ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ جس کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ دُوسرے یہ کہ اس طرح چند روز کے لیے عارضی نکاح کرلینے سے وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال بھی نہیں ہوتی جیساکہ:

○ امیرالمؤمنین سیّدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے ایک عورت سے چند روز کے لیے محض اس غرض سے عارضی نکاح کر رکھا تھا کہ اس طرح کرنے سے شاید وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے' اور وہ عورت عارضی نکاح کرنے والے اس دُوسرے مرد سے طلاق لینے کے بعد اپنے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرسکے گی۔ تو حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس غرض سے عارضی نکاح کرنے والے ان دونوں مرد اور عورت کے درمیان تفریق فرمادی۔ اور فرمایا کہ اس طرح عارضی نکاح کرنے سے وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہُوا کرتی۔

## حلالہ کرنے اور کرانے والے رجم کے مستحق ہیں

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حلالہ کرنے اور کرانے والے سب ہی زناکار یا پاپی ہیں' اور شریعت مطہرہ میں زنا کی سزا رجم ہے۔ اگر کوئی شخص جان بُوجھ کر اس قبیح فعل کا مرتکب ہوگا تو وہ یقیناً رجم جیسی عبرت ناک سزا کا مستحق ہوگا جیساکہ:

○ امیرالمؤمنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا لَا أُوْتٰی بِمُحَلِّلٍ وَّلَا مُحَلَّلٍ لَّہٗ إِلَّا رَجَمْتُہُمَا۔ کہ خبردار! میرے سامنے کوئی حلالہ کرنے والا شخص نہ لایا جائے اور نہ ہی وہ شخص لایا جائے جس کی خاطر حلالہ کیا جائے، ورنہ میں ان دونوں کو رجم کردوں گا۔ (مصنف عبدالرزاق)

## حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ کی حکمت

تمام احکام الٰہی میں انسان کی بھلائی اور دنیوی و اخروی فائدہ کے لیے بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں موجود ہیں، اور کوئی حکم بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور ان مصالح کا علم انسان کو ہونا ضروری نہیں البتہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

- اہل تحقیق علماء کرام نے حکم الٰہی کے مطابق تدبر اور تفقہ سے کام لیتے ہوئے احکام الٰہی کی کچھ مصلحتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور اسی سلسلے میں علماء کرام نے حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ (۲:۲۳۰) کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

- دراصل اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہ دوسرے خاوند سے ہمبستری کرنے کے بعد تین طلاقیں دینے والے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجاتی ہے، تو یہ حکم اس پہلے شوہر کے لیے سزا کے طور پر دیا گیا ہے جس نے شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شیطان کی اتباع میں تیسری طلاق دی۔ چنانچہ:

- حضرت قاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی شافعیؒ نے تفسیر انوار التنزیل المعروف بہ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۴۲ میں تحریر فرمایا ہے
وَالْحِکْمَۃُ فِیْ ھٰذَا الْحُکْمِ الرَّدْعُ عَنِ التَّسَرُّعِ اِلَی الطَّلَاقِ وَالْعَوْدِ اِلَی الْمُطَلَّقَۃِ ثَلٰثًا

- اسی طرح حضرت ابو الفضل خطیب کازرونیؒ نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے
وَالْحِکْمَۃُ فِی الرَّدْعِ الْمَنْعُ عَنِ الطَّلَاقِ ثَلٰثًا۔ (بیضاوی ص۲۴۲)
یعنی اس حکم الٰہی میں حکمت یہ ہے کہ لوگ یہ حکم سن کر تیسری طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔

- نیز الفتوحات الربانیہ ج ۲ ص ۳۸ میں بھی یہ حکمت بتلائی گئی ہے کہ:
تین طلاق دینے والے کے لیے پھر دوبارہ اسی عورت کا حلال ہونا اس بات پر موقوف رکھا گیا ہے کہ دوسرا خاوند اس سے وطی کرے، تو اس میں حکمت یہ ہے کہ خاوند کو زجر و توبیخ ہو تاکہ وہ تین طلاقیں دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس خاوند کو اس

کام سے نفرت ہو۔ کیونکہ کوئی غیرت مند، سلیم الفطرت اور شریف النفس انسان اپنی رفیقۂ حیات کو کسی دُوسرے مرد کے بستر کو گرم کرنے کی اجازت دینے پر رضامند نہیں ہوگا۔ اِس لیے جب اُس شخص کو اس قانون کا علم ہوجائے گا تو وہ کبھی تین طلاقیں دینے کا طریقہ نہ اپنائے گا۔

○ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو واقعی تین طلاقیں دینے والا بے خوف شخص ایسی سزا کا ہی مستحق ہے۔ کیونکہ اس نے ایک اہم رشتہ توڑا، دو خاندانوں میں تفریق کی، اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کی، اللہ تعالیٰ کے قرآنی حکم اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف اقدام کیا، اجماعِ اُمت کی مخالفت کرکے مسلمانوں کے طریقہ کو ترک کیا اور غیر سبیل المومنین کو اختیار کرکے شیطان کو راضی کیا۔

○ اگر اس نے خواہ مخواہ طلاق دینی ہی تھی تو ایک طلاق دے کر آرام سے اپنے گھر رہتا اور جس بیوی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے عدت کے بعد اُس کے ماں باپ یا بہن بھائی کے گھر رخصت کردیتا۔ اور

○ اگر اسے بہت ہی زیادہ غصہ تھا تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دے کر ہی تنہا زندگی گزارنے کے مزے چکھتا۔ اور جب عقل ٹھکانے سر آجاتی اور پھر دوبارہ اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ رہنے کو جی چاہتا تو اس کی کوئی صُورت پیدا ہوسکتی اور دوبارہ باہم جوڑ کی کوئی گنجائش باقی رہتی، مگر تین طلاقیں دے چکنے کے بعد اب دوبارہ خانہ آبادی کی کوئی صُورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے وہ عورت کبھی اس کے گھر واپس آ ہی نہیں سکتی۔

○ اور اگر اب بھی وہ احکامِ الٰہی اور حدودِ شرعیہ کی خلاف ورزی اور تمسخر کرکے اپنے ہاتھوں اپنا گھر اجاڑنے والا عاصی شوہر اسی مطلقہ عورت کو اپنے گھر بسانا چاہتا ہے تو اس کی صرف یہ صُورت ہے کہ جس طرح وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اس بے وفا شخص کی بیوی بن کر رہی تھی

اسی طرح اب وہ عورت بہ رضا و رغبت پوری زندگی بسر کرنے کی غرض سے پُورے خلوص کے ساتھ کسی دُوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے اور اپنے وجود سے اس گھر کو رونق افروز کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اس دُوسرے مرد کی اولاد کے لیے دُعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرمائے تو اس کی پرورش کرے اور اس خاوند کی وفا شعار بیوی بن کر رہے۔ اور پہلے بے وفا شوہر کا خیال بھی دل میں نہ لائے اور اسی گھر میں اپنی زندگی گزار دے۔

- پھر اگر اس عورت کا یہ دُوسرا شوہر فوت ہو جائے، یا وہ شخص بھی اس عورت کو طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد اب اگر اس پہلے مرد کا جی چاہے اور اس کا ضمیر گوارا کرے تو وہ "تھوکے کو چاٹنے" کے مصداق اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔
- لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس عورت کو جوانی میں بے وفائی کرتے ہوئے اس نے ایک دو بار ہی نہیں تین بار رسوا کر کے اپنے گھر سے نکالا اور طلاق دی، اولاد، جہیز اور زیورات وغیرہ کے بارے میں اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا، عدالتوں میں ذلیل و خوار ہُوا، خاندان بھر کی دشمنی مول لی، دوستوں کو بھی ناخوش کیا، اولاد کے سامنے بھی حقیر ہُوا، اس کا نام سُنتے ہی اولاد کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی تھی کہ اس نے ان کی ماں کو رُسوا کیا اور اسے طلاق دے کر ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ تو اگر ان تمام اُلجھنوں کو سُلجھانے کی صلاحیت اس شخص میں پیدا ہو چکی ہے تو پھر بیشک اس کے لیے وہ عورت حلال ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ صورت نادر الوقوع ہے۔
- دراصل اللہ تعالیٰ نے تیسری طلاق دینے سے منع کرنے کے لیے اس قسم کے الفاظ استعمال فرما کر انسان کی غیرت کو للکارا ہے، اور مقصد یہ تھا کہ کوئی انسان تیسری طلاق ہرگز نہ دے۔

○

**خلاصہ** یہ کہ وہ مُروّجہ حلالہ اور عارضی نکاح حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری سب مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرام کاری میں ملوث ہونے والے سب لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یعنی حلالہ کرنے والا، حلالہ کروانے والا، حلالہ کا مشورہ دینے والا، اور حلالہ کا فتویٰ دینے والا، اور ان کے علاوہ جو لوگ بھی اس حرام کاری میں ملوث ہوں گے وہ تمام ملعون، مغضوب علیہم، مبغوض اور منحوس ہیں۔

## محلِ نزاع مسئلہ

اور جو مسئلہ جمہور مسلمین اور آزاد خیال لوگوں کے مابین محلِ نزاع بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی احمق اپنی جہالت کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے ایک دم اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے، مثلاً یوں کہے کہ: ○ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، یا کہے کہ ○ تو مجھ پر تین طلاق سے حرام ہے۔ یا ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق دے ڈالتا ہے۔ یا ایک ہی طہر کے مختلف اوقات میں تین طلاقیں دے دیتا ہے۔ تو اس شخص کی یہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی یا صرف ایک طلاق رجعی متصور ہوگی؟ چنانچہ:

○ تمام اہلِ سُنّت کا قرآن و سُنّت سے ثابت شدہ اس اہم مسئلہ پر اتفاق ہے کہ خواہ ایک طہر کے عرصے میں تین طلاقیں دی جائیں یا ایک مجلس میں بلکہ اگر ایک کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں بھی دیدی جائیں تو وہ تین ہی ہوں گی۔

○ اس میں صرف حنفیوں ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ شافعی، مالکی، حنبلی متقدمین اور ظاہری۔ سب یہی کہتے ہیں کہ اکٹھی ایک طہر میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ البتہ اہلِ سُنّت کے مخالف روافض کا مسلک یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق متصور ہوگی؛ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے والا رجوع کرکے اس عورت کو اپنے گھر رکھ سکتا ہے اور آزاد خیال لوگ بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

## ضروری تنبیہ

جس طرح بالاتفاق تمام اہلِ سُنّت کے نزدیک تین طلاقیں دینے والا شخص اگر حلالہ یعنی عارضی نکاح کروانے کے بعد اپنی مطلقہ عورت کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہُوئے تجدیدِ نکاح کرکے اپنے گھر بسائے گا تو وہ ملعون ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تین طلاقوں کو ایک تصور کرتے ہُوئے رجوع کرکے مطلقہ عورت کو اپنے گھر بسانے والا شخص بھی ملعون بلکہ زانی ہے۔ کیونکہ جب وہ عورت تین طلاقیں دیے جانے کے بعد اجنبی ہوگئی، اور رُجوع کا حق بھی نہ رہا تو اب اس اجنبی عورت کو گھر میں بسانا زنا ہی کہلائے گا۔

- یاد رہے کہ جو شخص ایک یا دو طلاقیں دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے رجوع کی اجازت دی ہے، لیکن جو شخص تیسری طلاق بھی دیدے تو یہ اس شخص کا اتنا بڑا ظلم اور جُرمِ عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام کرکے رجوع کا حق بھی چھین لیا۔ اور حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ کی سزا تو اتنی بڑی سزا ہے جس کو کوئی غیرت مند اور باحیا شخص برداشت نہیں کرسکتا۔ اور یہ اس مجرم کی سزا ہے جس نے الگ الگ تین طہروں میں ایک ایک کرکے تین طلاقیں دی ہوں۔ جبکہ ایک ہی طہر میں بلکہ ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینا تو بہت ہی بڑا سنگین جُرم ہے۔

- جب تین طہروں میں الگ الگ طلاقیں دینے والے کم درجہ کے جرم کی یہ سزا ہے تو تین طلاقیں ایک طہر میں یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالنے والا مجرم تو بطریقِ اولیٰ اس سزا کا مستحق ہے اور اسے یہ سزا ضرور دینی چاہیے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہُوئے طریقہ کو پسِ پشت ڈال کر حکمِ الٰہی کی بے ادبی اور استہزاء کیا، اللہ تعالیٰ کو ناراض اور شیطان مردود کو خوش کیا۔ اور یہ وہ جرم ہے جس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضی اور غصّے کا اظہار فرمایا تھا۔

# مذہب کی آڑ میں زنا

دورِ جاہلیت میں کھلے عام زنا کو بہت بُرا سمجھا جاتا تھا، اور چھپے زنا کو اس قدر معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حاشیہ صحیح بخاری ص ۹۶۸ میں ہے۔ جبکہ

- اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور چھپے ہر طرح کے فواحش اور زنا سے منع فرمایا ہے بلکہ کوئی مذہب بھی زنا کی اجازت نہیں دیتا۔ تمام ادیانِ سماویہ میں زنا کو جُرمِ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی عورت زنا کرتی تو پُورا خاندان بدنام ہوجاتا اور اس کی شہرت خراب ہوجاتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں بھی زنا جیسا ملعون کام اس قدر عام نہیں تھا جس قدر کہ آج کل عام ہے،
- بلکہ اب تو اس زنا کو اگر ایک طبقہ نے مُتعہ کا نام دے کر مذہبی چھاپ لگائی ہے تو دُوسرے طبقہ نے حلالہ کے رُوپ میں اسے شرعاً جائز سمجھ رکھا ہے۔
- اور ان سب سے بڑھ کر تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے والوں نے تو حد ہی کردی ہے کہ صریح آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں تحریف و تاویل اور ہیرا پھیری کرکے شریعت کی جعلی مُہر لگا کر زنا کی کُھلی اجازت دیدی، مثلاً:
- جب کوئی بد دماغ جاہل اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہُوئے طریقہ کے خلاف ایک طہر میں یا ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے کر خود اپنے ہاتھوں اپنا گھر برباد کرنے والا عاقبت نااندیش اپنا اُجڑا ہُوا گھر پھر سے آباد کرنے کے حیلے بہانے تلاش کرتا ہُوا ان کے پاس پہنچتا ہے تو یہ لوگ ایسے ملعون، مبغوض، مذموم، منحوس اور بدعت کے مُرتکب شخص کو تسلّی دیتے ہُوئے اس کم بخت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔
- حالانکہ حق تو یہ تھا کہ وہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے والے بد دماغ کا دماغ درست کرنے کی غرض سے اس کو زجر و تنبیہ اور سرزنش کرتے، اور اس پر اپنی ناراضی کا اِظہار کرتے ہُوئے سمجھاتے کہ اسے بدبخت انسان تونے یہ شیطانی حرکت کرکے ابلیس لعین کو خوش اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہے

تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزاء اور مخول کیا ہے۔ تو نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو کھیل تماشا سمجھا۔ تو نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اسے یہ بھی بتلاتے کہ اگر ہمارے ملک میں شرعی اور اسلامی حکومت ہوتی تو تجھے اس جرم پر کوڑوں کی سزا دی جاتی۔

○ لیکن اس کے برعکس یہ لوگ اس مجرم کو تسلی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: میاں! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، تیرا کچھ نہیں بگڑا، فکر کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ ایک ہی مجلس میں تین تو کیا اگر تو تسبیح کے دانوں پر گن کر سو، پچاس بھی نہیں اگر ہزار بار طلاق دیتا تو بھی وہ ایک طلاق ہی متصور ہوتی۔ اس لیے تو گھر جا کر رجوع کر لے۔ اور اگر عدت بھی گزر چکی ہے تو تجدید نکاح کر کے اپنا گھر آباد کر لے۔ تو اس طرح ان لوگوں نے شریعت کی جعلی مہر لگا کر اس آدمی کو پوری آزادی کے ساتھ زندگی بھر زنا کرتے رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔

○ اور یہ تینوں قسم کا زنا وہ ہے جس پر بدمذہب اور آزاد خیال لوگوں نے فریب کاری سے شریعت کی جعلی مہر لگا کر جاہل لوگوں کو زانی بنا دیا ہے۔ جو قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ چنانچہ:

## قیامت کی علامت

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ...... (مشکوٰۃ ص ۴۶۹) کہ قیامت کی علامات میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس وقت علمِ دین ختم ہو جائے گا، اور جہالت عام ہو جائے گی۔ اور زنا اور شراب نوشی بھی عام ہو جائے گی۔

○ اس دور میں کئی طرح سے زنا کی کثرت ہو رہی ہے۔ جبکہ سب سے بڑا زنا وہ ہے جو مذہب کی آڑ میں کروایا جا رہا ہے، جس سے توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔

# جہالت کا نتیجہ

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت علم کا اُٹھ جانا اور جہالت کا عام ہو جانا بھی مذکورہ بالا فرمانِ رسولؐ میں بتلائی گئی ہے۔ اور جہالت کے باعث جب کسی چھوٹی یا بڑی وجہ سے اپنی شریکِ حیات کو طلاق دیتے ہیں تو اس بات کا خیال بھی نہیں کرتے کہ طلاق کس طرح اور کب دی جانی ہے؟

- اور اس چیز کا لحاظ بھی نہیں رکھا جاتا کہ جس عورت کو طلاق دے رہا ہوں وہ پاک بھی ہے یا ناپاک، اگر پاک ہے تو اس طہر میں ہمبستری تو نہیں کی، کیونکہ طلاق دیتے وقت ان دو باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔
- لیکن ان باتوں کا لحاظ کیے بغیر معمولی معمولی باتوں پر غصہ آتے ہی بغیر کسی معقول شرعی وجہ کے اپنی مدخول بہا بیوی کو یہ جہالت کے پتلے اکٹھی بلکہ ایک سانس میں تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں۔ جس میں کئی گناہ جمع ہو جاتے ہیں۔
- مشاہدہ: عموماً جہلاء میں یہ بات مشہور ہے کہ طلاق ہوتی ہی تب ہے جبکہ تین ہوں۔ اگر کوئی ایک مرتبہ طلاق کا لفظ منہ سے نکالے تو یہ جہلاء اسے طلاق سمجھتے ہی نہیں۔ اور یہ دستور اس عورت کو بسائے رکھتے ہیں۔
- اور اس طرح ایک ایک کر کے کئی بار طلاق دے چکنے کے بعد بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ابھی طلاق نہیں دی گئی۔ کیونکہ ان کے ذہن میں شیطان نے یہ بات ڈال رکھی ہے کہ جب تک تین مرتبہ طلاق کا لفظ نہ بولا جائے، یا تین کا لفظ طلاق کے ساتھ زبان سے نہ نکالا جائے تب تک طلاق نہیں ہوتی۔
- اور یہ بھی مشہور ہے کہ ایک یا دو طلاقیں پکی نہیں ہوتیں، لہٰذا غصے کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے ایک دو کچی طلاقیں دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے اور اس طرح نہ جانے کتنے لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے زندگی بھر زناکاری میں مبتلا رہتے ہیں، اور ان کے یہاں اولاد بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور اس جہالت کو دیکھ کر شیطان ملعون نہ جانے کس قدر خوش ہوتا ہوگا۔ نعوذ باللہ۔

## صُلح کی کوشش

ایک مجلس میں ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے ڈالنے والے جاھل اور رسمی مسلمان جو مسائلِ طہارت سے بھی پُوری طرح آگاہ نہیں ہوتے اور خود کو پکا سچا اہلِ سُنّت مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ صحیح اسلامی طریقہ کے خلاف تین طلاقیں دے کر اپنا گھر اُجاڑ چکتے ہیں تو پھر مؤجل رکھے ہُوئے حق مہر کی ادائیگی، جہیز کی واپسی اور اپنی اولاد کے مستقبل تعلیم و تربیت اور پرورش کے خرچہ وغیرہ کا خیال پریشان کرتا ہے تو صلح کر کے رجوع یا تجدید نکاح کی کوشش شروع کی جاتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں پہلے تو خاندان کے بڑے بزرگوں سے صلح کرانے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اور اگر اس طرح صلح نہ ہو سکے تو پھر احکامِ شریعت سے لاعلم خان، چودھری اور خوانین وغیرہ قسم کے لوگوں کی پنچائت یا جرگہ وغیرہ میں طلاق کے مؤثر اور وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے پر خوب گرماگرمی اور بحث مباحثہ ہوتا ہے۔ اور جب یہاں بھی ان کی مرضی کے مُطابق کام نہ بنے تو وکلاء سے مشورہ کے بعد معاملہ عدالت تک پہنچتا ہے۔

- اس طرح خاندانی، پنچائتی، وکالتی اور عدالتی کارروائیوں کے دَوران انھیں یہ تو اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ تین طلاقیں دے چکنے کے بعد اب صلح، رُجوع، یا تجدیدِ نکاح کی کوئی صُورت بھی باقی نہیں رہی' اور مزید جھگڑنا بے سود ہے۔
- لیکن انھی کارروائیوں کے دَوران انھیں یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک حلالہ کے نام سے عارضی نکاح کر کے پہلے مرد کے لیے عورت حلال کی جا سکتی ہے لیکن ان کی غیرت اس کام کی اجازت نہیں دیتی۔ اور وہ اپنا گھر آباد نہیں کر سکتے۔
- اس کے بعد یہ خود غرض لوگ فتویٰ لینے کے لیے ان لوگوں کے یہاں پہنچتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک طہر یا ایک مجلس میں تین تو کیا' اگر سو طلاقیں بھی دیدیں تو بھی ایک طلاق رجعی متصوّر ہوتی ہے۔ اور اگر حیض کی حالت میں تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ اور اس طرح ان کی بگڑی سنور جاتی ہے۔

## تین کو ایک کہنے والے کون ہیں

عیسائی نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ: ① باپ خدا ہے۔ ② بیٹا خدا ہے۔ اور ③ روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ یہ تینوں خدا ایک ہی خدا ہیں"۔ اسی طرح قرآن و سنت کی روشنی میں اہل سنت کے متفقہ مسلک سے اختلاف رکھنے والے علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ایک طہر میں یا ایک مجلس میں الگ الگ کر کے یا اکٹھی تین طلاقیں دیجائیں تو بھی وہ ایک طلاق ہی سمجھی جائے گی۔ بلکہ اگر حیض کی حالت میں تین تو کیا اگر سو طلاقیں بھی دے دی جائیں تو ایک طلاق بھی نہ ہوگی۔ چنانچہ:

○ ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی متوفی ۳۲۹ھ نے اپنی مشہور کتاب "الفروع من الکافی" مطبوعہ تہران ج ۶ ص ۷۰ میں باب من طلق ثلاثا علی طہر بشہود فی مجلس او اکثر انہا واحدۃ کے عنوان سے باب منعقد کیا کہ جو شخص طہر کی حالت میں گواہوں کے سامنے ایک ہی مجلس میں یا کئی مجالس میں تین طلاقیں دیدے تو وہ ایک طلاق ہی متصور ہوتی ہے۔ پھر اس باب کے تحت کئی روایات تحریر کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

○ زرارہ نے کہا کہ میں ابو عبد اللہ حضرت جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے اس شخص کے بارے میں استفسار کیا جو اپنی بیوی کو بحالت طہر ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے تو انہوں نے فرمایا: ھی واحدۃ کہ وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے۔

○ نیز ایک روایت میں ہے کہ زرارہ نے کہا کہ میں حضرت جعفر صادقؒ سے بحالت طہر ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے والے کے بارے میں پوچھا کہ اس کا حکم کیا ہے، تو آپؒ نے فرمایا: ھی واحدۃ کہ وہ بھی ایک طلاق ہے۔

○ نیز ایک روایت میں ہے کہ ابو بصیر اسدی، محمد بن علی حلبی اور عمرو بن حنظلہ نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا

کہ غیر عدت میں تین طلاقیں طُہر کی حالت میں ہوں تو ایک طلاق بنتی ہے اور اگر طُہر کی حالت میں نہ ہو تو کچھ بھی نہیں یعنی اس طرح طلاق نہ ہوگی۔

○ عمرو بن البراء نے کہا کہ میں نے حضرت جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا کہ ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ "آدمی جب اپنی بیوی کو ایک بار یا سو بار طلاقیں دیدے تو وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے" اور ہمیں آپ سے' اور آپ کے آباء و اجداد سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "جب ایک بار یا سو بار طلاق دے تو وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے" تو اس کے جواب میں حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ "وہ بات اسی طرح ہے جس طرح تمہیں پہنچی ہے" یعنی اگر کوئی سو بار طلاق دے تو بھی وہ ایک ہی شمار ہوگی۔

○ ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی متوفی سنہ ۴۶۰ھ نے اپنی کتاب الاستبصار ۳، ص ۲۸۶ میں بھی اسی طرح کی روایت لکھ کر ثابت کیا ہے کہ اگر حیض و نفاس کی حالت میں طلاق دے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا یعنی طلاق نہیں پڑتی۔

○ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو جعفر محمد باقر (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اگر عدت کے وقت یعنی طُہر میں اپنی بیوی کو ایک سے زیادہ جس قدر بھی طلاقیں دے گا تو ایک طلاق ہی مؤثر ہوگی اور ایک سے زائد مؤثر نہ ہونگی۔

○ نیز ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: رجل طلق امرأتہ ثلٰثاً وھی علی طھر فانما ھی واحدۃ کہ عورت طُہر کی حالت میں ہو اور مرد اُسے تین طلاقیں دیدے تو وہ صرف ایک طلاق ہی شمار کی جائے گی۔ نیز آپ نے فرمایا: ومن طلق امرأتہ ثلٰثاً علی غیر طھر فلیس بشیءٍ کہ اگر عورت ناپاکی یعنی حیض و نفاس کی حالت میں ہو اور اسے تین طلاقیں دیدے تو سرے سے طلاق پڑتی ہی نہیں۔

○ نیز حضرت جعفر صادق کے والد حضرت محمد باقر (رحمھما اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے: ان علیا علیہ السلام کان یقول اذا طلق الرجل المرأۃ قبل ...

يدخل بها ثلاثا في كلمة واحدة فقد بانت منه ولا ميراث بينهما ولا رجعة ولا تحل له حتى تنكح زوجا غيره. کہ حضرت امیرالمؤمنین سیدنا امام علی (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مرد اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت اس سے جُدا ہوگئی، نہ نکاح رہا، نہ ورثہ اور نہ ہی اسے رجوع کا حق رہا۔ اور وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہی، یہاں تک کہ دُوسرے سے نکاح کرے۔

- حضرت امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ذیشان اہل سُنّت کے مسلک سے مکمل طور پر مُطابقت رکھتا ہے۔ لیکن مُحبِ علیؓ کا زبانی دعویٰ کرنے والا اس کتاب کا مُصنّف حضرت امیرالمؤمنینؓ کا یہ فرمان نقل کرنے کے بعد اس کو ماننے اور عمل کرنے سے صاف اِنکار کرتے ہُوئے لکھتا ہے: هذا الخبر موافق للعامة لسنا نعمل به لانه اذا طلقها ثلثا في كلمة واحدة فانما يقع منها واحدة على ما تضمنته الروايات الاولة کہ یہ خبر عامۃُ المسلمین کے مذہب سے موافقت رکھتی ہے لیکن ہم (روافض) اس روایت پر عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ جب مرد اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ ایک ہی پڑتی ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزری ہُوئی روایات کے ضمن میں یہ بات آئی ہے۔

- اسی طرح ابوجعفر محمد بن الحسن طوسی نے اپنی دُوسری کتاب تہذیب الاحکام ج ۸ میں بھی وہی روایات نقل کی ہیں جو الاستبصار میں بھی نقل کی جا چکی تھیں۔

- سید محمود حسینی شاہرودی نے اپنی کتاب توضیح المسائل (مطبوعہ ۱۳۹۰ھ) ص ۳۵۲ میں لکھا ہے: اگر زن را از خون حیض پاک بداند و طلاقش دہد بعد معلوم شد کہ موقع طلاق در حال حیض بودہ طلاق او باطل است۔ (مسالہ ۲۵۱۰)

- اسی طرح سید رُوح اللہ موسوی خمینی کی کتاب توضیح المسائل جدید (مترجم اُردو) ص ۳۸۱ میں ہے کہ اگر عورت کو خونِ حیض سے پاک سمجھتے ہُوئے طلاق دیدے

اور بعد میں معلوم ہو کہ طلاق دیتے وقت وہ حالتِ حیض میں تھی تو اس کی طلاق باطل ہے۔ (ترجمہ از سید صفدر حسین نجفی، ناشر امامیہ پبلیکیشنز گنپت روڈ لاہور)

- تفسیر نمونہ ج ۲ ص ۱۰۰ میں شیخ محمود شلتوت سابق رئیس جامعہ ازہر مصر کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں اہل سُنّت کے چاروں مذاہب میں تین ہی شمار ہوتی ہیں، لیکن شیعہ امامیہ کے عقیدے کے مُطابق وہ ایک سے زیادہ طلاقیں شمار نہیں ہوتیں۔
- تفسیر مظہری اُردو مترجم ج ۱ ص ۲۹۳ میں ہے: امامیہ کا قول ہے کہ اگر کسی نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دیں تو اس آیت کی وجہ سے ایک بھی طلاق نہ پڑے گی۔
- نور الہدایہ ص ۲۶۵ میں ہے کہ روافض کے نزدیک تین طلاق ایک بار میں نہیں واقع ہوتے۔ (نور الہدایہ کتاب الطلاق فصل اوّل)
- غایۃ السعایہ ص ۳۶۲ میں ہے کہ حضرت امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ: "بدعی طلاق کے واقع نہ ہونے کا قول خوارج اور روافض کا ہے"۔
- نیز علامہ ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے کہ: "تین طلاقوں کے تین شمار ہونے کا کوئی مخالف نہیں سوائے اہلِ بدعت اور ضلال کے"۔ (غایۃ السعایہ ص ۳۶۲)

<u>خلاصہ</u> یہ کہ حیض کی حالت میں دی گئی بدعی طلاق کو طلاق ہی نہ سمجھنا، اور ایک طہر، ایک مجلس، یا ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دینا ضلال، اہلِ بدعت، روافض اور خوارج وغیرہ فرقِ باطلہ کا مسلک ہے، ورنہ تمام اہلِ سُنّت کا اسی بات پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں خواہ حیض کی حالت میں ہوں یا ایک طہر میں ایک ساتھ اکٹھی یا جُدا جُدا دی جائیں تو وہ شرعاً تین طلاقیں ہی سمجھی جائیں گی۔ اور اہلِ سُنّت کے مسلک کی بنیاد آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے اس بارہ میں کیے گئے فیصلوں پر قائم ہے، جن سے انکار کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

## بدعی طریقہ سے دی ہوئی تین طلاقوں کے وقوع پر

# اہل السنت والجماعت کے دلائل

○ دلائل شرعیہ کے چار ہیں۔ ① قرآن مجید ② احادیث صحیحہ ③ اجماع ④ قیاس۔ جن میں سب سے پہلا مقام قرآن مجید کو حاصل ہے۔ لیکن جب کوئی مسئلہ تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں نہ ملے تو پھر حدیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں جو مسئلہ اجمالی طور پر بیان ہوتا ہے، اس کی تفصیل احادیثِ مبارکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

○ اور قرآن میں تین طلاقوں کے زیرِ بحث مسئلہ کا اگر اجمالی ذکر ہے تو احادیثِ نبویہ میں اس کی تفصیل اور وضاحت موجود ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل معلوم کرنے کے لیے احادیثِ نبوی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق حلت و حرمت سے ہے۔

○ نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ احادیثِ نبوی کو جمع کرنے والے علماء کرام و محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ احادیثِ نبوی کے سلک دُرر میں جواہر حدیث کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیتے وقت مختلف ابواب میں بیان کرتے ہیں تو سب سے پہلے باب کا لفظ لکھ کر ترجمۃ الباب میں مختصراً اپنا مسلک بیان کرتے ہیں، اور پھر اس کی تائید میں احادیثِ نبوی کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں، گو ان احادیث میں بظاہر وہ لفظ سرے سے موجود ہی نہ ہو، لیکن اس حدیث سے محدثین اپنی فہم کے مطابق جو مسئلہ مستنبط کرتے ہیں اُسے وہ ترجمۃ الباب میں تحریر کردیتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میرے نزدیک اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ اور ان محدثین کے بعد موجودہ دور کے علماء خواہ علم میں کتنا ہی یدِطولیٰ رکھتے ہوں اگر وہ اس حدیث کا مفہوم ان کے خلاف بیان کریں تو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

# تین طلاقوں کے بارے میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے فیصلے

## سیدہ فاطمہ بنت قیسؓ کو دی گئی تین طلاقوں کا فیصلہ

❶ حضرت امام محمد بن یزید قزوینی ابو عبد اللہ ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مجموعہ احادیث سنن ابن ماجہ کے کتاب الطلاق میں بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلٰثًا فِی مَجْلِسٍ وَاحِدٍ کے عنوان سے ترجمۃ الباب تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اس باب میں اس حدیث مبارک کو نقل کیا جائے گا جس میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والے کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کا ذکر کیا جائے گا۔ یعنی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ ترجمۃ الباب لکھنے سے حضرت امام ابن ماجہؒ کا مقصد یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور پھر اس مسلک کی تائید میں انھوں نے ایک مشہور صحابیہ کو اس کے شوہر کی طرف سے دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں درج ذیل روایت نقل فرمائی: (ص ۱۴۷)

○ حدثنا محمد بن رمح انبأنا اللیث بن سعد عن اسحٰق بن ابی فروۃ عن ابی الزناد عن عامر الشعبی قال قلت لفاطمۃ بنت قیس حدثینی عن طلاقک قالت طلقنی زوجی ثلٰثا وھو خارج الی الیمن فاجاز ذٰلک رسول اللہ ﷺ یعنی حضرت عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ مجھے اپنی طلاق کے بارے میں بتائیں، تو انھوں نے فرمایا کہ میرے شوہر (حضرت حفص بن عمرو بن المغیرہؓ) نے مجھے (ایک مجلس میں اکٹھی) تین طلاقیں دیدی تھیں، اور وہ اس وقت یمن کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طلاقوں کو نافذ رکھا۔

○ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ اسحٰق بن ابی فروہ صدوق ہیں جو بعد میں نابینا ہو گئے تھے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۴۷ مطبع فاروقی دہلی)

❷ امام المحدثین حضرت حافظ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۵۶ھ) نے اپنے مجموعۂ احادیث "الصحیح البخاری" ص ۷۹۱ میں باب من اجاز طلاق الثلث کے عنوان سے "ترجمۃ الباب" تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں ان احادیث مبارکہ کا بیان ہے جو تین طلاقوں کے نافذ کرنے والوں کی دلیل ہے۔

○ حضرت علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۳ میں حضرت امام بخاریؒ کے قائم کردہ اس عنوان اور ترجمۃ الباب کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "امام بخاریؒ کے اس ترجمۃ الباب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں جو تین طلاقوں کے وقوع پذیر ہونے کے قائل نہیں تھے۔" اور حضرت علامہ عینیؒ نے یقیناً ان لوگوں کی طرف ہی اشارہ کیا ہوگا جن کا ذکر ہم قبل ازیں "تین کو ایک کہنے والے کون ہیں" کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔

○ حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں: باب من اجاز طلاق الثلث ای دفعۃ واحدۃ او مفرقا کہ یہ باب تین طلاقوں کے جواز یعنی نافذ ہونے کے بیان میں ہے' خواہ وہ تین طلاقیں یک دم دی جائیں (مثلاً: انت طالق ثلثا) یا الگ الگ کرکے دی جائیں (مثلاً: انت طالق انت طالق انت طالق)، پھر فرمایا: وھذا عام یتناول ایقاع الثلث دفعۃ واحدۃ۔ یعنی حضرت امام بخاریؒ کی یہ عبارت (من اجاز طلاق الثلث) یک دم اور اکٹھی تین طلاقیں واقع کرنے کو بھی شامل ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ تین طلاقیں دینے کو بھی شامل ہے۔ اور وہ علیحدہ علیحدہ تین طلاقیں خواہ ایک ہی مجلس میں ہوں یا مختلف مجلسوں میں ہوں' خواہ ایک ہی طہر میں ہوں خواہ مختلف طہروں میں ہوں۔

○ نیز حضرت علامہ قسطلانیؒ نے مزید یہ بھی تحریر فرمایا: ودلت الأية على ذلك من غير نكير کہ آیت کریمہ الطلاق مرتان کی عبارت بھی بلا نکیر اس پورے مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی دو اکٹھی طلاقیں دینے سے بھی دو طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور الگ الگ دو طلاقیں دینے سے بھی دونوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ خواہ ایک مجلس میں دے یا دو مجلسوں میں، خواہ ایک طہر میں دے یا دو طہروں میں، ہر حال دو طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں

○ حضرت شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تیسیر القاری میں اس مقام پر ترجمۃ الباب کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یاروں اور کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

○ اور ظاہریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں، بلکہ صرف ایک ہی طلاق پڑتی ہے، بلکہ بعض ظاہریہ تو کہتے ہیں کہ اس طرح ایک بھی نہیں پڑتی۔

○ نیز آپ نے فرمایا: شارح تراجم نے فرمایا ہے کہ اس ترجمۃ الباب میں ظاہریہ کے دونوں فرقوں کا رد ہوجاتا ہے۔ یعنی ان کا رد بھی ہوگیا جو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق ہی پڑتی ہے۔ اسی طرح ان کا رد بھی ہوگیا جو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے ایک بھی واقع نہیں ہوتی۔ اور حجاج بن ارطاۃ ابو ارطاۃ نخعی کوفی (وهو ليس بالقوی) کا قول ہے کہ تین طلاق کہنے سے ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۲۵)

○ یاد رہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے باب من اجاز طلاق الثلث کے عنوان سے تو باب قائم کیا ہے لیکن ایسا کوئی باب قائم نہیں کیا جس میں باب من قال الطلاق الثلث يجعل واحدة کے الفاظ سے ترجمۃ الباب لکھا ہو کر کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ تین طلاقیں ایک طلاق ہی سمجھی جاتی ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کا اپنا مسلک بھی وہی ہے جو ائمہ اربعہ اور دوسرے تمام اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ الباب باب من اجاز طلاق الثلاث کے زیرِ عنوان سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کو تین قرار دینے کا ذکر ہے کہ:

○ سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کو دیکھے تو اُسے قتل کردے یا کچھ اور سزا دے، آپ اُسے قتل کرنے کا حکم دیں گے یا کوئی اور سزا دیں گے؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے یہ مسئلہ دریافت کیجیے۔

○ سیدنا عاصمؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ اس بات سے ناخوش ہوئے اور اس فعل کو قابلِ عیب قرار دیا۔

○ سیدنا عاصمؓ نے جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا جواب سُنا تو انھیں بھی صدمہ ہوا اور وہ واپس لوٹ آئے۔ پھر سیدنا عویمرؓ تشریف لائے اور انھوں نے دریافت فرمایا کہ: اے عاصم! اس مسئلے کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ تو حضرت عاصمؓ نے جواب دیا کہ آپ کا سوال اچھا نہیں تھا، اس لیے کہ آپ نے جو مسئلہ دریافت فرمایا تھا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا ہے۔ حضرت عویمرؓ نے جب یہ بات سُنی تو انھوں نے فرمایا کہ واللہ! میں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیے بغیر نہیں رہوں گا۔

○ چنانچہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں خود حاضر ہوئے، جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی:

○ یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو دیکھے تو اُسے قتل کر دینا چاہیے یا کوئی اور سزا دینی چاہیے؟ اور اگر وہ قتل کردے تو کیا آپؐ اس غیرت مند قاتل کو قصاص میں قتل فرمادیں گے؟ تو اس پر

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ دونوں میاں بیوی کے بارے میں وحی الٰہی نازل ہوئی ہے۔ اس لیے گھر جا کر اپنی بیوی کو بلا لائیں۔ (چنانچہ حضرت عویمرؓ گھر سے اپنی بیوی کو لے کر مسجد نبوی میں حاضر ہوگئے)
- سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت لوگوں کے ساتھ میں بھی موجود تھا جبکہ ان دونوں مرد اور عورت نے اپنی اپنی صفائی دیتے ہوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (قرآن مجید ۲۴: ۶ تا ۹ میں مذکور طریقے کے مطابق) باہم لعان کیا۔ جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمرؓ بولے:
- یا رسول اللہ! اگر اب بھی میں اس عورت کو گھر روک رکھوں تو بہتان لگانے والا قرار پاؤں گا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا شرعی ارشاد فرماتے "خود حضرت عویمرؓ نے جلدی سے تین طلاقیں دیدیں۔"
- حضرت امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ: "ایک ہی مجلس میں یکے بعد دیگرے یا ایک ساتھ اکٹھی ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدی جائیں تو تینوں طلاقیں نافذ ہوجائیں گی۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے "لعان" کے بعد جب حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی حکم کا انتظار بھی نہ کیا لیکن اس کے باوجود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نہ صرف یہ کہ نکیر نہیں فرمائی، بلکہ تینوں طلاقوں کو نافذ العمل قرار دیا ہے[1]۔
- یاد رہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث نو جگہ بیان کی ہے اور ہر جگہ ایک ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ مثلاً: مسجد میں لعان کا جواز، مسجد میں فیصلہ کرنے کا جواز، اور دین میں غلو کی ممانعت وغیرہ۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

[1] سنن ابو داؤد ج۱، ص ۳۱۳

## سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی تین طلاقوں کا فیصلہ

حضرت امام بخاریؒ نے جس طرح ایک مجلس میں دی گئی اکٹھی تین طلاقوں کے نفاذ سے متعلق سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعۂ لعان کو باب من اجاز طلاق الثلث میں نقل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی اکٹھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی اپنی بیوی کو تین طلاقوں سے متعلق ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی اسی باب میں نقل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے بھی اکٹھی تین طلاقیں ہی دی تھیں۔ نیز حضرت امام بخاریؒ نے یہی روایت مختلف ابواب میں سات مقامات پر نقل فرمائی ہے۔ کسی میں صرف طلقها، طلقنی، طلق امراته کے الفاظ آتے ہیں جبکہ اس باب میں بتّ طلاقی آیا ہے، جس کا معنی ہے: قطع عصمتها بتطليق الثلاث۔ یعنی تین طلاقیں دیکر اس کی عصمت کو کاٹ دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں صرف طلقها اور طلقنی کے لفظ آتے ہیں اس سے بھی تین طلاقیں ہی مراد ہیں۔ چنانچہ:

"اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ! حضرت رفاعہؓ نے مجھے بتّ طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دیا تھا، اس کے بعد میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر قرظیؓ سے دوسرا نکاح کر لیا۔ لیکن ان کے پاس کپڑے کے پھندنے کے سوا کچھ بھی نہیں یعنی وہ عورت کے لائق نہیں ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم چاہتی ہو کہ دوبارہ رفاعہؓ کے پاس چلی جاؤں، لیکن تم حضرت رفاعہ کے پاس اس وقت نہیں جا سکتیں جب تک عبدالرحمٰنؓ اور تم دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز نہ ہو جاؤ۔" آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر عبدالرحمٰن اس قابل نہیں ہیں تو تم اُن سے طلاق لے کر بھی حضرت رفاعہؓ کے پاس نہیں جا سکتیں۔

- یاد رہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث مختلف ابواب میں سات جگہ نقل فرمائی ہے اور ہر مقام پر الگ الگ مسائل مستنبط فرمائے ہیں، جبکہ واقعہ یہی ہے لیکن اس واقعہ میں طلاق سے متعلق مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً: کہیں بت طلاق کا لفظ آیا ہے، کہیں طلقها ثلثا ہے، اور کہیں طلق امرأته کا لفظ آیا ہے۔ جبکہ باب التبسم والضحک میں طلقها اٰخر ثلث تطلیقات کا لفظ بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے دو طلاقیں تو اس سے پہلے ہی دی ہوئی تھیں اور اب آخری بار تیسری طلاق دے کر مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے انقطاع تعلق کر لیا۔

- لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح بخاری کے متعدد قلمی نسخوں میں سے کسی میں بھی اٰخر کا لفظ موجود نہیں تھا، البتہ "مشکول" کے نسخہ میں کسی طرح یہ لفظ لکھا گیا اور پھر اسی نسخہ سے دیکھ کر طبع شدہ موجودہ نسخہ میں بھی نقل کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود شارح بخاری حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۵۷ میں یہ حدیث لکھتے وقت فطلقها ثلث تطلیقات کے الفاظ لکھے ہیں اور اٰخر کا لفظ نہیں لکھا۔ لیکن کوئی اس کو کتابت کی غلطی بھی نہ سمجھے۔ کیونکہ

- حضرت امام قسطلانیؒ نے حاشیہ میں اس بات کی باقاعدہ وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: فی نسخ المتن المشکول زیادة لفظة اٰخر بعد قوله فطلقها. اھ. کہ نسخہ متن مشکول میں فطلقها کے بعد اٰخر کا لفظ اضافی ہے۔ یعنی اصل نسخہ میں اٰخر کا لفظ نہیں ہے۔ نیز:

- حضرت امام بخاری کا اس حدیث کو باب من اجاز طلاق الثلث میں بیان کرنا بھی تبھی درست ہو سکتا ہے جب اٰخر کا لفظ نہ ہو، ورنہ ان کا مدعیٰ ثابت نہ ہوگا۔

- نیز اٰخر کا لفظ بتّ طلاق کے بھی مغایر ہے، جس کا معنی ہے کہ تین طلاقیں دے کر اس کی عصمت کو کاٹ دیا۔ جیسا کہ شراح نے تحریر فرمایا ہے۔

## سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کی بتہ طلاق کا فیصلہ

❸ حضرت امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سُنن ابی داؤد ص ۳۰۷ میں باب فی البتۃ کے تحت سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کی طلاق کا واقعہ بیان کیا ہے، جو انھوں نے لفظ البتۃ کے ساتھ دی تھی۔ چنانچہ:

○ سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ماجرا سُنایا۔ اور فرمایا کہ واللہ! میری نیت محض ایک طلاق دینے کی تھی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: لفظ البتۃ بول کر آپ کی مُراد ایک طلاق دینے کی تھی؟ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ: "واللہ! میری نیت ایک طلاق کی تھی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو وہی ہُوا جو ارادہ تھا۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان سے معلوم ہُوا کہ اگر لفظ "البتۃ" بولتے وقت اُن کی مُراد تین طلاقوں کی ہوتی تو اسی ایک لفظ کے بولنے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتیں۔ ورنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح دُہرا کر اور قسم دے کر پُوچھنے کی ضرورت ہوتی؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے یہ استفسار اسی صُورت میں درست ہو سکتا ہے جبکہ "البتۃ" کا لفظ بول کر ایک طلاق کا ارادہ کرنے سے ایک، اور تین کا ارادہ کرنے سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہوں۔

○ یاد رہے کہ لفظ البتۃ اُن الفاظِ کنایات میں سے ہے، جو طلاق کے معنے میں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ ان الفاظِ کنایات میں سے کوئی لفظ بولتے وقت جو نیت ہو گی اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً: اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو سرے سے طلاق ہوئی ہی نہیں۔ اور اگر ایک طلاق کی ہو تو ایک طلاق ہو گی اور اگر "البتۃ" کا لفظ بولتے وقت تین طلاقوں کی نیت ہو تو اسی ایک لفظ کو صرف ایک مرتبہ بولنے سے تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی

- حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ص ۷۹۲ میں إذا قال فارقتك أو سرّحتك أو الخلية أو البرية أو ما عني به الطلاق فهو على نيته. کے عنوان سے طلاق کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کنایہ کا ایک باب منعقد کرکے ثابت کیا ہے کہ جب شوہر کہے: فارقتك کہ میں نے تجھے الگ کیا۔ یا کہے: سرّحتك کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ یا کہے: خلية کہ تو آزاد ہے۔ یا کہے: برية کہ تجھ سے بیزاری ہے یا اسی قسم کے اور کوئی الفاظ بولے جن سے طلاق مراد لی جاسکتی ہے جیسے بتّ یا البتة کا لفظ بول کر تحفظ عصمت کی ذمہ داری سے کنارہ کشی کا اظہار کرے۔ یا انتِ عليّ حرام کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے۔ تو ان صورتوں میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ نیز:
- حضرت امام بخاریؒ نے باب من قال لامرأته انتِ عليّ حرام کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حسن البصریؒ فرماتے ہیں کہ مدار نیت پر ہے۔
- نیز حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا: "سب علماء یہی فرماتے ہیں کہ جب تین طلاقیں دے دی جائیں تو عورت مرد پر حرام ہوجاتی ہے اور علماء اس کو حرام بالطلاق یا حرام بالفراق کہتے ہیں۔"
- حضرت امام بخاریؒ کا مطلب یہ ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تحریم یعنی اپنی بیوی کو کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" سو بشرط نیت لانے کا محض یہ ایک لفظ (انتِ عليّ حرام یا تو مجھ پر حرام ہے) بمنزلہ تین طلاقوں کے سمجھا جائے گا۔
- حضرت علامہ ابن بطالؒ نے بھی حضرت امام بخاریؒ کے اس فرمان کا مطلب یہی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح تین طلاقوں سے عورت مرد پر حرام ہوجاتی ہے اسی طرح عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینے کا مطلب بھی تین طلاقیں ہی ہیں۔

- نیز آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنے مدعے کو ثابت کرنے کے لیے دلیل میں سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی (لفظِ کنایہ "بتۃ" کے ساتھ دی ہوئی تین طلاقوں والی) حدیث پیش فرمائی ہے۔ (ارشاد الساری ۱۳۶/ ۸)
- حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت مروان بن الحکمؒ اس شخص کے بارے میں تین طلاقوں کا فتویٰ دیا کرتے تھے جو اپنی بیوی کو بتۃ کے لفظ سے طلاق دیتا تھا۔ (مصفّٰی شرح مؤطا امام مالکؒ ج ۲ ص ۵۱)
- حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بقول حضرت نافعؒ کے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ (بہ نیتِ طلاق کنایۃً بولے جانے والے الفاظ) خلیۃ اور بریۃ یعنی تو آزاد ہے اور میں تجھ سے بیزار ہوں) میں سے ہر ایک تین طلاقیں ہوتی ہیں۔ (مصفّٰی شرح مؤطا ج ۲ ص ۵۱)
- نیز آپ نے فرمایا کہ مجھ تک امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ (یعنی تو مجھ پر حرام ہے) کہے تو (اسی ایک کلمہ سے) تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔
- نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت امام محمد بن اسلم ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو (طلاق کی نیت سے) بَرِئْتِ مِنِّی (یعنی تو مجھ سے بری) اور بَرِئْتُ مِنْكِ (میں تجھ سے بری) کے الفاظ کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، کیونکہ طلاق کے لیے بولے جانے والے یہ الفاظ "البتۃ" کے قائم مقام ہیں۔ (دیکھیے مصفّٰی شرح مؤطا ج ۲ ص ۵۱)
- حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام ج ۵ ص ۱۱۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن جریج نے حضرت عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ سے "البتۃ" کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عطاءؒ نے ارشاد فرمایا کہ "البتۃ" کہنے والے کو اس کے دین ایمان پر چھوڑ دو۔ سو اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ تین کا تھا تو تین، اور اگر کہے کہ ارادہ ایک کا تھا تو ایک طلاق ہوگی۔

- جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردان گرامی تابعین عظام کے فتاوی کی روشنی میں یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ جب طلاق کی نیت سے کنایۃً بولے جانے والے الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ بھی بیک وقت تین طلاقیں واقع ہو کر عورت حرام ہو جاتی ہے تو پھر یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں رہتا کہ صراحۃً تین طلاقیں دے ڈالنے سے تینوں طلاقیں واقع نہ ہو سکیں۔ بلکہ ایک مجلس میں صراحۃً تین طلاقیں دینے سے بطریق اولیٰ تینوں طلاقیں واقع ہو کر عورت حرام ہو جائے گی
- فرق صرف یہ ہے کہ صراحۃً "طلاق" کا لفظ ادا کرتے وقت نیت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ جبکہ کنایات کا استعمال کرتے وقت نیت کا ہونا ضروری شرط ہے۔ البتہ مذاکرۂ طلاق کے دوران اگر کنایات کا استعمال ہو جائے۔ جن کا ذکر گزشتہ صفحات پر ہو چکا ہے تو پھر نیت بھی ضروری نہیں کیونکہ مذاکرۂ طلاق ہی نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔
- نیز یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کہنے سے بیک وقت تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔
- اسی طرح اگر کوئی شخص فِیْ کَلِمَۃٍ وَّاحِدَۃٍ یعنی ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہوئے اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا یا "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" کا لفظ کہدے تو بھی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جیسے:
- اگر کوئی شخص ایک مجلس میں دو گواہوں کے سامنے تین عورتوں کو کہے کہ میں نے تم تینوں سے نکاح کیا، اور وہ تینوں بھی دو گواہوں کے سامنے کہیں کہ ہم نے قبول کیا، تو تینوں سے بیک وقت نکاح ہو جائے گا۔ البتہ
- کنایات میں سے "بتۃ" اور "البتۃ" کے الفاظ منفرد ایسے ہیں کہ یہاں نیت شرط ہے۔ یعنی اگر ایک طلاق کی نیت ہو گی تو صرف ایک طلاق ہو گی اور اگر تین کی نیت ہو گی تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی[1]

---

[1] دیکھیے مصنف عبدالرزاق باب البتۃ والخلیۃ ج ۶ ص ۳۵۵ تا ۳۶۳

○ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے "البتۃ" کے لفظ بائن کے ساتھ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ "بتۃ" بول کر میری مراد ایک طلاق کی تھی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات کی قسم لی۔ اور حضرت رکانہؓ نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ! میں نے بتۃ سے مراد ایک طلاق ہی لی تھی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ارادہ اور نیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک طلاق قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت رکانہؓ کی نیت تین طلاقوں کی ہوتی تو صرف اسی ایک لفظ سے تین طلاقیں ہو جاتیں۔

## حدیث رکانہ کی سند

سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کی اپنی بیوی سہیمہ کو لفظ "البتۃ" کے ساتھ دی گئی طلاق پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے متعلق یہ روایت حضرت امام ابوداؤدؒ تک تین سندوں سے پہنچی ہے، جن میں سے دو سندوں میں تو حضرت امام شافعیؒ راوی ہیں اور خود انھوں نے یہ روایت کتاب الام ج ۳ ص ۲۶۰ میں نقل فرمائی ہے۔ نیز یہ حضرت امام شافعیؒ کا اپنا خاندانی سند ہے۔ کیونکہ سیدنا رکانہؓ ان کے بزرگوں میں سے ہیں، جبکہ سیدنا رکانہؓ کے والد عبد یزید جناب ہاشم بن مطلب بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔

○ عبد مناف جو کہ چوتھی پشت میں نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، ان کے چار بیٹے تھے۔ نوفل، عبد شمس، مطلب اور ہاشم۔

○ اور ہاشم بن عبد مناف کے پانچ بیٹے تھے۔ عباف، اسد، نضلہ، صیفی اور عبد المطلب۔ جبکہ عبد المطلب کے بیٹوں میں حارث، غیداق، قثم، حجل، مقوم، عبد الکعبہ، ابوطالب، ابولہب، عبد اللہ (پدر رسول اللہ ﷺ) زبیر، عباس اور سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں۔

○ اور مطلب بن عبد مناف کے پانچ بیٹوں میں سے بھی ایک کا نام ہاشم تھا۔

شجرۂ نسب حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی
رحمہ اللہ تعالیٰ
مطلب بن عبد مناف
حارث
مغیرہ
ہاشم
عباد
عبد یزید
عبد یزید
رکانہ
عبید
عجیر
یزید
سائب
نافع
علی
شافع
علی
عبد اللہ
عثمان
علی
عبد اللہ
ادریس
محمد
محمد بن ادریس شافعی مطلبی
زبیر بن سعد
جریر بن حازم
سلیمان بن داؤد
روایت رکانہ میں امام ابو داؤد کی سند
عالم العصر ناصر الحدیث فقیہ الملۃ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی قرشی مطلبی مکی
احمد بن عمرو بن السرح ابو طاہر
ابراہیم بن خالد ابو ثور کلبی
عبد اللہ بن زبیر بن عیسیٰ
سند اول
محمد بن یونس نسائی
سند ثانی
شیخ السنۃ مقدم الحفاظ امام سلیمان بن الاشعث ابو داؤد الازدی السجستانی محدث بصرہ

## روایتِ رکانہ کی تینوں سندوں کا تعارف

حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے سنن ابی داؤد ص ۳۰۷ میں باب فی البتۃ کے تحت تین سندوں سے زیر بحث حدیثِ رکانہؓ کو نقل فرمایا ہے۔

اس حدیث کی دو سندوں میں عالم العصر ناصر الحدیث، فقیہ الملت حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی قرشی مطلبی مکی غزی صاحب کتاب الام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی آتا ہے۔ جن کے تفقہ، تدین اور تقویٰ میں کسی کو بھی انکار نہیں۔ بلکہ ان کو وہ مقام حاصل ہے کہ وہ جس حدیث کو اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کریں اس کی سند کے قوی یا ضعیف ہونے کی بات نہ کی جائے۔

البتہ اس روایت میں حضرت امام ابوداؤدؒ کی ایک سند وہ بھی ہے جس میں حضرت امام شافعیؒ کا نام نہیں آتا اور اسی ایک سند کو دیکھ کر بعض لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور اس سند میں موجود دو لیّن الحدیث راویوں کی وجہ سے اس روایت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے اب ان تینوں سندوں کے رواۃ کا مختصر حال لکھا جاتا ہے، تاکہ کوئی مغالطہ نہ رہے۔

## پہلی سند

حدثنا ابن السرح و ابراھیم بن خالد کلبی نا محمد بن ادریس الشافعی حدثنی عمی محمد بن علی بن شافع عن عبد اللہ بن علی بن السائب عن نافع بن عجیر بن عبد یزید بن ھاشم بن المطلب المطلبی المکی۔

- حضرت امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس سند میں انھوں نے اپنے اُن دو استاذوں کے نام تحریر فرماتے ہیں جنھوں نے اپنے دُوسرے کئی ساتھیوں کی جماعت میں بیٹھ کر براہِ راست حضرت امام شافعیؒ سے حضرت رکانہ بن عبد یزید کی طلاق سے متعلق یہ حدیث سُنی ہے۔
- ان میں سے ایک محدّث کا نام "احمد بن عمرو بن السرح ابوطاہر مصری" ہے۔ اور انھیں اسماء الرجال والے ثقہ قرار دیتے ہیں۔
- اور ان کے دُوسرے ساتھی کا نام "ابراہیم بن خالد ابوثور کلبی" ہے اور انھیں اسماء الرجال والوں نے ثقہ، فقیہ اور امام مجتہد قرار دیا ہے۔
- حضرت امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ ائمۂ عالم میں سے ایک امام ہیں۔

## دُوسری سند

حدثنا محمد بن یونس النسائی ان عبد اللہ بن الزبیر حدثھم عن محمد بن ادریس الشافعی حدثنی عمی محمد بن علی بن شافع....

- اس سند میں حضرت امام ابوداؤدؒ کے اُستاذ حضرت محمد بن یونس نسائی ہیں ان کو بھی اسماء الرجال کے ماہر نقادِ اہلِ حدیث ثقہ قرار دیتے ہیں۔
- اور حضرت محمد بن یونس نسائیؒ کے استاذ حضرت عبد اللہ بن الزبیر بن عیسیٰ قرشی حمیدی ابوبکر مکی ہیں۔ اسماء الرجال کے ماہرین نے ثقہ حافظ الحدیث اور فقیہ بتلایا ہے۔ انھوں نے حضرت امام شافعی سے کئی روایات حاصل کیں اور تفقہ کا فن بھی سیکھا۔ علاوہ ازیں ان کا شمار حضرت سفیان بن عیینہؒ کے جلیل القدر شاگردوں میں بھی ہوتا ہے۔

## روایت رکانہ میں امام شافعیؒ کی سند

حضرت امام ابو داؤدؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے مابین راویوں کی ثقاہت میں تو کسی قسم کا شک نہیں اور ان میں کسی قسم کے علمی ضعف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے فقیہ مجتہد، محدث اور امام العصر ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں۔ اور شیخ السنت حضرت امام ابو داؤد سجستانیؒ کے علم و فقاہت کا بھی یہی حال ہے۔ اب دیکھیے کہ حضرت امام شافعیؒ کے اساتذہ میں کون لوگ ہیں۔؟

○ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے اس روایت میں اُستاذ کا نام ہے حضرت محمد بن علی بن شافع۔ جو حضرت امام شافعی کے چچا یعنی انکے والد ماجد حضرت ادریس بن عثمان بن شافع کے چچیرے بھائی ہیں، اور خود حضرت امام شافعیؒ نے ثقہ کہہ کر ان کی توثیق فرمائی ہے۔

○ پھر ان کے اُستاذ حضرت عبداللہ بن علی بن السائب کا نام آتا ہے، جو حضرت محمد بن علی بن شافع کے والد صاحب کے چچا زاد بھائی ہیں، حضرت امام شافعیؒ ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے۔

○ پھر ان کے استاذ حضرت نافع بن عجیر ہیں، جو کہ حضرت عبداللہ بن علی کے دادا حضرت سائب بن عبید بن عبد یزید کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ان کو بعض نے تو صحابی بتلایا ہے۔ مگر ابن حبان وغیرہ نے انھیں تابعی بتایا ہے۔

○ اور حضرت نافع نے اپنے سگے چچا حضرت رکانہ بن عبد یزید کا واقعہ بتایا، جو کہ صحابی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

○ اس روایت میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے لیکر حضرت نافع بن عجیرؒ تک سب کے راویوں کا تعلق حضرت رکانہ بن عبد یزید کے خاندان سے ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کی تصدیق کے باعث اس روایت کو زبردست قوت حاصل ہوگئی ہے۔

---

## تیسری سند

حضرت امام ابو داؤد نے جس طرح دو سندوں سے سیدنا رکانہ کی طلاق کے متعلق حضرت امام شافعی کی سند سے حضرت نافع بن عجیر کی روایت نقل فرمائی ہے جو کہ نصاً اور قطعاً دو طلاقوں پر گواہ ہے۔

- اسی طرح اس روایت کی ایک تیسری سند بھی تحریر فرمائی ہے جو یہ ہے

حدثنا سليمان بن داود ثنا جرير بن حازم عن الزبير بن سعيد عن عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن ابيه عن جده۔

- اس سند میں حضرت امام ابو داؤد کے استاذ حضرت سلیمان بن داؤد ہیں۔ اور ان کے استاذ حضرت جریر بن حازم ہیں۔ الغرض یہ دونوں ثقہ ہیں۔ البتہ
- حضرت جریر بن حازم کے استاذ حضرت زبیر بن سعید بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمی مدنی لین الحدیث ہیں، جو ضعف کی علامت ہے۔
- اور ان کے استاذ حضرت عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ بن عبد یزید ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہ بھی لین الحدیث یعنی حدیث کے معاملے میں نرم ہیں
- اور ان کے استاذ خود ان کے والد حضرت علی بن یزید بن رکانہ ہیں، جنہیں حضرت امام ابن حبان نے تو ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن حضرت امام بخاری کے نزدیک ان کی روایت نقل کرنا مناسب نہیں۔ لہٰذا یہ مختلف فیہ شخصیت ہیں۔
- اور حضرت علی بن یزید بن رکانہ کے استاذ خود ان کے دادا اور صاحب واقعہ سیدنا رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب (رضی اللہ عنہ) ہی ہیں۔

**خلاصہ** یہ کہ اس سند میں دو راوی (زبیر بن سعید اور عبد اللہ بن علی بن یزید) لین الحدیث یعنی حدیث کے معاملے میں نرم سمجھے جاتے ہیں، جبکہ اس سند کے ایک راوی (علی بن یزید بن رکانہ) مختلف فیہ ہیں۔ اس لیے خاص اس تیسری سند کی رو سے اس روایت کو ضعیف سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ضعف چنداں مضر بھی نہیں۔ کیونکہ اس کی پہلی دو سندیں قوی ہیں۔

## ابن جریج کی روایت

حضرت امام داود کی وہ روایت جس میں حضرت رکانہ کی لفظ بتہ سے اپنی بیوی سُہیمہ کو ایک طلاق دینے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کا ذکر ہے، اس کے برعکس ابن جریج کی سند سے بھی ایک اور روایت حضرت امام ابو داؤد نے باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد تطلیقات الثلاث۔ ص ۳۰۵ میں بیان فرمائی ہے۔ اس روایت میں طلاق دہندہ کا نام بجائے رکانہ کے ابو رکانہ، اور بجائے بتہ کے تین طلاقوں کا، اور بجائے سُہیمہ کے اُم رکانہ کا ذکر آیا ہے، جو خلاف واقعہ ہے۔ چنانچہ روایت ہے:

○ حضرت رکانہ اور ان کے بھائیوں کے والد عبد یزید نے اُم رکانہ کو طلاق دے دی اور مُزینہ قبیلہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر اس عورت نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کی... تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے عبد یزید کو حکم دیا کہ تو اس مُزینیہ کو طلاق دیدے تو اس نے طلاق دیدی۔ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اُم رکانہ کو واپس گھر لے آ، اس پر اُس نے کہا کہ میں نے اسے تین طلاقیں دیدی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں۔ بس تو اُم رکانہ کو اپنے گھر واپس لے آ۔ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۵)

○ اس روایت کی سند یہ ہے: حدثنا احمد بن صالح نا عبد الرزاق نا ابن جریج اخبرنی بعض بنی ابی رافع مولی النبی ﷺ عن عکرمہ مولی ابن عباس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

○ اس سند میں حضرت امام ابو داؤد کے اُستاذ حضرت احمد بن صالح ہیں۔

○ اور ان کے استاذ عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری مولاہم ابو بکر صنعانی ہیں۔

○ اور ان کے استاذ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج اموی مولاہم مکی ہیں۔

○ اور ابن جریج کے استاذ کا نام گو سنن ابی داؤد میں تو موجود نہیں، تاہم حضرت حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نے مستدرک ج ۲ ص ۲۱۸ میں

ابن جریج کے اُستاذ کا نام محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع بیان فرمایا ہے جو کہ ضعیف ہے۔ حضرت امام بخاری اور ابو حاتم اسے منکر الحدیث کہتے ہیں جبکہ ابن معین لیس بشیٔ کہتے ہیں۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس کا شمار کوفہ کی شیعہ جماعت میں ہوتا ہے۔ ذہبی نے کہا کہ اس کی منکر حدیثیں بہت ہیں جو موضوع کے مشابہ ہیں۔ دار قطنی نے کہا کہ متروک اور صاحب معضلات ہے (تہذیب التہذیب) نیز یہ روایت مسلک روافض کی تائید کرتی ہے۔

- بہرحال یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غلط اور خلاف واقعہ بھی ہے کیونکہ اس روایت میں ابو رکانہ عبد یزید کے بارے میں آیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی اُم رکانہ کو طلاق دے دی تھی۔ حالانکہ وہ صحابی نہیں تھا۔ لم یدرک الاسلام یعنی اس نے اسلام قبول ہی نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسماء الرجال کی کتب میں ان کا کہیں ذکر ہے، نہ اسناد میں اور نہ کُتی میں۔

- حضرت حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں تحریر فرمایا ہے عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف ابو رکانہ طلق ام رکانہ وھذا لا یصح۔ والمعروف ان صاحب القصۃ رکانہ یعنی ابو رکانہ عبد یزید کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے اُم رکانہ کو طلاق دی تھی یہ بات صحیح نہیں ہے اور محدثین میں یہ بات مشہور ہے کہ طلاق دینے والے حضرت رکانہؓ تھے۔

- حضرت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: قلتُ محمد (بن عبید اللہ بن ابی رافع) واہٍ و الخبر خطأ وعبد یزید لم یدرک الاسلام کہ میں کہتا ہوں کہ محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع واہی روایات بیان کرنے والا ہے اور اس کی یہ روایت تو سرے سے ہی غلط کیونکہ عبد یزید نے اسلام قبول ہی نہیں کیا۔ (غایۃ السعایہ کتاب الطلاق ص ۳۷۹)۔

- یاد رہے کہ واہی موضوع کی طرح من گھڑت روایت کو ہی کہتے ہیں۔ واہی اور موضوع میں بہت تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ (شرح التہذیب ج ۱ ص ۱۹۱، ۱۹۵، ۲۶۴، ۲۶۳)

## امام ابوداؤد کا تبصرہ

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج کی روایت نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

○ ابن جریج کی اس روایت سے عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اور نافع بن عجیر کی وہ روایت زیادہ صحیح ہے جو باب فی البتۃ میں ہے کہ حضرت رکانہ نے لفظ "بتہ" کے ساتھ اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان سے قسم لی تھی، اور جب انھوں نے قسم کھائی کہ بتہ بول کر میری مراد ایک طلاق تھی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ اپنے گھر بسانے کی اجازت دے دی تھی"۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ: "نافع اور عبد اللہ حضرت رکانہ کے اہل خاندان میں سے ہیں، اور ان کی اولاد ہیں، اس لیے انھیں اپنے گھریلو حالات کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہو سکتا ہے۔

○ حضرت امام ابوداؤد کی اس بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کا نام ابو رکانہ نہیں بلکہ رکانہ ہے۔ گو کہ امام ابوداؤد نے صراحۃً تو یہ نہیں فرمایا مگر انھوں نے یہ اصول بیان فرمادیا ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے خاندان والوں کی بات زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہوتی ہے۔ نیز انھوں نے خاندان رکانہ کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس روایت پر کوئی جرح نہیں فرمائی جیسا کہ ابن جریج کی روایت پر جرح فرمائی ہے۔ اس لیے خاندان رکانہ کی روایت ہی صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ کیونکہ:

○ حضرت امام ابوداؤدؒ نے مقدمہ سنن میں اپنا ایک اصول یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس حدیث میں شدید کمزوری ہوگی تو میں اس کا ذکر کروں گا۔ جس روایت کے بارے میں کچھ ذکر نہ کروں تو سمجھو کہ وہ روایت قابل عمل ہے اور وہ احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہے۔

## محمد بن اسحاق کی روایت

روایات رکانہ و ابو رکانہ کے بعد اب حضرت رکانہ کی طلاق کے بارے میں سب سے مختلف محمد بن اسحاق سے مروی وہ روایت نقل کی جاتی ہے جس کی وجہ سے اہل السنت والجماعت کو منکر حدیث ہونے کا الزام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ روایت نہ متن کے لحاظ سے صحیح ہے، نہ سند کے لحاظ سے۔ چنانچہ:

○ مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸ میں ہے: حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا سعد بن ابراهيم ثنا ابی عن محمد بن اسحاق حدثنی داؤد بن الحصين عن عكرمه مولى ابن عباس عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال طلق ركانة بن عبد يزيد اخو بنی المطلب امرأته ثلثا في مجلس واحد. فحزن عليها حزنا شديدا. قال فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقتها؟ قال طلقتها ثلاثا قال (ابن عباس) قال (عليه السلام) في مجلس واحد؟ قال (ركانة) نعم قال (عليه السلام) فانما تلك واحدة فارجعها إن شئت. قال (ابن عباس) فرجعها. فكان ابن عباس يرى انما الطلاق عند كل طهر.

○ یعنی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید مُطّلبیؓ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدی تھیں، پھر اپنے کیے پر سخت غمگین ہوئے، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے کس طرح طلاق دی؟ تو اس کے جواب میں حضرت رکانہ نے فرمایا کہ میں نے اسے تین طلاقیں دیں۔ اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دی تھیں؟ تو حضرت رکانہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک ہی طلاق قرار دیکر اجازت دیدی کہ تم چاہتے ہو تو رجوع کرلو... الخ

## روایتِ مسند کی سند

- مسند احمد کی اس روایت میں حضرت امام عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل کے اُستاذ خود ان کے والد حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ شیبانیؒ ہیں۔
- اور اُن کے اُستاذ حضرت سعد بن ابراہیم ہیں۔ اور یہ ثقات میں سے ہیں۔
- اور اُن کے اُستاذ حضرت ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، اور اُن کا شمار بھی ثقات، صاحبُ الحدیث اور صدوق میں ہوتا ہے۔
- اور اُن کے اُستاذ کا نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار قرشی مطلبی مولاہم مدنی ہے۔
- اور اُن کے اُستاذ کا نام داؤد بن الحُصَین ابوسُلیمان الاموی مولاہم المدنی ہے۔
- اور اُن کے اُستاذ کا نام ابوعبداللہ عکرمہ قرشی بربری مولا ابن عباس ہے۔
- اور ان کے اُستاذ عمزادۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

## متکلَّم فیہ راویوں کا مختصر تعارف

- اس روایت کی سند میں محمد بن اسحٰق اور داؤد بن الحُصین ایسے دو نام ہیں، جن کے بارے میں اکثر علماء کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے۔ تاہم بعض علماء نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے۔ سطورِ ذیل میں دونوں قسم کی آرا مختصراً لکھی جاتی ہیں۔

## مُحمّد بن اسحٰق

محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار قرشی مطلبی مولاہم المدنی (متوفی ۱۵۱ھ) کے متعلق علماء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض تو اسے اچھا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

- محمد بن اسحٰق جب تک مدینہ میں رہے گا تب تک علم زوال پذیر نہ ہوگا۔ (زہری)
- محمد بن اسحٰق ان چھ آدمیوں میں سے ایک ہے جن پر حدیث کی مدار ہے۔ (علی بن مدینی)
- محمد بن اسحٰق دوسروں سے زیادہ حافظہ رکھتا تھا۔ (ابومعاویہ محمد بن خازم ضریر)
- محمد بن اسحٰق سب سے پہلا جامع المغازی اور اس فن میں اعلم الناس ہے۔ (سفیان)
- محمد بن اسحٰق کو مغازی یعنی جہادِ نبویؐ کے مواقع سے متعلق احادیث کو جمع کرنے میں اتنی مہارت تھی کہ بڑے بڑے متبحر علماء مغازی بھی اس کے خوشہ چین ہیں۔ (امام شافعی)

- محمد بن اسحاق کے بارے میں کچھ علماء تو اچھے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے برعکس اکثر محققین اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ مثلاً:
- حضرت محدث محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق اگر معروف محدثین سے روایت کرے تو حدیث کے معاملے میں اچھا اور صدوق ہے، لیکن یہ عام طور پر مجہول اور غیر معروف راویوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے۔
- حضرت محدث ابن ابی خثیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کبھی تو محمد بن اسحٰق کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کی حدیث نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور کبھی فرماتے کہ وہ ٹھیک نہیں۔ اور کبھی فرماتے تھے کہ میرے نزدیک محمد بن اسحاق سقیم اور کمزور ہے قوی نہیں۔
- حضرت محدث یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ تو محمد بن اسحاق کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ ثقہ ہے مگر حجت نہیں، لیکن اکثر اوقات اُسے ضعیف کہتے تھے۔
- حضرت محدث حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں اضطراری اور مجبوری کی حالت کے سوا کبھی محمد بن اسحاق کی حدیث بیان نہیں کیا کرتا۔
- حضرت محدث عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب اپنی مسند میں سے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیثیں تلاش کرکے نکالتے جاتے تھے۔ اور سنن میں اس کی حدیث کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے تھے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ جس حدیث میں محمد بن اسحاق منفرد ہو وہ مقبول نہیں ہے۔
- حضرت محدث ابو الحسن دارقطنی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیث سے دلیل نہ پکڑی جائے۔ (خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۳۲)
- حضرت محدث ابن حجر نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایات میں بہت سی قابل اعتراض باتیں ہوا کرتی ہیں۔
- حضرت محدث قاضی شوکانی نے ابن اسحاق کی روایت کو معلول قرار دیا۔
- حضرت امام احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن نسائی نے ابن اسحاق کو غیر قوی قرار دیا۔

---

۱۔ بغدادی ص [illegible]  ۲۔ تہذیب التہذیب ص [illegible] و میزان الاعتدال ص [illegible]  ۳۔ بغدادی ص [illegible]  ۴۔ مسلک صفین ص [illegible]

- بہت سے علماء محمد بن اسحاق کی روایت کو حجت نہیں مانتے کیونکہ اس میں کئی قسم کے عیب ہیں۔ مثلاً (1) کذاب اور روافض سے روایت لے لیتا تھا۔ (2) تقدیر کا منکر تھا۔ (3) امت محمدیہ کو فساد میں مبتلا کرنے کے لیے چٹکلے بنایا کرتا تھا۔ (4) مرغ بازی کرتا تھا۔ (5) ورع اور تقویٰ اختیار نہ کرتا تھا۔ (6) کوئی اسے شیعہ کہتا ہے۔ (7) کسی کے نزدیک وہ معتزلی تھا (8) روایت حدیث میں تدلیس سے کام لیتا تھا۔ (9) کئی علماء نے اسے کذاب کہا۔ (10) اور کئی دجال سمجھتے ہیں۔ چنانچہ:
- حضرت امام ابوداود نے محمد بن اسحاق کو منکر تقدیر اور معتزلی کہا ہے۔
- حضرت امام احمد بن حنبل نے محمد بن اسحاق کو بیاضی کہا۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کثیر التدلیس ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حجت نہیں۔ کیونکہ:
- محمد بن اسحاق مدینہ سے نکالے جانے کے بعد بغداد میں آکر کلبی جیسے کذاب لوگوں سے حکایت کرنے کی پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔
- حضرت امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کا بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ ہر سچے اور جھوٹے کی روایت لکھ لیا کرتا تھا اور اس بارے میں ورع اور تقویٰ اختیار نہ کرتا تھا۔
- حضرت امام مالک اور یحییٰ بن سعید انصاری اس پر جرح فرمایا کرتے تھے۔
- حضرت محدث محمد بن اسماعیل بن مسلم ابن ابی فدیک فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسحاق کو دیکھا ہے کہ وہ اہل کتاب سے اخذ کرکے حدیث لکھ دیتا ہے۔
- حضرت ابن ابی عدی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مرغ بازی کیا کرتا تھا۔
- حضرت محدث ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام احمد اور دار قطنی کے علاوہ اور بھی بہت سے جید علماء محمد بن اسحاق کو مدلس کہتے ہیں اور ضعیفوں مجہولوں بلکہ ان سے بھی برے لوگوں سے تدلیس کیا کرتا تھا۔

- حضرت محدث ابو حاتم نے محمد بن اسحاق ضعیف کہا۔ (کتاب العلل ج ۲ ص ۴۳۲)
- حضرت وہیب بن خالد نے ابن اسحاق کو کذاب کہا۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۱ ج ۹)
- حضرت امام مالک نے محمد بن اسحاق کو کذاب کہا۔ (خطیب بغدادی ص ۲۳۲ ج ۱)
- حضرت جریر بن حمید فرماتے ہیں کہ میرا خیال نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا جس وقت لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث سنیں گے۔ (تہذیب ص ۴۶ ج ۲)
- حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ بھلا محمد بن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو لاشے ہے۔ (توجیہ النظر ص ۲۸۰)
- حضرت امام ترمذی نے فرمایا کہ اس کا حافظہ کمزور تھا۔ (کتاب العلل ج ۲ ص ۲۳۷)
- حضرت امام نووی نے فرمایا کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶)
- حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایات درجۂ صحت سے گری ہوئی ہیں، اس لیے حلال و حرام کے معاملے میں اس کی روایات دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۳)
- حضرت امام ابن حجر نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایات دلیل کے قابل نہیں، خصوصاً جبکہ وہ متفرد اور اکیلا ہو۔ اور جب کسی ثقہ راوی کی روایت اس کے خلاف ہو تو پھر محمد بن اسحاق کی روایت قابلِ توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ (درایہ ص ۱۹۳)
- حضرت امام ابن تیمیہ کے شاگردِ خاص حضرت امام ابن قیم نے حضرت امام احمد کے حوالے سے بتلایا کہ محمد بن اسحاق کی روایت منکر ہے یعنی ثقہ نہیں۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق ضعیف ہے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۳)
- حضرت امام منذری و سخاوی نے امام احمد کے حوالے سے بیان فرمایا کہ: غزوات نبویہ کے متعلق روایت تو ابن اسحاق سے لی جا سکتی ہے، لیکن جب حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ثقہ اور ثبت راوی درکار ہیں، یعنی حلال و حرام کے معاملے میں ابن اسحاق کا کچھ مقام نہیں۔ (ترغیب و ترہیب ص ۲۹۰ ج ۴)

- حضرت امام ذہبی نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی روایت درجۂ صحت سے گری ہوئی ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ بہت سے علماء اس کی حدیث کو حجت نہیں مانتے، کیونکہ محمد بن اسحاق میں کئی قسم کے عیب ہیں۔ مثلاً: ○ ایک تو وہ شیعہ تھا۔ ○ دوسرے یہ کہ وہ تقدیر کا منکر تھا۔ ○ اور تیسرے یہ کہ اپنی حدیث میں تدلیس کرنا اس کی عادت تھی، البتہ سچا ضرور تھا لیکن اس کی یہ سچائی اس کی مذکور بالا برائیوں کو اس سے دُور نہیں کر سکتی۔
- حضرت مُحدّث ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔
- حضرت محدث یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ حضرت محدث سلیمان تیمی نے بھی محمد بن اسحاق کو کذاب کہا۔
- حضرت یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ (جس کی بحث آگے آرہی ہے) اور محمد بن اسحاق دونوں برابر ہیں۔ اور میں نے عمداً انھیں چھوڑ دیا ہے، اور ان کی ایک حدیث بھی نہیں لکھی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۵۳ و ۷۰)
- حضرت محدث اعمش فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق بھی جھوٹا ہے اور اس کا استاذ ابن اسود بھی جھوٹا اور کذاب ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۵۲)
- حضرت امام مالک بن انس اہلِ عراق سے کہا کرتے تھے کہ اے عراق والو! محمد بن اسحاق کے بعد فساد میں ڈالنے والے چٹکلے تمھیں کون سنایا کرے گا؟
- نیز آپ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فرمایا: دجّال من الدجاجلہ کہ یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ (سیر ج ۷ ص ۵۱، میزان ج ۳ ص ۲۱ و تہذیب ج ۹ ص ۴۱)
- نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خود ہم نے اس دجال کو مدینہ سے نکالا ہے۔
- حضرت امام بخاری نے محمد بن اسحٰق کی کوئی روایت صحیح بخاری میں نقل نہیں کی؛ البتہ بطورِ تعلیق کتابُ المغازی میں اس کے بعض اقوال بلاسند نقل کیے ہیں۔
- حضرت امام مسلم اس کی روایت تب تک نہیں لیتے جب تک اس کا متابع نہ ہو۔ دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء، تقریبُ التہذیب اور طبقات المدلسین وغیرہ۔

ہ سیر ج ۷ ص ۴۱

## کیا امام مالکؒ نے ابن اسحٰق پر جرح سے رُجوع کر لیا تھا

حضرت امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد سیواسی ثم سکندری ابن ہمام حنفیؒ نے شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹ میں محمد بن اسحٰق کی توثیق کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جو جرح منقول ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، اور اگر واقعی حضرت امام مالکؒ کا اس پر جرح کرنا صحت کو پہنچ جائے تو دُوسرے اہلِ علم نے اس جرح کو قبول نہیں فرمایا۔

○ نیز آپ نے تحریر فرمایا کہ حضرت امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق پر کلام کرنے سے رُجوع کر لیا تھا، اور اس کے ساتھ صلح کر کے اس کی طرف ھدیہ اور تحفہ بھی روانہ فرمایا تھا۔ (شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹)

○ لیکن حضرت امام ابن ہمامؒ کی اس توثیق اور حضرت امام مالکؒ کے رجوع کا قول اور کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، حتیٰ کہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے بھی محمد بن اسحاق کے بارے میں جرح سے حضرت امام مالکؒ کے رجوع کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ جبکہ بقول حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان علماء میں سے ہیں جن کو نقدِ رجال اور ان کے احوال کی معرفت میں مکمل طور پر تتبع اور انھیں تلاش کرنے میں پُوری دسترس ہے۔ (نخبۃ الفکر ص ۱۱)

○ نیز حضرت امام ابن ہمام نے یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ محمد بن اسحاق پر حضرت امام مالک کے رجوع کا قول ان تک کس ذریعہ سے پہنچا ہے۔ اس لیے حضرت امام ابن ہمام کا بلا دلیل دعویٰ قابلِ التفات نہیں۔

○ نیز یہ بات تو سب علماء کے نزدیک مسلم ہے کہ ابن اسحاق مدلس تھا، اور **قاعدہ** ہے کہ اگر کوئی مدلس حدثنی کہکر روایت کرے اور اس کے شیوخ و تلامذہ میں ضعف نہ ہو تو مقبول ہے۔ اور اگر عن سے روایت کرے تو مقبول نہیں جبکہ اس کے طبقہ کا کوئی ثقہ راوی بھی اس سے متفق نہ ہو۔

## روایاتِ ابن اسحاق کے متعلق متقدمین علماء کی آراء

جس طرح محمد بن اسحاق کی شخصیت اور اس کے علمی مقام کے بارے میں علماء متقدمین میں سے بعض جلیل القدر محدثین اور ناقدین مختلف الخیال ہیں اور اکثر علماء کے نزدیک محمد بن اسحاق ایک ناقابلِ اعتماد شخصیت ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحاق سے مروی روایات کے بارے میں بھی متقدمین علماء کرام مختلف الخیال ہیں۔ چنانچہ:

- حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فتح الباری شرح صحیح البخاری کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق کی روایات کے بارے میں بھی متقدمین علماء مختلف آراء رکھتے ہیں۔ مثلاً:
- ابن مدینی اور بخاری وغیرہ کے خیال میں ابن اسحاق کی روایت حجت ہے۔ لیکن یہاں یہ بات ضرور ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح البخاری میں تو کیا اپنی کسی کتاب میں بھی محمد بن اسحاق کی سند سے کوئی ایک روایت بھولے سے بھی نقل نہیں فرمائی۔ فافھم وتدبر۔
- ہشام، مالک، سلیمان تیمی وغیرہ کے نزدیک ابن اسحاق کی حدیث حجت نہیں۔
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایات مغازی یعنی غزوات کے بیان میں تو حجت ہیں۔ لیکن احکام شریعت میں اس کی روایات حجت نہیں۔
- امام احمد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت اس وقت حجت ہے جب کوئی اور راوی اس کا متابع ہو، جس کے ذریعے محمد بن اسحاق کی روایت کو تائید حاصل ہو سکے۔ اور اگر وہ منفرد ہو تو حجت نہیں۔ اور
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت اس وقت منفرد ہونے کی صورت میں بھی حجت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے خلاف اور کوئی روایت نہ ہو۔ اور اگر اس کی روایت کے خلاف کسی دوسرے راوی کی روایت موجود ہو تو پھر محمد بن اسحاق کی روایت حجت نہیں بن سکتی۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص ۱۶۸)

## ابن اسحاق کی بعض ظاہر البطلان روایات

محمد بن اسحاق کی بعض روایات تو ایسی بھی ہیں جن کا باطل ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

- نیز یہ وہ روایات ہیں جو کثیر التدلیس راوی محمد بن اسحاق سے عن کے ساتھ مروی ہونے کے باعث اصولِ حدیث کے قانون کی رُو سے حجت نہیں ہو سکتیں۔ (دیکھیے نخبۃ الفکر ص ۵۳)
- اور یہ وہ روایات ہیں جن کا ذکر محمد بن اسحاق کے علاوہ اور کسی بھی راوی نے نہیں کیا۔ بلکہ ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ مثلاً:

## معراج جسمانی سے انکار والی روایت

محمد بن اسحاق نے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نازک اور حساس ترین موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی جس کا ذکر محدثین و ناقدین نے فرمایا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اپنی اس کتاب میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو رُوحانی یا منامی طور پر معراج ہوئی تھی۔ اور ان روایات سے معراج جسمانی کا انکار ہوتا ہے۔ حالانکہ:

- روایاتِ مشہورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسدِ مبارک اور رُوحِ اطہر کے ساتھ جیتے جاگتے بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک اور پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں سے اُوپر تک بنفسِ نفیس تشریف لے گئے تھے۔ اور تمام اہلِ سُنت کا اس پر اتفاق ہے۔
- اور جو روایات محمد بن اسحاق نے حضرت اُم المومنینؓ اور سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہیں انھیں علماء کرامؒ نے روایاتِ باطلہ میں شمار کیا ہے۔ (نبراس شرح شرح العقائد ص ۴۷۰ و بحر محیط ج ۶ ص ۵)

# بکری کے قرآنی آیات کھانے سے متعلق روایت

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف محمد بن اسحاق نے ایک اور روایت بھی منسوب کی ہے، جس کی تائید اور کسی راوی نے نہیں کی۔ اور اس مدلس راوی کی یہ روایت بھی "عن" کے ساتھ ہی مروی ہے۔ چنانچہ:

○ محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رجم کے متعلق قرآن مجید کی آیت اور بڑے آدمی کی رضاعت کے بارے میں قرآنی آیات مبارکہ ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی میری چارپائی کے نیچے رکھی ہوئی تھیں، اسی حالت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اور ہم ان کی وفات سے متعلقہ کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اتنے میں ایک پالتو بکری آگئی اور اس بکری نے وہ صحیفۂ قرآنی کھا لیا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۴۱)

○ اس روایت کے متن میں جہاں اور کئی خرابیاں ہیں، وہاں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنین بلکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ حفاظتِ قرآن کے معاملے میں غفلت کا ارتکاب کیا، جس کے باعث قرآن مجید کا ایک اہم حصہ ضائع ہوگیا۔ جبکہ اہلِ بصیرت علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ ملحدین کی من گھڑت بات ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین نسفی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۸۲ سورۂ احزاب کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں: واما ما یحکی ان تلك الزیادۃ کانت فی صحیفۃ فی بیت عائشۃ فاکلتها الداجن فمن تالیفات الملاحدۃ والروافض۔ کہ یہ جو کہانی بنی ہوئی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایک صحیفہ میں رجم اور رضاعت کے متعلق احکام کا اضافہ تھا جسے بکری کھا گئی، سو یہ بے دین ملحدوں اور رافضیوں کی تالیفات میں سے ہے۔

## روایۃ ابن ماجہ کی سند

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ام المؤمنین کی چارپائی کے نیچے رکھے ہوئے صحیفے کو بکری کے کھا جانے کے متعلق اس روایت کی سند میں صاحب السنن حضرت امام محمد بن یزید ابو عبداللہ

○ ابن ماجہ قزوینی کے استاذ حضرت ابو سلمہ یحییٰ بن خلف ہیں۔ اور جنہیں حضرت علامہ ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۹۰)

○ اور ان کے استاذ کا نام عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ (متوفی ۱۸۹ھ) ہے۔ جس کے بارے میں حضرت محمد بن سعد نے تو لیس بالقوی کہا۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ تقدیر کا منکر تھا۔ (میزان الاعتدال ج ۲) اور رجال کشی ص ۲۲ و تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۳۲ میں ہے کہ یہ امام جعفر صادق کا شاگرد ہے۔

○ اور عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ کے اس روایت میں استاذ کا نام محمد بن اسحٰق ہے۔ جسے امام ابوداؤد نے تقدیر کا منکر اور معتزلی بتایا ہے (میزان ج ۲ ص ۲۱)

○ اور محمد بن اسحاق کے استاذ حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام مخزومی ہیں، جنہیں صدوق کہا گیا ہے۔ (تقریب ص ۱۹۳)

○ اور ان کی استانی حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعید بن زرارہ انصاریہ مدنیہ فقیہہ سیدۃ نساء التابعین ہیں جو ثقہ ہیں۔ (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۳ ص ۳۸۸)

○ اور حضرت عمرہ کی استانی حضرت عائشہ بنت طلحہ بھی ثقہ ہیں۔ (تقریب ص ۴۴۳)

○ اور حضرت عائشہ کے استاذ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم بھی ثقہ ہیں۔ (تقریب ص ۲۳۵)

○ اور حضرت عبدالرحمٰن کے استاذ خود ان کے والد حضرت قاسم بن محمد ہیں، جو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں، جو نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ انہیں احد الفقہاء بالمدینہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ (تقریب ص ۳۰۲)

○ اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کی استانی ام المؤمنین المؤمنات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

- ماہرین اسماء الرجال کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں سب راوی ستھرے ہیں سوائے عبدالاعلیٰ اور محمد بن اسحاق کے۔ اور ممکن ہے کہ انہی دونوں میں سے کسی ایک نے یہ روایت گھڑ کر آگے بیان کر دی ہو۔ البتہ غالب گمان یہی ہے کہ بکری کے قرآن کھانے سے متعلق یہ غلط روایت محمد بن اسحاق کے ذہن کی اختراع ہے۔ کیونکہ:
- حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبدالاعلیٰ سے مروی روایات کو دو جگہ دی ہے لیکن انھوں نے محمد بن اسحاق کی روایات لینے سے پہلوتہی کی۔ البتہ محمد بن اسحاق کا قول بغیر کسی سند کے ایک دو جگہ صرف مغازی میں بطور تعلیق کے پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے قصداً محمد بن اسحاق کی روایات کو ترک کیا ہے، اور حضرت امام بخاری کے پاس یقیناً اس کی کوئی معقول وجہ بھی ضرور تھی۔
- محمد بن اسحاق کی اس ظاہر البطلان روایت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو تو جھوٹ بولنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ:
- محمد بن اسحاق نے اس روایت میں جس موقع پر بکری کے قرآن کھانے سے متعلق یہ بے بنیاد کہانی گھڑ کر اپنے جلیل القدر اساتذۂ کرام کی سند کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی ہے، اس کے بارے میں ایک عام آدمی بھی اتنا تو ضرور جانتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر حجرۂ عائشہؓ کے باہر اور اندر ہزاروں کی تعداد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ تو اس موقع پر ڈرپوک ہونے میں ضرب المثل بکری کا قرآنی آیات کھا جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اور یہ چارپائی جی یقیناً وہی ہے جس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اطہر آپ کے جسدِ مبارک سے جدا ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ بات ناممکن ہے کہ اسی چارپائی کے نیچے قرآن مجید کے صفحات رکھے ہوئے ہوں۔

## قرآن مجید کی رُو سے یہ روایت باطل ہے

جیسا کہ عقلاً یہ روایت ظاہر البطلان ہے، اسی طرح قرآن مجید کی آیات مبارکہ بھی اس روایت کو باطل قرار دیتی ہیں۔ مثلاً:

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (۹:۱۵) کہ خود ہم نے آپ ہی یہ قرآن مجید اتارا ہے، اور بلاشبہ قیامت تک اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم ہی کرتے رہیں گے اور کوئی شخص بھی اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

○ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ (۲۹:۴۹) کہ قرآن مجید کی یہ کھلی کھلی آیتیں اُن لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا فرمایا گیا ہے۔

○ اور اس بات میں بھی کچھ شک نہیں کہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی قرآن مجید حفظ تھا اور ان کے علاوہ دیگر متعدد صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کو بھی قرآن مجید حفظ تھا۔ تو پھر اگر کوئی کاغذ بکری کھا بھی جاتی تو اس پر اُمّ المومنین کو کفِ افسوس ملنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لہٰذا یہ واقعہ سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔

○ لیکن محمد بن اسحاق کی اس من گھڑت روایت کو درست تسلیم کرنے والوں سے یہ کون پوچھے کہ جس قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام خود اللہ تعالےٰ نے اس طرح فرمایا کہ آج پندرھویں صدی میں بھی یہ لوگوں کے سینوں میں برابر محفوظ چلا آرہا ہے، اگر کوئی حافظ قرآن ایک چھوٹی سی آیت بھی پڑھنی بھول جائے تو دوسرے حفاظ اس کی اصلاح کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ رجم اور رضاعتِ کبیر سے متعلق آیات کو بکری کے کھانے کے بعد کسی صحابی نے بھی اس کمی کو پورا نہیں کیا؟ تو وہ کونسی بکری ہے جس نے بشمول اُمّ علیؓ تمام حفاظ صحابۂ کرامؓ کے دلوں سے بھی یہ آیات چٹ کرلیں؟

## حدیثِ رسول کی رُو سے بھی یہ روایت باطل ہے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا:

انزلتُ علیک کتاباً لا یغسلہ الماء (مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ و مشکوٰۃ ص ۴۶۰)

یارسول اللہ! میں نے آپ پر ایسی کتاب اُتاری ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا۔

- اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں' اس لیے یہ کسی طرح ضائع نہیں ہوسکتی۔ بلکہ زمانہ گزر جائے گا' مگر یہ کتاب محفوظ ہمیشہ باقی رہے گی۔ جیسا کہ حاشیہ میں امام نوویؒ نے لکھا ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
- لیکن اس کے برعکس محمد بن اسحاق کی یہ روایت جس میں بکری کے قرآنی اوراق کو کھا جانے کا ذکر ہے' اگر یہ بات درست ہوتی تو یہ روایت متعدد صحابۂ کرامؓ اور تابعین سے مروی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن یہ بات اور کسی صحابی نے نہیں بتائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر یا اس کے بعد ایسا کوئی حادثہ ہرگز نہیں ہوا۔ اور یہ بات محض محمد بن اسحاق کی اپنی گھریلو ٹکسال میں گھڑی گئی ہے۔
- اور اس روایت کو محمد بن اسحاق نے ثقہ راویوں کا نام لے کر اپنے شاگرد عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ کے سامنے بیان کی تو وہ چونکہ اس گروہ کے ساتھ بھی تعلق رکھتا تھا جو ہمیشہ اُمت محمدیہ کو فساد میں مُبتلا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں' تو گویا اس کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار آگیا جس کے ذریعے اسلام کے عظیم الشان قلعہ کے بنیادوں کو کھوکھلا کرکے معاذاللہ اسے نیست و نابود کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنی وعدہ کے مُطابق ان بدباطن لوگوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود قرآن مجید کی حفاظت فرمائی' اور آج پندرھویں صدی ہجری تک کسی کمی بیشی کے بغیر اصل حالت میں قرآن مجید موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا۔

## قبر نبوی ﷺ پر سلام کے متعلق ابن اسحاق کی روایت

اُمت کو فساد میں مبتلا کرنے والی دیگر ظاہر البطلان روایات کے علاوہ محمد بن اسحاق کی ایک من گھڑت روایت حضرت حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح بیان فرمائی ہے:

اخبرنی ابو الطیب محمد بن احمد بن عمرو بن حمدان الحیری حدثنا محمد بن عبد الوہاب ثنا یعلی بن عبید ثنا محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولی ام صُبیۃ الجہنیۃ قال سمعت ابا ہریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ لیہبطن عیسی بن مریم حکما عدلا و اماما مقسطا ولیسلکن فجا حاجا او معتمرا او بنیتہما ولیاتین قبری حتی یسلم علیَّ ولاردن علیہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عادل حاکم اور منصف امام کی حیثیت میں (آسمان سے) اُتریں گے۔ اور پھر مقام فج سے حج، عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے چلیں گے۔ اور میری قبر کے پاس آکر مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۵۱)

○ اس روایت کی سند میں حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم کے اُستاذ حضرت امام ابو الطیب محمد بن احمد بن حمدان بن علی بن سنان الحیری (متوفی ۳۵۹ھ) ہیں۔ آپ کا شمار نحوی علماء میں بھی ہوتا ہے، اور ثقات محدثین میں بھی۔

○ اور ان کے اُستاذ حضرت محمد بن عبدالوہاب بن حبیب بن مہران عبدی ابو احمد فراء نیشاپوری (متوفی ۲۷۲ھ) ہیں، جو ثقہ راوی تھے۔

○ اور ان کے اُستاذ حضرت یعلےٰ بن عبید بن ابی امیۃ کوفی ابو یوسف طنافسی بھی ثقہ ہیں۔ مگر جو حدیث ثوری سے روایت کریں اس میں نرم ہیں۔ لیکن اس روایت میں ان کے اُستاذ کا نام محمد بن اسحاق بن یسار ہے۔ اور

- اس روایت میں محمد بن اسحاق نے حضرت سعید بن ابی سعید مقبری ابو سعد مدنی کو اپنا استاذ بتلایا ہے۔ جو ثقہ راوی ہیں۔ ان کے حالات میں آتا ہے کہ وفات سے چار سال پہلے ان کے حافظے میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا۔
- اور ان کے اُستاذ مشہور تابعی حضرت عطاء مدنی مولیٰ ام شعیب جُنیبیہ ہیں۔ ان کی روایت مقبول ہوتی ہے اور حضرت ابن حبان نے انھیں ثقہ کہا ہے۔
- اور ان کے اُستاذ مشہور صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔
- محمد بن اسحاق نے اس من گھڑت روایت کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرکے اُمت میں فساد، تفرقہ اور بداعتقادی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نزولِ عیسیٰ سے متعلق کسی روایت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مُبارک پر حاضر ہو کر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلام کرنے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انھیں سلام کا جواب دیے جانے کا قطعاً کوئی اشارہ تک نہیں فرمایا۔
- مشتے نمونہ از خروارے صرف مسند احمد میں سیدنا ابوہریرہؓ کی درج ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں: ۷۲۲۷، ۷۲۳۱، ۷۶۲۲، ۷۶۲۳، ۷۶۲۴، ۷۸۴۳، ۷۹۱۰، ۷۹۱۱، ۷۹۱۸، اور ۸۲۲۶۔ (بخوفِ طوالت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔)

خلاصہ یہ کہ محمد بن اسحاق کی یہ من گھڑت روایت حلال و حرام کے قبیل سے نہیں بلکہ اس کا تعلق عقائد سے ہے۔ جبکہ عقیدہ قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جو قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالۃ بھی ہو۔

- اور جیسا کہ قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حلال و حرام کے معاملے میں ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں ہو سکتی تو عقائد کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے، اس لیے ابن اسحاق کی یہ روایت کسی طرح بھی حجت نہیں بن سکتی۔ جبکہ صحاح ستہ میں بھی یہ روایت کہیں جگہ نہیں پا سکی۔

## ضعف راوی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مذکورہ بالا بحث کے بعد اب اس سے پیدا ہونے والی ایک غلط فہمی کے ازالے کے لیے اس بات کی وضاحت بھی نہایت ضروری ہے کہ کسی راوی کے ضعیف یا کذاب وغیرہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو ہر حال میں واجب الترک ہی قرار دیا جائے اور اس کے ضعف یا کذب کی وجہ سے اس کی بیان کی ہوئی یہ صحیح حدیث کو بھی ضعیف یا موضوع قرار دے کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

○ جیسا کہ اگر کوئی ضعیف یا کذاب ہی نہیں بلکہ کوئی غیر مسلم یہودی یا نصرانی وغیرہ قرآن مجید کی کوئی آیت تلاوت کرے تو اس قرآنی آیت کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔

○ اسی طرح کسی کذاب راوی کی بیان کردہ کسی صحیح حدیث کو محض راوی کے کذاب ہونے کی وجہ سے موضوع اور من گھڑت کہنا مناسب نہیں۔ مثلاً:

## امام کے بھول جانے پر اشارہ سے متعلق روایت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر امام بھول جائے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ سُبْحَانَ اللہ کہے۔ اور مقتدیہ عورت کو چاہیے کہ وہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی مارے۔

○ یہ حدیث کئی محدثین نے اپنی اپنی سندوں سے اپنے ذخیرۂ احادیث میں نقل فرمائی ہے۔ مثلاً:

❶ حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے الجامع للترمذی ص ۸۵ میں اس حدیث مبارک میں اپنے اُستاذ کا نام حضرت ہناد بتلایا ہے۔ جن کا پورا نام ہناد بن سری بن مصعب بن ابی بکر بن شبر تمیمی دارمی کوفی ہے۔ جو ثقہ ہیں

○ اور ان کے اُستاذ کا نام حضرت ابو معاویہ محمد بن خازم مولی بنی سعد ہے۔ یہ بھی ثقہ ہیں

○ اور ان کے اُستاذ کا نام حضرت سُلیمان بن مہران اعمش تابعی ہے۔ اور یہ بھی ثقہ ہیں

○ اور ان کے اُستاذ حضرت ذکوان بن عبداللہ ابو صالح ہیں جو سیدنا ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے

○ حضرت امام ترمذی نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ فرمان نبوی ؐ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہی فرمان نبوی پانچ دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے اور ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: ○ امیر المؤمنین سیدنا امام علی ○ سیدنا سہل بن سعد ساعدی ○ سیدنا جابر بن عبد اللہ ○ سیدنا سعد بن مالک ابو سعید خدری۔ اور ○ سیدنا عبد اللہ بن امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ نیز حضرت امام ترمذی نے فرمایا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اہل علم کا اسی حدیث مُبارک پر عمل ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ امام احمد اور اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

● حضرت امام احمد بن شعیب بن علی بن سنان ابو عبد الرحمن نسائی خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سنن نسائی ج ۱ ص ۱۷۷-۸ میں اپنی پانچ سندوں سے یہی حدیث لکھی ہے۔

○ پہلی سند میں امام نسائی کے دو اُستاذ ہیں: ○ حضرت قتیبہ ○ حضرت محمد بن منصور ○ ان دونوں کے استاذ حضرت سفیان ثوری ہیں ○ ان کے استاذ حضرت ابن شہاب زہری۔ اور ○ ان کے استاذ حضرت ابوسلمہ تلمیذ ابوہریرہؓ ہیں۔

○ دُوسری سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت محمد بن سلمہ ہیں ○ ان کے استاذ حضرت ابن وہب ہیں ○ ان کے استاذ حضرت یونس ہیں ○ ان کے استاذ حضرت زہری ہیں۔ اور ○ ان کے استاذ اس حدیث میں حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن۔ اور ○ حضرت سعید بن المسیب تلمیذان ابوھریرہ ہیں۔

○ تیسری سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت قتیبہ ○ اور اُن کے اُستاذ حضرت فضیل بن عیاض ○ اور ان کے استاذ حضرت اعمش ○ اور اُن کے اُستاذ حضرت ابوصالح ہیں، جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

○ چوتھی سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت سوید بن نصر ہیں ○ اور اُن کے اُستاذ حضرت عبد اللہ ○ اور ان کے اُستاذ حضرت اعمش ○ اور اُن کے استاذ حضرت ابوصالح ہیں، اور یہ سیدنا ابوہریرہؓ کے شاگرد رشید ہیں۔

○ پانچویں سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت عبیداللہ بن سعید ○ اور ان کے استاذ حضرت یحییٰ بن سعید قطان ہیں ○ اور ان کے استاذ کا نام عوف بن ابی جمیلہ ○ اور ان کے استاذ حضرت محمد بن سیرین تلمیذ ابوھریرہؓ ہیں۔

❷ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اپنی مسند میں پندرہ سندوں سے یہی حدیث نقل فرمائی ہے۔ بخوفِ طوالت اختصار سے کام لیتے ہوئے ان تمام سندوں میں حضرت امام احمد کے اساتذہ کرام کے نام بالترتیب لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

① علبیدۃ بن حمید، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابوالزبیر، جابر بن عبداللہؓ (ص ۳۲۹/۳)

② وکیع، سفیان، ابوحازم، سہل بن سعد ساعدیؓ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹)

③ وکیع، سفیان، ابوحازم (سلمۃ بن دینار)، عبدالرحمٰن (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹)

④ یزید، مسعودی، ابوحازم، سہل بن سعد ساعدیؓ (〃 〃 〃 ۳۵۲)

⑤ حجین بن المثنی، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، ابوحازم قاص، سہل بن سعد ساعدیؓ (ص ۳۶۲/۹)

⑥ عبدالرزاق بن ہمام، معمر، ہمام بن منبہ، ابوہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۰)

⑦ سفیان، ابن شہاب زہری، ابوسلمہ، ابوہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۸)

⑧ یعلیٰ، اعمش، ابوصالح (ذکوان بن عبداللہ)، ابوہریرہؓ (〃 ج ۲ ص ۵۱۲)

⑨ یحییٰ بن سعید قطان، عوف، محمد، ابوھریرہؓ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۰)

⑩ محمد بن علبید، اعمش، ابوصالح ذکوان، ابوہریرہؓ (〃 ج ۳ ص ۱۸۵)

⑪ یحییٰ (ابن سعید قطان)، محمد، ابوہریرہؓ (〃 ج ۳ ص ۲۴۲)

⑫ یحییٰ بن سعید قطان، محمد، حسن البصری (〃 ج ۳ ص ۲۴۲)

⑬ یزید، ہشام، محمد، ابوہریرہؓ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵)

⑭ روح، محمد بن ابی حفصہ، زہری، سعید بن المسیب، ابوہریرہؓ (ج ۳ ص ۳۴۲)

⑮ روح، محمد بن ابی حفصہ، زہری، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن، ابوہریرہؓ (ج ۳ ص ۳۴۳)

❸ حضرت امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ علبسیؒ نے بھی یہی حدیث اپنی سات سندوں سے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۴۱ و ۳۴۲ میں نقل فرمائی ہے۔

① سُفیان بن عُیینہ، زہری، ابوسلمہ، ابوہریرہ۔ ② ہشیم، جریری، ابونضرہ، ابوہریرہؓ ③ ہشیم، عبدالحمید مدنی، ابوحازم، سہل بن سعد ساعدی ④ حمید بن عبدالرحمٰن، ابوحمید عبدالرحمٰن، ابوالزبیر، جابر بن عبداللہ ⑤ عبیدۃ بن حمید، ابن ابی لیلےٰ، ابوالزبیر، جابر بن عبداللہ ⑥ ابوبکر بن عیاش، مغیرہ، حارث الحکلی، عبداللہ بن یحییٰ، امام علیؓ اور ⑦ وکیع، جعفر بن برقان، عمرو بن دینار، عبداللہ بن عمر۔

⑤ حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ البیہقی خراسانی نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۵ سے ۲۴۸ تک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے اپنی تین سندوں سے سیّدنا سہل بن سعد ساعدیؓ اور چھ سندوں سے سیّدنا ابوہریرہؓ اور دو سندوں سے امیرالمومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہم سے مروی یہی حدیث نقل فرمائی ہے۔ بخوفِ طوالت ان تمام سندوں کو لکھنے سے گریز کیا جا رہا ہے، تاکہ عام قارئین پر بوجھ نہ پڑے۔ اور اوپر بیہقی کے صفحات کا حوالہ دے دیا گیا ہے، تاکہ شائقین کو سندیں دیکھنے میں دقت نہ ہو۔

○ اس حدیثِ مبارک کی مذکورہ بالا تمام سندوں کو لکھنے سے دراصل یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ پانچ صحابہؓ سے مروی ہے، اور ایسی حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں حدیثِ مشہور کہا جاتا ہے، اور ایسی حدیث صحیح اور قابلِ عمل ہوتی ہے۔ اور حضرت امام ترمذی نے تو اس کی تصریح اور وضاحت بھی فرما دی ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور امام احمد و اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ (ترمذی ص۵۵)

○ اب اگر یہی حسن صحیح حدیث کوئی ایسا راوی بھی بیان کر دے جس کا حافظہ کمزور ہو، بلکہ اگر کوئی تقدیر کا منکر، رافضی، ناصبی، خارجی یا معتزلی وغیرہ بھی یہی حسن صحیح حدیث روایت کر دے تو اس نامقبول راوی کی وجہ سے اس حدیث کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا دارقطنی ص ۱۹۵ میں محمد بن اسحاق کی سند کے باعث اس حدیثِ صحیح کو نامقبول اور مردود قرار دینا مناسب نہیں۔

## خوب روشنی میں نماز فجر پڑھنے کی روایت

اسی طرح ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نَوِّرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (شرح معانی الآثار ص۱۰۴)

اسی طرح بعض روایات میں نَوِّرُوْا کی بجائے اَسْفِرُوْا کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی فجر کی نماز خوب روشن کر کے پڑھا کرو کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ ذی شان سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا۔ اور انھوں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا۔ اور پھر سیدنا جابر نے اپنے شاگرد حضرت محمد بن المنکدر کو، اور انھوں نے حضرت ایوب بن سیار کو، اور انھوں نے حضرت شابہ بن سوار کو، اور انھوں نے حضرت علی بن معبد کو، اور انھوں نے حضرت امام ابوجعفر احمد بن محمد الازدی الطحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ کو بتلایا۔

○ اسی طرح سیدنا ابوبرزہ رضی اللہ عنہ نے سلامہ اور ان کے بیٹے سیار بن سلامہ کو اور سیار نے عوف کو، اور انھوں نے سعید بن عامر کو، اور انھوں نے ابن مرزوق اور ابوبکرہ کو، اور انھوں نے ابوجعفر طحاوی کو بتلایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کا سلام پھیرتے تھے تو اس وقت اس قدر روشنی ہو جاتی تھی کہ آدمی اپنے ساتھ والے کا چہرہ بخوبی پہچان لیا کرتا تھا۔ (شرح معانی الآثار ص۱۰۵ ج۱)

○ اسی طرح سیدنا جابرؓ نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کو، اور انھوں نے سفیان کو، اور انھوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو، اور انھوں نے یزید بن سنان کو، اور انھوں نے امام طحاوی کو بتایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کو خوب مؤخر فرماتے جیسا کہ اس کا نام ہے۔

○ اسی طرح سیدنا طریفؓ نے ولید بن عبداللہ بن ابی سمرۃ کو، اور انھوں نے زکریا بن اسحٰق کو، اور انھوں نے بشر بن سری کو، اور انھوں نے یحییٰ بن معین کو، اور انھوں نے ابن ابی داؤد کو، اور انھوں نے امام طحاوی کو بتایا کہ فتح طائف کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اس وقت ختم کی کہ تیر پھینکنے والا نشانہ کی جگہ معلوم کر سکتا تھا۔ (ج ۱ ص ۱۰۵)

○ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن یزید کو اور انھوں نے ابو اسحٰق کو ا۔۔ نھوں نے اسرائیل کو اور انھوں نے فریابی کو اور انھوں نے حسین بن نصر کو، اور انھوں نے امام طحاوی کو بتلایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دو نمازیں خلاف معمول دوسرے وقت میں پڑھی تھیں۔ ان میں سے ایک تو مغرب کی نماز تھی جو آپ نے عشاء کے وقت پڑھی تھی۔ اور دوسری فجر کی نماز تھی جو آپ نے صبح صادق کے بعد غلس یعنی اندھیرے میں پڑھی تھی۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۵ ج ۱)

○ اسی طرح سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے عاصم بن عمر کو اور انھوں نے محمد بن عجلان کو اور انھوں نے سفیان ثوری کو، اور انھوں نے ابو نعیم کو، اور انھوں نے علی بن شیبہ کو اور انھوں نے امام طحاوی کو بتایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فجر کی نماز اس وقت پڑھا کرو جب خوب روشنی ہو جائے کیونکہ جتنی زیادہ روشنی میں نماز پڑھوگے اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ (ص ۱۰۵ و ۱۰۶ ج ۱)

○ یہی حدیث سیدنا رافع بن خدیج نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ کو اور انھوں نے ابن عجلان کو اور انھوں نے ابو خالد احمر کو اور انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کو بتلائی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۲)

○ یہی حدیث بعض دیگر اصحاب النبی ﷺ نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے ہشام بن سعد کو اور انھوں نے اسباط بن محمد کو اور انھوں نے امام احمد بن حنبل کو بتلائی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۵)

○ یہی حدیث حضرت محمود بن لبید انصاری نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو انھوں نے اسحاق بن عیسیٰ کو اور انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کو بتائی ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۹۷)

○ یہی حدیث سیدنا رافع نے محمود کو اور انھوں نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے ابو داؤد کو اور انھوں نے شعبہ کو اور انھوں نے آدم کو اور انھوں نے بکر بن ادریس بن حجاج کو اور انھوں نے امام طحاوی کو بتائی۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۶)

○ یہی حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مدینہ منورہ کے کئی انصار رضی اللہ عنہم نے عاصم کو اور انھوں نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے ہشام بن سعد کو اور انھوں نے لیث کو اور انھوں نے عبداللہ بن صالح کو، اور انھوں نے محمد بن حمید کو اور انھوں نے طحاوی کو بتائی۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۶/۱)

○ یہی حدیث سیدنا رافع بن خدیج نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ کو اور انھوں نے ابن عجلان کو اور انھوں نے سفیان کو اور انھوں نے محمد بن یوسف کو اور انھوں نے امام محمد دارمی کو بتائی۔ (مسند دارمی ص ۱۴۲)

○ یہی حدیث امام ابوعبداللہ محمد دارمی نے ابونعیم سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (مسند دارمی ص ۱۴۳)

○ یہی حدیث امام احمد بن شعیب نسائی نے عبیداللہ بن سعید سے اور انھوں نے یحیی سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیجؓ سے سُنی۔ (سنن نسائی ص ۹۴)

○ یہی حدیث امام نسائی نے ابراہیم بن یعقوب سے اور انھوں نے ابن ابی مریم سے اور انھوں نے ابوغسان نہدی سے اور انھوں نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے رافع سے سنی۔ (〃)

○ یہی حدیث امام محمد بن یزید بن ماجہ نے محمد بن صباح سے اور انھوں نے سفیان بن عیینہ سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (سنن ابن ماجہ ص ۴۹)

○ یہی حدیث امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی نے اسحاق بن ابراہیم بن اسمٰعیل سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے نعمان سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سُنی۔ (سنن ابی داؤد ص ۶۷)

○ یہی حدیث امام ابوحاتم محمد بن حبان نے احمد بن علی بن مثنی سے اور انھوں نے ابو خیثمہ سے اور انھوں نے یحییٰ بن سعید قطان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۲)

○ یہی حدیث امام ابن حبان نے اسحاق بن ابراہیم بن اسمٰعیل سے اور انھوں نے ابن ابی عمر مدنی سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ (صحیح ابن حبان ص۲۳)

○ یہی حدیث امام سلیمان بن احمد ابوالقاسم طبرانی نے علی بن عبدالعزیز سے اور انھوں نے ابونعیم سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سُنی۔ (معجم کبیر طبرانی ج ۴ ص ۲۴۹)

○ یہی حدیث امام طبرانی نے اسحاق بن ابراہیم الدبری سے اور انھوں نے عبدالرزاق سے اور انھوں نے ثوری اور ابن عیینہ سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی (معجم کبیر طبرانی ج ۴ ص ۲۴۹)

○ یہی حدیث امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے ابوخالد الاحمر (سلیمان بن حیان) سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم بن عمر سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے رافع بن خدیج سے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱)

خلاصہ یہ کہ مذکور بالا حدیث پانچ صحابۂ کرام ① سیدنا بلالؓ ② سیدنا طریفؓ ③ سیدنا جابر بن عبداللہؓ ④ سیدنا ابوبرزہؓ اور ⑤ سیدنا رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے۔ جبکہ سیدنا رافع بن خدیجؓ کے شاگرد صغار صحابہ میں سے حضرت محمود بن لبید ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ اور پھر حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کے شاگرد ① حضرت نعمان ② حضرت زید بن اسلم۔ اور ③ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

○ اور پھر حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ کے شاگرد حضرت محمد بن عجلان ہیں۔

○ اور حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (ترمذی ص ۴۱)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ بہت سے اہل علم صحابہ و تابعین فجر کی نماز خوب روشن کرکے پڑھنے کے قائل ہیں، اور حضرت سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔

○ اب اگر یہی حسن صحیح حدیث کوئی ضعیف، قدری، رافضی، ناصبی، خارجی یا معتزلی وغیرہ راوی بھی بیان کرنا شروع کردے تو بھی اس کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑسکتا، اور اس نامقبول راوی کی وجہ سے اس حسن صحیح حدیث کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ بلکہ

○ اس لیے شرح معانی الآثار ص ۱۰۶، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۰۳، معجم طبرانی ج ۴ ص ۲۰۹ اور جامع ترمذی ص ۴۱ میں منقول بعض ایسی سندوں کی وجہ سے اس صحیح حدیث کی صحت پر بھی کوئی برا اثر نہیں پڑسکتا جن میں حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ کا شاگرد ایک ضعیف راوی محمد بن اسحاق بھی موجود ہے۔ البتہ جس روایت میں محمد بن اسحاق متفرد اور اکیلا ہو تو اس روایت کو حضرت امام ترمذی عموماً حسن غریب کہتے ہیں۔ اور اگر محمد بن اسحاق کی روایت ایسی ہو جس میں وہ متفرد ہو اور دوسرے ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کریں تو اس صورت میں محمد بن اسحاق کی روایت ناقابل عمل اور مردود ہوتی ہے۔

# حجاج بن ارطاۃ

حجاج بن ارطاۃ بن ثور بن ہبیرہ ابو ارطاۃ نخعی کوفی (متوفی سنہ ۱۴۷ھ) ایک علم نہاد فقیہ ہوا ہے۔ اس کا مسلک تھا کہ اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ ایک انوکھی بات ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کے حالات بھی مختصراً بیان کر دیے جائیں۔ چنانچہ:

- حضرت امام صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن معین نے حجاج بن ارطاۃ کے متعلق فرمایا کہ یہ صدوق تو ہے مگر مدلس بھی ہے۔
- حضرت امام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ صدوق تو تھا لیکن کثیر الخطأ اور کثیر التدلیس بھی تھا۔ (تقریب التہذیب ص ۶۴)
- حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ ضعفاء سے تدلیس کیا کرتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۷۰) نیز:
- آپ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ کے حافظے میں کمزوری اور کمی تھی۔ (ص ۶۹)
- حضرت ابن عدی نے فرمایا کہ یہ بعض احادیث کی روایت میں خطأ کر جاتا تھا۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ یہ واہی الحدیث تھا، اور اس کی احادیث میں اضطراب ہے۔
- حضرت امام دارقطنی وغیرہ نے کہا کہ حجاج کی حدیث حجت نہیں۔ (ص ۷۲)
- نیز آپ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ متکبر اور مغرور بھی تھا۔ (ص ۶۹)
- حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ یہ نماز باجماعت چھوڑ دیا کرتا تھا، اور وجہ پوچھنے پر کہتا تھا کہ مسجد میں مزدور اور کنجڑے مجھے تنگ کرتے ہیں۔ بصرہ میں رشوت لینے والا پہلا قاضی یہی ہے۔ سیاہ خضاب لگایا کرتا تھا۔ حضرت یحییٰ بن معین اور نسائی نے لیس بالقوی کہا۔ امام مسلم اس کے ساتھ دوسرے راوی کی روایت بھی لاتے ہیں۔[1]
- حضرت عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کی روایت لینا چھوڑ دیا تھا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے حجاج بن ارطاۃ کی حدیث لکھ کر اس کی تصحیح کر کے اچھا نہیں کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۷۲)

---

[1] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۳۷۹

# داؤد بن الحصین

محمد بن اسحاق کا اس روایت میں اُستاذ داؤد بن الحصین ابوسلیمان الاموی مولاہم المدنی ہے۔ ایک آدھ کے علاوہ اکثر محدثین کے نزدیک یہ بھی غیر ثقہ اور ضعیف راوی ہے، خصوصاً جبکہ یہ حضرت عکرمہ کی سند سے روایت کرے۔ مثلاً:

- حضرت محدث یحییٰ بن معین اور ابن ادریس نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔
- حضرت علی بن مدینی اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عکرمہ سے اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں۔ بلکہ:
- حضرت علی بن مدینی نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر داؤد بن الحصین حضرت عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کرے تو اس کی نسبت تو شعبی کی مرسل روایت ہی بہتر ہے۔ اس لیے حق یہی ہے کہ جس روایت میں داؤد بن الحصین متفرد ہو وہ نامقبول ہے۔
- حضرت امام ترمذی نے داؤد بن الحصین کے حفظ میں کلام کیا ہے۔
- حضرت سفیان بن عیینہ اس کی روایت نقل کرنے سے گریز کرتے تھے۔
- حضرت عباس دوری اور ابو حاتم نے داؤد بن الحصین کو ضعیف کہا۔
- حضرت ابن حبان فرماتے ہیں کہ داؤد بن الحصین مذہب خوارج کا پابند تھا۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو مذہب خوارج کی پیروی کی دعوت دیا تھا۔
- حضرت امام ابوبکر جصاص اور ابن ہمام وغیرہ نے داؤد بن الحصین کو منکر کہا، کیونکہ یہ غیر ثقہ راوی ہے۔ جو کہ ثقات اور اثبات کی روایات کے خلاف روایت کرتا ہے اور اصولِ حدیث کی اصطلاح میں اسی کو منکر کہتے ہیں۔
- حضرت سید امیر علی نے حاشیہ تقریب میں لکھا ہے کہ یہ تقدیر کا بھی منکر تھا۔ دیکھیے: تقریب التہذیب اور سیر اعلام النبلاء۔ اور دیگر کتب اسماء الرجال۔

خلاصہ یہ کہ محمد بن اسحاق کی یہ روایت حضرت امام شافعیؒ کی صحیح روایت کے بھی خلاف ہے اور زبیر بن سعید سے مروی خاندانِ رکانہ، اور ابن جریج کی روایتوں کے بھی خلاف ہے، جس کی نسبت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی طرف کی گئی ہے جبکہ محمد بن اسحاق نے بھی اپنی روایت کو حضرت ابن عباس کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

○ ابن جریج کی روایت میں ہے کہ طلاق دینے والے کا نام ابورکانہ عبد یزید تھا، اور محمد بن اسحاق کہتا ہے کہ طلاق دہندہ کا نام رکانہ بن عبد یزید تھا۔

○ اسی طرح محمد بن اسحاق کی روایت زبیر بن سعید کی روایت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ زبیر بن سعید کی روایت میں ہے کہ حضرت رکانہ نے بتہ طلاق دی تھی، جبکہ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔

○ زبیر بن سعید کی روایت کے مطابق حضرت رکانہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ واللہ بتہ سے میری نیت ایک طلاق دینے کی تھی، جبکہ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت رکانہ تین طلاقیں دے کر غمگین ہوئے۔

○ زبیر بن سعید کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قسم لی تھی کہ واقعی بتہ کے لفظ سے ایک طلاق کی نیت تھی، تو جب رکانہ نے کہا کہ واللہ! میں نے بتہ بول کر ایک طلاق ہی مراد لی تھی تب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ کو رجوع کر کے بیوی کو گھر لانے کا حکم دیا، لیکن محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رکانہ نے جب طلاق دینے کا ذکر کیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے طلاق دینے کی کیفیت دریافت کرتے ہوئے فرمایا: کیف طلقتھا؟ کہ آپ نے کس طرح طلاق دی، یا طلاق دیتے ہوئے کونسا لفظ منہ سے ادا کیا؟ تو اس کے جواب میں طلاق کی کیفیت بتلانے کی بجائے حضرت رکانہ نے کمیت بتلائی کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ایک عرب جو قریشی مطلبی ہو، کیفیت دریافت کرنے پر کمیت بتلانا شروع کر دے۔

○ زبیر بن سعید کی روایت کے مطابق حضرت رکانہ نے ایک لفظ بتہ بولا تھا جس میں نیت کا لحاظ ہوتا ہے، اور چونکہ یہ لفظ ایک ہی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ یہ لفظ ایک ہی مجلس میں ادا کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ "ب" ایک مجلس میں اور "ت" دوسری میں اور "ۃ" تیسری مجلس میں بولا جائے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر "بتہ" کے الفاظ سے تین طلاقیں مراد لی جاتی تھیں لیکن دربار نبوی میں بات شروع کرتے ہی حضرت رکانہ نے قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک بتہ طلاق دیدی ہے۔ لیکن چونکہ لفظ "بتہ" سے عموماً تین طلاقیں سمجھی جاتی تھیں، اس لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دوبارہ حلفاً بتاؤ کہ بتہ سے آپ کی مراد واقعی ایک طلاق تھی، تو حضرت رکانہ نے دوبارہ قسم کھا کر بتلایا کہ واللہ! بتہ سے میری مراد ایک طلاق تھی۔ لیکن محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں یا الگ الگ تین مجلسوں میں؟ تو اس پر انہوں نے کہا کہ جی ہاں ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں۔ اور اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر اگر چاہتے ہو تو رجوع کرلو۔

○ یہ روایت بیان کرنے کے بعد جناب پیر صاحب لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق یہ کہتا کہ فی مجلس واحد کے لفظ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق متصور ہوگی۔ لیکن اس کی بجائے محمد بن اسحاق نے یہ کہا کہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے تھی کہ طلاق ہر طہر میں دینی چاہیے۔ حالانکہ خود محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی مجلس واحد کے لفظ سے سوال کیا تھا کہ کیا ایک ہی مجلس میں تین بار الگ الگ یا ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ محمد بن اسحاق نے مجلس سے طہر کا مسئلہ کس طرح کشید کر لیا۔

○ بہرحال خواہ روایت ابن جریج کی ہو' یا محمد بن اسحاق کی 'یہ دونوں ہی غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ :

○ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے طلاق کا لفظ نہیں بلکہ بتہ کا لفظ بولا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو داؤدؒ نے اپنی تین سندوں سے بتہ والی خاندانِ رکانہ کی متفقہ روایت بیان کرکے خود اپنے ہی اصول کے مطابق اس روایت پر تبصرہ اور جرح نہ کرکے اس کی تصحیح کردی' بلکہ ابن جریج کی روایت نقل کرنے کے بعد تو واضح لفظوں میں اس بات کا برملا اعلان کردیا کہ ابن جریج کی اس روایت کی بہ نسبت وہ روایت زیادہ صحیح اور اصح ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے "بتہ" کے لفظ سے اپنی بیوی سُہیمہ کو ایک طلاق دی تھی۔

○ نیز حضرت امام ابن حبانؒ اور حضرت امام حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی بتہ والی روایت کو صحیح اور تین طلاقوں والی روایت کو غلط قرار دیا۔

○ اسی طرح حضرت امام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس روایت میں بتہ کا لفظ ہی صحیح ہے' اور بتہ کی جگہ طَلَّقَهَا ثَلٰثًا کا لفظ راویوں کی زیادتی اور اضافہ ہے۔

## سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طلاق کا فیصلہ

**۵** سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی تھی، اور ارادہ تھا کہ آئندہ دو طہروں میں مزید دو طلاقیں دیدوں گا۔ تو جب یہ بات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ:

○ اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس طرح حکم نہیں فرمایا۔ آپ نے طلاق دینے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ پھر طلاق دینے کا صحیح طریقہ بتلانے کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ نے انھیں رجوع کرنے کا حکم دیا۔

○ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں

عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ اگر میں ایک کی بجائے اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کرنے سے وہ میرے لیے حلال ہو سکتی تھی؟ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں، وہ عورت اکٹھی تین طلاقیں دینے کی صورت میں تم سے ہمیشہ کے لیے جدا بھی ہو جاتی اور تمہیں اس کا گناہ بھی ہوتا۔ (دارقطنی ص ۴۳۸)

## تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا ایک اور فیصلہ

⑥ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس مطلقہ نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا۔ پھر اس دوسرے خاوند نے بھی اس عورت کو طلاق دے دی۔

○ اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ کیا اب وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہوتی یا نہیں۔ تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا وہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس عورت سے لطف اندوز نہ ہو لے۔

○ حضرت امام بخاریؒ نے یہ واقعہ باب من اجاز طلاق الثلاث ہی میں نقل فرمایا ہے۔ اور اس واقعہ کو اس باب میں درج کرنے سے حضرت امام بخاریؒ کا مطلب یہی ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ ایک مجلس میں الگ الگ، خواہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ؛ اسی طرح چاہے تو تین طہروں میں الگ الگ، یا ایک ہی طہر کے مختلف اوقات میں طلاق دے، یا اسی طرح چاہے حیض کی حالت میں تین طلاقیں دے یا حمل میں، وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوں گی۔ اور وہ عورت طلاق دینے والے کے لیے کبھی حلال نہیں ہو سکتی حتیٰ تنکح زوجا غیرہ جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے ہمبستری نہ کر لے۔ (بخاری ص ۷۹۱)

## تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا ایک اور فیصلہ

⑤ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر اس طلاقہ عورت نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔ پھر اس مرد اور عورت نے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا اور پردہ لٹکا دیا۔ مگر اس مرد نے کسی وجہ سے اس منکوحہ عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا اور جماع سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق بھی دے دی۔ تو کیا اس صورت میں وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوسکتی ہے یا نہیں۔؟ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تک دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ جماع نہ کرے اس وقت تک وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۰۱)

○ حضرت امام احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ روایت دو سندوں سے نقل فرمائی ہے۔

○ پہلی سند: عمرو بن علی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن علقمۃ بن مرثد قال سمعت سالم بن رزین یحدث عن سالم بن عبد اللہ عن سعید بن المسیب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

○ دوسری سند: محمود بن غیلان ثنا وکیع ثنا سفیان عن علقمہ بن مرثد عن رزین بن سلیمان الاحمری عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

○ اور یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ اور حضرت امام نسائی نے یہ روایت نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ دوسری سند پہلی سند سے اولیٰ بالصواب ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ پہلی سند میں کوئی عیب تھا جو دوسری سند سے ختم ہوگیا ہے یا اس کی تائید سے وہ ہوگئی، بلکہ خود یہ دونوں سندیں صحیح اور قابلِ احتجاج ہیں اور ان میں کوئی نقص، کمی اور عیب نہیں ہے۔

## طلاق بدعی کے متعلق نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

۸ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: یامعاذ من طلق فی بدعۃ واحدۃ او اثنتین او ثلاثا الزمناہ بدعتہ (دارقطنی ص ۴۳۳) کہ جو شخص بدعت اور خلاف سُنت طریقے سے ایک، دو یا تین طلاقیں دیدے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہی بدعت اس پر لازم کردیں گے۔

○ یعنی اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں یا ایسے طہر میں جس میں جماع کرچکا ہو یا عورت حاملہ ہو، تو ان حالات میں طلاق دے تو جتنی طلاقیں بھی دے گا بس وہ اُتنی ہی شمار ہوں گی۔ مثلاً اگر کوئی ان حالات میں ایک طلاق دے گا تو وہ طلاق واقع ہوجائے گی، اور عورت تین حیض مکمل ہونے تک عدت گزارے گی، اور پھر اپنی مرضی کی مالک ہوگی۔

○ اسی طرح اگر کوئی ایسے حالات میں ایک مجلس میں یا دو مختلف مجلسوں میں الگ الگ یا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی دو طلاقیں دیدے تو دو طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اور عدت کے بعد عورت اپنی مرضی کی مالک ہوگی۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے حالات میں ہی تین مختلف مجلسوں میں یا دو مجلسوں میں یا ایک ہی مجلس میں الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقیں دیدے تو اس صورت میں بھی تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اور وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی اور اسے رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔

○ اس روایت میں سب راوی ثقہ ہیں۔ البتہ اسماعیل بن اُمیہ ابوالصلت الذارع القرشی الکوفی کے بارے میں خود امام علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متروک الحدیث ہے، جبکہ شیخ عبدالحق اُسے ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن جب صحیح احادیث سے اس کی تائید ہو تو بلحاظ متن یہ روایت صحیح کہلائے گی۔

# طلاقِ بتّہ پر تین طلاقوں کا فیصلہ

○ امیر المومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو بتّہ کے لفظ سے طلاق دیتے ہوئے سُنا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ان لوگوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ اور پھر فرمایا:
من طلق البتۃ الزمناہ ثلاثا لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ
کہ جو بتّہ کہہ کر اپنی بیوی کو قاطع طلاق دے گا تو ہم حکمِ الٰہی کے موافق اس پر تینوں طلاقیں جاری کریں گے اور اس کے لیے وہ عورت اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (دارقطنی ۲)

○ جیسا کہ سیّدنا رکانہؓ بن عبد یزید نے ایک طلاق کی نیت سے بتّہ کا لفظ بول کر سُہیمہ کو طلاق دی تھی، تو چونکہ بتّہ کے لفظ سے عام طور پر تین قطعی طلاقیں ہی مُراد لی جاتی ہیں، اس لیے جب تک خود طلاق دینے والا یہ نہ کہے کہ بتّہ کے لفظ سے میری مُراد ایک طلاق تھی، اُس وقت تک بتّہ کے لفظ سے تین طلاقیں ہی تصور ہوں گی، اور طلاق دینے والے پر وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔

○ حالانکہ بتّہ کا ایک لفظ تین مجلسوں کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو ایک لمحہ میں زبان سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص یہ تین حرفی کلمہ یک لخت زبان سے ادا کرتا ہے تو مذکورہ بالا حدیث مُبارک کی رُو سے اور اس سے پہلے تحریر کی جانے والی سنداً و متناً صحیح احادیث کی رُو سے تین کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ البتہ اگر نیت ایک طلاق کی ہو اور طلاق دینے والا حلفاً کہے کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی تو ایک طلاق ہو گی۔

○ بہر حال اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ اگر ایک مجلس میں بلکہ ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

# اکٹھی تین طلاقوں کے مُتعلق فیصلہ

⓾ امیر المومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند کل طهر تطلیقة او عند رأس کل شهر تطلیقة او طلقها ثلثًا جمیعًا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره (سنن دارقطنی ص ۴۳۷، ۴۳۸)

کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، خواہ ہر طہر کے وقت ایک ایک طلاق دے کر، یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک طلاق دیکر یا اکٹھی تینوں طلاقیں دے دیں، تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔

○ اس حدیثِ مبارک میں اس بات کی صاف لفظوں میں وضاحت ہے کہ نہ صرف ایک مجلس میں بلکہ ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوں گی اور ان تین اکٹھی ایک لفظ کے ساتھ دی ہُوئی طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا دینِ محمدی کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے۔ اور اگر کوئی اکٹھی دی ہُوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتا ہے تو وہ زنا کاری کا رستہ ہموار کرتا ہے۔ اور جو شخص اکٹھی تین طلاقیں دینے کے بعد کسی جاہل اور بے دین رافضی وغیرہ کے بہکانے میں آکر رجوع کر لیتا ہے، یعنی اس مطلقہ عورت کو اپنے گھر بسا لیتا ہے تو وہ حدیث بالا کی رُو سے زنا کا مرتکب ہوگا

○ اور اگر کوئی شخص مسئلہ معلوم ہونے کے بعد پھر بھی اس گناہِ کبیرہ پر عمل کرتا رہے گا اور اس عورت سے جُدا نہ ہوگا تو نماز روزہ کا اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ گناہِ کبیرہ پر اصرار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

## یکی کلمہ تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

① حضرت ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا ان رجلا من اسلم طلق امرأته علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلٰث تطلیقات جمیعا کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فقال له بعض اصحابه ان لك علیها رجعة تو اس طلاق دہندہ کو اس کے دوستوں میں سے کسی دوست نے کہا کہ اس صورت میں تجھے رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے، فانطلت امرأته حتیٰ دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم پھر اس طلاق دہندہ کی مطلقہ بیوی حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ فقالت پھر وہ مطلقہ عورت عرض گزار ہوئی: ان زوجی طلقنی ثلٰث تطلیقات فی کلمة واحدة کہ میرے شوہر نے مجھے ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں، مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ کیا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں، نیز آپؐ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ میں اور طلاق دہندہ شرعاً ایک دوسرے کی میراث کے حق دار رہے یا نہیں۔

فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد بنت منه ولا میراث بینکما۔ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تیرے شوہر نے ایک ہی کلمہ میں تجھے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں، اور اس طرح اکٹھی تین طلاقیں دینا اچھا نہیں ہے تاہم تو طلاق دہندہ سے جدا ہو چکی ہے، اور تم دونوں طلاق دہندہ اور مطلقہ کے درمیان وراثت بھی نہیں ہے۔ (مدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۱)

# اکٹھی تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا ایک اور فیصلہ

۱۲ سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أُخبر رسول اللہ ﷺ عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعًا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے شخص کے بارے میں اطلاع دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فقام غضبان یہ بات سُن کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہوئے، اور غصے کی حالت میں اپنی مسندِ مبارک سے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

ثم قال علیہ السلام أیلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غصے کی حالت میں فرمایا کہ کیا میری زندگی میں ہی کتاب اللہ کے ساتھ اس طرح سے کھیلا جارہا ہے۔؟

حتی قام رجل وقال یارسول اللہ الا اقتلہ۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۹۹) یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کو دیکھ کر اور آپ کا یہ فرمان سُن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: یارسول اللہ! کیوں نہ اس شخص کو میں قتل ہی کردوں، جس نے آپ کی زندگی میں کتابُ اللہ کے احکام کا مذاق اُڑاتے ہوئے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سُن کر جس قدر غصے کا اظہار فرمایا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں اس نے اپنا خانہ خراب کرلیا تھا اور ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اور احکام الٰہی کے مذاق اڑانے کا گناہ اس کے سر پر علیحدہ ہُوا۔ ورنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر غضبناک ہونے کا اور کوئی مطلب نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ ایک طلاق رجعی ہوتی تو اس پر اتنا غصہ کرنے کا تو کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔

**فائدہ:** جب ایک حدیث صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہو جائے، اور کوئی فقیہ و مجتہد امر سنت اس حدیث کو سند میں پیش کرے تو وہ شرعی دلیل بن جاتی ہے۔

○ اور اگر یہی حدیث کوئی کذاب روایت کرے، یا متروک الحدیث یا رافضی داعیہ یا معتزلی اور خارجی بھی روایت کرے، تو صحیح سند سے ثابت شدہ اس روایت پر اس راوی کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ جیسا کہ:

○ اہل السنت والجماعت کی بے شمار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح ستہ میں مروی ہیں اور اہل السنت والجماعت کا ان پر عمل ہے۔ اور وہی حدیثیں روافض کی کتب میں بھی مروی ہیں۔ لیکن صحاح ستہ کی ان احادیث کو محض یہ کہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ روایات روافض کی کتب میں بھی ہیں اور ان کے راوی رافضی ہیں، اس لیے ہم ان کو نہیں مانتے۔

○ بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی متعدد شیعہ، معتزلی اور خارجی راوی ہیں، اور ان دونوں شیخین نے اپنی صحیحین میں ان کی روایات نقل فرمائی ہیں، اور اہل سنت کا ان پر عمل بھی ہے۔ اس لیے اگر زیر بحث مسئلہ سے متعلق احادیث میں اتفاق سے کوئی شیعہ راوی بھی آ جائے تو اس حدیث کو محض یہ کہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا راوی رافضی ہے۔ کیونکہ:

○ جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں، تو اس کے بعد اگر کچھ اور روایتیں ایسی بھی مل جائیں جن میں شیعہ، معتزلی یا خارجی وغیرہ راوی ہوں تو ان کا رافضی وغیرہ ہونا اس صحیح روایت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ رافضی وغیرہ کی روایت اس صحیح روایت کی مؤید بن جائے گی، خصوصاً جبکہ رافضی کی روایت خود اس کے اپنے مذہب کی تردید کرتی ہو۔ کیونکہ:

○ ہم قبل ازیں کتب روافض سے ثابت کر چکے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق تصور [illegible] رفض کا مذہب ہے اہل سنت کا نہیں۔

- اب اگر کوئی رافضی اپنے مذہب کے خلاف روایت کرے تو اس سے اس کے اپنے مذہب کی تردید اور اہل سُنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً

- حضرت امام علی بن احمد بن مہدی ابو الحسن بغدادی دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سُنن دارقطنی ص ۲۳۷، ۲۳۸ میں عمرو بن شمر جعفی کوفی رافضی کی سند سے امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے۔ جو اہل سُنت کی روایات صحیحہ کے موافق ہے اور اس سے روافض کے مذہب کی تردید ہوتی ہے۔ اس لیے اس رافضی راوی کی روایت کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر عمرو بن شمر کی روایت کو محض اس کے رافضی ہونے کی وجہ سے رد کرنا ضروری سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی رافضی قرآن مجید کی آیت پڑھے تو اس کا بھی انکار کر دیا جائے کیونکہ اس کا راوی رافضی ہے۔ نعوذ باللہ۔

- اور اگر یہی اصول بنا لیا جائے کہ قرآن مجید کی ہر وہ آیت یا ہر وہ روایت جس کا راوی رافضی، یا معتزلی یا خارجی اور قدری وغیرہ ہو تو اسے ہر حال میں رد کرنا ہی ضروری ہے تو یہ قانون تو بہت ہی خطرناک ہوگا، جس سے انسان دائرۂ اسلام سے نکل کر دائرۂ کفر میں داخل ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ۔

- اس سلسلہ میں اصل قانون یہ ہے کہ: "مُبتدع راوی ایسی روایت بیان کرے جو اس کے بدعی مذہب کی تائید کرتی ہو تو وہ روایت مردود ہے، اور اگر وہ مُبتدع ایسی روایت بیان کرے جو اس کے بدعی مذہب کی تائید نہ کرتی ہو تو وہ بلاشبہ مقبول ہے۔" (دیکھیے: نخبۃ الفکر ص ۲۳)

# صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فتوے اور فیصلے

## امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

❶ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر میں اعلان فرمایا: یاایھا الناس! قد کانت لکم فی الطلاق اناۃ وانہ من تعجل اناۃ اللہ فی الطلاق الزمناہ (شرح معانی الآثار للطحاوی ص۲)

کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے طلاق کے بارے میں یہ گنجائش تھی کہ اس معاملے میں سنجیدگی سے کام لیتے ہوئے خوب اچھی طرح غور و فکر کرنے کے بعد حوصلے کے ساتھ سمجھ سمجھ طلاق دی جائے۔ یعنی ایک یہ دیکھے کہ وہ عورت حیض کی حالت میں نہ ہو، اور پھر یہ بھی دیکھے کہ جس طہر میں طلاق دینی چاہیے اس میں جماع نہ کیا ہو، اور یہ کہ جب طلاق دینا چاہے تو صرف ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے خلاف جلد بازی سے کام لیتے ہوئے ایک مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے گا، یا حیض کی حالت میں طلاق دے گا یا ایسے طہر میں طلاق دے گا جس میں جماع کر چکا ہو، یا حاملہ کو طلاق دے گا تو ہم بھی اس پر حکم الٰہی کے مطابق وہی حکم جاری کریں گے۔ یعنی اس نے جس حالت میں اور جتنی طلاقیں دی ہیں وہ سب اس پر جاری کریں گے۔ خواہ اس نے حیض کی حالت میں تین طلاقیں اکٹھی ایک لفظ کے ساتھ ہی کیوں نہ دی ہوں۔

○ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بھری محفل میں جب یہ اعلان فرمایا تھا تو اس مجلس میں صحابہ کبارؓ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اور کسی ایک نے بھی مخالفت نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؓ کا یہ حکم قرآن و سنت کے عین مطابق تھا، ورنہ کوئی نہ کوئی صحابی ضرور بول اٹھتا کہ اے امیر المومنین! آپ ایسا نیا حکم کیوں نافذ فرما رہے ہیں جو نہ عہد نبوی میں تھا نہ عہد صدیقی میں۔

امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم شرعی سن کر تمام صحابہ کی طرف سے اس کی تائید میں خاموش رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جو لوگ عہد نبوی یا عہد صدیقی میں حکم الٰہی کے خلاف بار بار طلاق دے کر رجوع کر لینے کو جائز سمجھتے تھے تو در اصل انھیں حکم الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (۲:۲۲۹) کا علم ہی نہ تھا، کیونکہ اوّل تو تمام صحابہؓ کو قرآن مجید حفظ نہیں تھا، دوسرے یہ کہ تمام صحابہؓ تک قرآن مجید کے تمام احکام بھی پوری طرح نہیں پہنچے تھے۔ پھر جس جس صحابی یا تابعی کو جس وقت بھی جن جن احکام الٰہی کا علم ہوتا چلا گیا وہ فوراً پہلے جاہلانہ طریقہ کو چھوڑ کر صحیح شرعی حکم پر عمل شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مجمع عام کے سامنے امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے اعلان سے تمام صحابہ و تابعین کو حکم الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کا علم بھی ہو گیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت قطعیہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۴:۱۱۵)

کہ جو کوئی راہ ہدایت کا بخوبی علم ہو جانے کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا، یا مومنین کی راہ کے علاوہ کسی اور راستے کو اختیار کرے گا تو اس طرح وہ جو کچھ کرتا ہے ہم اسے کرنے دیتے ہیں۔ اور پھر آخرت میں ہم اسے ان کارستانیوں کے بدلے جہنم میں جھونکیں گے جو برا ٹھکانہ ہے۔

اس فرمان الٰہی سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی اتباع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور جو کوئی ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت کرے گا تو وہ آخرت میں جہنم کی سزا کا مستحق ہوگا، جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔"

## سیدنا امام عمرؓ کا ہزار طلاقوں پر فیصلہ

❷ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ میں اکٹھی ایک ہزار طلاقیں دینے والے شخص سے فرمایا کہ عورت کو جدا کرنے کے لیے ان ہزار طلاقوں میں سے صرف تین طلاقیں ہی کافی تھیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۴)

## امام عمرؓ کا تین طلاقوں پر فیصلہ

❸ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۷۱ میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے دخول سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے شخص سے فرمایا کہ تیری تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور وہ مطلقہ تجھ پر حلال نہیں رہی۔ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ.

○ اس اثر کے تمام راوی ثقہ اور پختہ ہیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۴)

○ حضرت امام ابن قیمؒ نے یہ روایت اغاثۃ اللہفان میں نقل فرمائی ہے، اور اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۶۲)

## اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق امام عمرؓ کا حکمنامہ

❹ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک حکم نامہ تحریر فرما کر ارسال فرمایا، جس میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہے۔ یعنی تجھے تین طلاقیں" کہ دے تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوں گی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۷۷ بحوالہ ابو نعیم اصبہانی)

## اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کی پٹائی

❺ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص غیر مدخول بہا بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیتا تھا تو امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ اس کی پٹائی بھی کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اب یہ عورت تجھ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہے، جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱/۵)

## مذاق میں ہزار طلاقیں دینے والے کی پٹائی

❻ حضرت زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک مسخرے نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ پھر امیر المومنین سیدنا امام عمرؓ سے کہنے لگا کہ میں نے تو یونہی کھیل اور مذاق کے طور پر ایسا کیا تھا۔ حضرت امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے درے سے اس مسخرے کی خوب پٹائی کی' اور ان دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی بھی کروا دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲)

## تین طلاقوں کے بعد حلالہ کئے بغیر نکاح کرنے والے کو رجم کا حکم

❼ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے۔ اور کوئی دوسرا شخص اس مطلقہ بثلاث سے نکاح کرلے اور پھر کسی وجہ سے قبل از دخول ہی اس عورت کو طلاق دیدے (تو وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوسکتی، اس لیے) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر دخول سے پہلے ہی دوسرا خاوند اسے طلاق دیدے اور پھر وہ پہلا خاوند اگر اس عورت سے نکاح کرلے (تو وہ زنا ہوگا' جس کی سزا محصن کے لیے رجم ہے۔) تو اگر امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وہ شخص ایسا کرتا تو یقیناً حضرت امیر المومنین اس شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دیتے، جس نے پہلے تو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اس کی مطلقہ کو دوسری جگہ نکاح کرکے دخول سے پہلے ہی طلاق ہونے کی صورت میں اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرلیا ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۴۸)

○ یاد رہے کہ رجم یعنی سنگسار اسی شخص کو کیا جاتا ہے جو محصن ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے۔ اور رجم کا یہ حکم اس صورت میں ہے

جبکہ وہ عورت دوسرے خاوند سے قبل از دخول طلاق لے کر پہلے شوہر سے نکاح کرے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص تین طلاقوں کو ایک سمجھ کر طلاق ثلاث کو بدستور بسائے رکھے تو وہ بطریق اولیٰ رجم کا مستحق ہوگا۔

## ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والے سے صحابہؓ کا برتاؤ

**۸** مشہور تابعی اور محدث حضرت حسن بن یسار ابو سعید بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے شخص کو عبرتناک سزا دیتے تھے جو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱)

## امیر المومنین سیدنا امام عثمانؓ کا ہزار طلاقوں پر فیصلہ

**۹** اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۳ میں ابن حزم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں اکٹھی دے دیں تو امیر المومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تیری بیوی تو تین طلاقوں کے ساتھ ہی تجھ سے جُدا ہوگئی تھی۔ یعنی ۹۹۷ طلاقیں فضول ہیں۔

## امیر المومنین سیدنا امام علیؓ کا ہزار طلاقوں پر فیصلہ

**۱۰** ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دیں تو امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیری عورت کو صرف تین طلاقوں نے تجھ پر حرام کر دیا اس لیے زیادہ طلاقیں دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴ بطریق شعبہ)

## سو طلاقوں پر سیدنا امام علیؓ کا فیصلہ

**۱۱** ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں تو امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ وہ عورت ہمیشہ کے لیے تجھ سے جُدا ہوگئی اور اُوپر والی ستانوے طلاقیں تیری گردن میں نافرمانی کا طوق ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۴ بحوالہ المجموع الفقہی بطریق زید بن علی)

## تین طلاقوں پر سیدنا امام علیؓ کا فیصلہ

**۱۲** ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتیٰ تنکح
زوجاً غیرہ۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۵ بطریق عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ وجعفر بن محمد)
یاد رہے کہ یہ ہزار طلاقیں، سو طلاقیں یا اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالنا سخت
گناہ کا کام ہے۔ اور اگر کوئی شخص غیر مشروع طریقے سے اکٹھی تین، یا
تین سے زیادہ طلاقیں دیتا ہے تو اس کی بیوی تین طلاقوں سے جدا ہو جاتی
ہے۔ اور اسی کا نام بدعی طلاق ہے۔ نیز سو طلاق یا ہزار طلاق کا یہ مطلب
نہیں ہوتا کہ اس نے سو یا ہزار طہروں میں طلاق دی ہو، یہ تو ایک لمحہ کی بات ہے

## اُونٹ کے بوجھ جتنی طلاق کے متعلق فتویٰ

(۱۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے اُونٹ کے بوجھ جتنی طلاق ہے۔
اس پر امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد
فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں رہی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ...)

## ایک مجلس کی تین طلاقوں پر امام علیؓ کا فتویٰ

(۱۴) حضرت سلیمان بن مہران ابو محمد اسدی کوفی اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
کوفہ میں ایک بابا رہتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میں نے امیر المومنین علیؓ
سے یوں سن رکھا ہے کہ: "جب کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی
کو تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت اسی طلاق دہندہ کو لوٹا دی جائے"
یعنی ایسی طلاق کا کچھ اعتبار نہیں اور وہ ایک طلاق بھی نہیں ہوتی۔
یہ عجیب و غریب بات سن کر کئی لوگ اس بوڑھے کے پاس آتے تھے
اور اس کی یہ حیران کن روایت کان لگا کر بڑے غور سے سنتے تھے
ایک دن میں بھی اس بوڑھے کے یہاں چلا گیا، تا کہ اس کی روایت کی
کھوج لگاؤں اور دیکھوں کہ اس کی کچھ حقیقت بھی ہے یا مسلمانوں کے
خلاف کوئی گہری سازش ہے، کیونکہ نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ تمام صحابہؓ
کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ ایک مجلس تو کیا، ایک کلمہ کے ساتھ یکجا

دی ہُوئی تین طلاقوں سے بھی عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہتی۔)

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بوڑھے سے دریافت کیا کہ کیا یہ مسئلہ تم نے خود امیرالمومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے سُنا ہے یا ویسے ہی من گھڑت بات عوام میں مشہور کر رکھی ہے؟
اس بوڑھے نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا کہ: جی ہاں! یہ مسئلہ خود میں نے امیرالمومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ:
"جب کوئی مرد ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ تینوں طلاقیں ایک طلاق کی طرف لوٹائی جائیں۔ یعنی اس طلاق دہندہ کو رجوع کرکے اس عورت کو دوبارہ اپنے گھر بسانے کا اختیار ہے۔"
میں (اعمش) نے دریافت کیا کہ: کیا یہ بات خود اپنے کانوں سے تم نے امیرالمومنین سے سُنی ہے، یا کسی سے اُڑتی ہُوئی سُن کر آگے بیان کرنی شروع کر دی ہے؟

حضرت اعمشؒ کے اس سوال پر اس بوڑھے نے کہا کہ "امیرالمومنین کا یہ فرمان تو میرے پاس موجود ایک کتاب میں بھی لکھا ہُوا ہے، ذرا ٹھہرو تو میں وہ کتاب اندر سے لا کر آپ کو دکھاتا ہوں تاکہ آپ کو یقین آجائے۔ اور پھر اس بوڑھے نے وہ کتاب نکال کر حضرت اعمشؒ کو دکھائی۔ اور امیرالمومنین کا فرمان دکھایا، جس میں لکھا ہُوا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ وہ حدیث ہے جو میں نے امیرالمومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے سُن رکھی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس طلاق دہندہ مرد سے جُدا ہو گئی۔ اور اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ؟

○ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ امیر المومنینؓ کا یہ فرمانِ ذیشان پڑھ کر میں نے حضرت امیر المومنین کی طرف جھوٹا فتویٰ منسوب کرنے والے اس بوڑھے کذاب سے کہا کہ: تو برباد ہو، یہ تحریر تو تیری اس بات کی مخالف ہے جو تو لوگوں کے سامنے بیان کرتا رہتا ہے۔

○ حضرت اعمشؒ نے جب اس انداز میں اس کی تحریر سے اس کے قول کو جھٹلا دیا، تو وہ اپنے جھوٹ کا اقرار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ: یہ بات تو ٹھیک ہے مگر یہ (رافضی) مجھ سے یہ اُلٹی بات کہلواتے ہیں۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹ و ۳۴۰)

## ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا فتویٰ

(۱۵) ایک شخص نے غیر مدخول بہا منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو اس کے متعلق سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابن عباس اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم یعنی ان تینوں نے فتویٰ دیا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳)

## ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا فتویٰ

(۱۶) ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس طرح طلاق دی کہ: "تجھے ایک طلاق ہے جیسے ہزار ہوں"۔ اس پر حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا کہ وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں رہی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۷۹)

## ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کا فتویٰ

(۱۷) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو اُمّ المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (مصنف ابن شیبہ ج ۵ ص ۲۲)

## ننانوے طلاقوں پر سیدنا ابن مسعودؓ کا فتویٰ

(۱۸) ایک شخص نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دیدی تھیں۔ اس پر فقیہ اُمت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو عورت کو مرد سے جُدا کر دیتی ہیں اور باقی سب کی سب مرد کا اس عورت پر ظلم اور زیادتی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۵، بحوالہ عبدالرزاق بطریق ابراہیم بن علقمہ)

## سو طلاقوں پر سیدنا ابن مسعودؓ کا فتویٰ

⑲ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ سے اکٹھی سب طلاقیں دے کر قصہ تمام کر دیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے تو ایک مرتبہ ہی سو طلاق کا لفظ کہا ہے اس پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شرعی حکم کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت تو اُن سو میں سے صرف تین طلاقوں کے ساتھ ہی تجھ سے جُدا ہو گئی۔ اور باقی طلاقیں عورت پر تیرا ظلم اور زیادتی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۴، ۷ بحوالہ بیہقی بطریق اعمش عن مسروق)

## تین طلاقوں پر سیدنا ابن عمرؓ کا فتویٰ

⑳ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۵)

## حیض کی حالت میں طلاق کے متعلق ابن عمرؓ کا فتویٰ

㉑ ایک شخص نے خلافِ شرع حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو فتویٰ دیا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی بھی تجھ سے جُدا ہو گئی ہے۔ (بیہقی صفحہ ۳۳۶)

## سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طلاقوں کے متعلق مدلل فتویٰ

㉒ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ میں ہے کہ جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے طلاق کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو آپؓ فرمایا کرتے تھے:

اما انت ان طلقت امرأتك مرة او مرتين فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرني بهذا وان كنت طلقتها ثلاثا

وعصیت اللہ فقد حرمت علیک حتیٰ تنکح زوجاً غیرک فیما امرک من طلاق امرأتک. کہ اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تب تو تجھے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا تھا. اور اگر تو نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تو پھر وہ عورت تجھ پر حرام ہو چکی ہے، جب تک کہ وہ تیرے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے۔ اور اس طرح تین طلاقیں دے کر تو نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی جو نافرمانی کی ہے وہ مزید برآں۔

○ یاد رہے کہ اسلام میں طلاق دینے کا معروف طریقہ تو وہی ہے جو قبل ازیں لکھا جاچکا ہے کہ طہر کی حالت میں طلاق دی جائے اور وہ بھی صرف ایک اور طہر بھی وہ کہ جس میں جماع نہ کیا ہو۔ لیکن کوئی ان شرعی قیود کا لحاظ کیے بغیر طلاق دے گا تو اس کا گناہ بھی ہوگا اور جتنی طلاقیں دے گا وہ سب کی سب نافذ ہوجائیں گی۔ کیونکہ جتنی احادیث اور آثار اس بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں آیا کہ بدعی طریقے اکٹھی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق سمجھنا چاہیے۔ بلکہ جہاں بھی آیا ہے وہ مطلق آیا ہے کہ خواہ کسی طریقہ سے کسی بھی موقع پر جو شخص تین طلاقیں دے ڈالے گا تو وہ عورت حرام ہوجائے گی، جبکہ ایک یا دو طلاقوں کی صورت میں رجوع یا تجدید نکاح کی سہولت موجود رہتی ہے۔ اور اس فرمان میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اس طلاق سے رجوع کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے حیض کی حالت میں دی تھی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

## سو طلاقوں کے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

(۲۳) ... حضرت سعید مقبریؒ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی

خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران ایک آدمی آیا، اور عرض کرنے لگا اے ابو عبدالرحمٰن (یعنی سیدنا عبداللہ بن عمرؓ) میں نے اپنی بیوی کو سو بار طلاق دے دی ہے، اب بتائیے کہ میرے بارے میں شرعی حکم کیا ہے، سیدنا ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ تو تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی، اور باقی ستانوے کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ سے محاسبہ اور باز پرس کرے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳)

## ننانوے طلاقوں پر سیدنا ابن عمرؓ کا فتویٰ

(۲۴) حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ننانوے بار طلاق دی ہے، اب مجھے اس بارے میں شرعی حکم بتائیے۔ آپؓ نے پوچھا کہ دیگر صحابۂ کرامؓ نے کیا جواب دیا ہے؟ اس نے کہا کہ تمام صحابہؓ نے یہی فرمایا ہے کہ وہ عورت تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ واللہ! انھوں نے تجھ پر شفقت کی ہے، ورنہ اصل بات تو یہ ہے کہ بیوی تو تجھ سے جدا ہو ہی گئی اور باقی طلاقیں زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سزا دے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲)

## سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کا فتویٰ

(۲۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک طلاق تو عورت کو مرد سے جدا کر دیتی ہے، مگر تین طلاقیں عورت کو مرد پر حرام کر دیتی ہیں، اور وہ مطلقہ بہ ثلاث عورت اس طلاق دہندہ مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (موطا امام مالک ص ۲۰۷ و بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵)

## سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا فتویٰ

(۲۶) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مشہور تابعی حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے،

اسی دوران ایک آدمی نے آکر مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت عطاء بن یسارؒ نے فرمایا کہ باکرہ کو تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہی ہوا کرتی ہے

○ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عطاء بن یسارؒ کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر غصے کے ساتھ فرمایا

○ "تمھیں اس مسئلے کا علم نہیں، تم تو کوئی قصہ گو معلوم ہوتے ہو، اور تم مفتی تو ہو ہی نہیں۔" اس کے بعد شرع شریف کے مطابق آپؓ نے فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر باکرہ یعنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو ایک طلاق دی جائے تو وہ بائن یعنی جُدا ہو جاتی ہے، اور اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو اس مرد پر اس عورت کو ہمیشہ کے لیے حرام کر دیتی ہیں۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲)

## سیدنا مغیرۃ بن شعبۃ کا فتویٰ

(۱۷) ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں ایک ساتھ دے دی تھیں تو اس پر سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، ان سو میں سے تین طلاقوں کے ساتھ تو اس مرد پر وہ عورت حرام ہو گئی اور باقی ستانوے فضول ہیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۶)

## سیدنا عبادۃ بن الصامت کا فتویٰ

(۱۸) ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی ایک ہزار طلاقیں دے دیں تو سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کی تین طلاقیں تو نافذ ہو گئیں اور باقی نو سو ستانوے طلاقیں دینا اس کا ظلم اور زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۳ بحوالہ طبرانی)

○ یاد رہے کہ اگر کوئی شخص ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے اور اس طرح سو طہروں میں ایک سو طلاقیں پوری کرنے کے بعد مسئلہ دریافت کرنے چلے

تو یہ ناممکن سی بات ہے۔ کیونکہ عام حالات میں سو طہروں کے لیے سو ماہ درکار ہیں، جبکہ سو ماہ آٹھ سال چار ماہ میں پورے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص طلاق دینے کے عمل کو برابر آٹھ سال جاری رکھ سکے اور اتنے طویل عرصہ تک وہ عورت کو گھر بٹھائے رکھے۔ اسی طرح ہزار ماہ تقریباً ۸۳ سال میں پورے ہوتے ہیں۔ فافہم۔

## سیدنا سعد بن مالک ابو سعید خدریؓ کا فتویٰ

(۲۹) ایک شخص نے رخصتی سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، اس پر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲)

## سیدنا عبد اللہ بن مغفلؓ کا فتویٰ

(۳۰) ایک شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس پر سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳)

○ یاد رہے کہ مذکورہ بالا روایات میں جمیعاً یا متفرقۃً کا لفظ گو موجود نہیں ہے لیکن دیگر متعدد روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو متفرقۃً یعنی الگ الگ تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے کہا جائے تو پہلی مرتبہ تو طلاق والی ہے یا تجھے طلاق دیتا ہوں کہنے سے وہ عورت جدا ہو جاتی ہے اور باقی طلاقیں لغو ہوتی ہیں، اور ان دونوں کے درمیان پھر سے خطبہ اور نکاح جائز ہوتا ہے اور وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہوتی۔ لیکن مذکورہ بالا روایات میں صحابۂ کرامؓ فتویٰ دیتے ہیں کہ تین طلاقوں کے بعد غیر مدخول بہا اس مرد پر حلال نہیں رہتی، تو یقیناً ان کا مطلب یہی ہے کہ اکٹھی ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں رہتی۔

## سیدنا ابوھریرہؓ کا فتویٰ

(۳۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو اس کے متعلق سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک طلاق تو عورت کو مرد سے جُدا کر دیتی ہے جبکہ تین طلاقیں اس کو حرام کر دیتی ہیں، اور اس کے بعد وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (موطا امام مالک ص ۲۰۸ و بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵)

## غیر مدخول بہا کے متعلق فتویٰ

(۳۲) سیدنا ابوہریرہ، سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے غیر مدخول بہا کے بارے میں دریافت کیا گیا، جس کے شوہر نے رخصتی سے پہلے ہی اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں' تو ان تینوں صحابۂ کرامؓ نے یہی فتویٰ دیا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی دُوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۶)

## سیدنا عمران بن حصین کا فتویٰ

(۳۳) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص نے آکر آپ سے دریافت فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا کیا جائے۔ تو اس پر سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور اس کی بیوی بھی اس سے جُدا ہو گئی۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۲)

## سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کا فتویٰ

(۳۴) جس شخص نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پُوچھا تھا' وہ شخص یہی مسئلہ لے کر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوا کہ شاید وہ حضرت عمرانؓ کے خلاف فتویٰ دیں۔ مگر انھوں نے اس فتوی کی تائید فرمائی اور حضرت عمرانؓ کے حق میں دُعا بھی فرمائی۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۲)

## سیدنا انس بن مالکؓ کا فتویٰ

(۴۰) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑجاتی ہیں (خواہ الگ الگ دی جائیں یا اکٹھی) اور عورت جُدا ہوجاتی ہے پھر اس کے لیے حلال نہیں رہتی۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۲ ص ۳۴)

## امیر المؤمنین سیدنا امام حسن بن علیؓ کا فعل

(۴۱) حضرت سوید بن غفلہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ بنت فضل خثعمیہؒ امیر المومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، تو جب امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو حضرت عائشہ بنت فضلؒ نے سیدنا امام حسنؓ کو امامت کے عہدے پر سرفراز ہونے کی مُبارک بادی، تو سیدنا امام حسنؓ حضرت عائشہ بنت فضل سے کہنے لگے کہ آپ امیر المومنین (سیدنا امام علیؓ) کے قتل ہونے پر خوشی منارہی ہیں' اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، جاؤ میں نے تمہیں تین طلاقیں دیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اچانک پیش آیا اور یہ تینوں طلاقیں امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کلمہ میں دے دی تھیں، اور پھر باقی ماندہ مہر اور دس ہزار درہم بھی متعہ طلاق کے طور پر انھیں دیے۔

- حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے یہ رقم ملنے پر حضرت عائشہ بنت فضلؒ نے فرمایا کہ طلاق دینے والے حبیب سے یہ متاعِ قلیل ملا ہے۔
- امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب اپنی مطلقہ بثلاث بیوی حضرت عائشہ بنت فضل خثعمیہؒ کے یہ الفاظ سُنے تو رو پڑے۔ (جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؒ نے مبارک باد دی تھی تو یہ بات امیر المومنینؓ کو اس قدر نامناسب معلوم ہوئی کہ انھوں نے فوراً ایک سانس میں انتِ طالق ثلاثاً کے الفاظ ادا فرما کر اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، ورنہ اس طرح رونے کا کوئی مطلب نہ تھا) پھر

امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نے اپنے والد سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دے یا مبہم طریقے سے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ طلاق دہندہ کے لیے حلال نہیں رہتی حتیٰ تنکح زوجا غیرہ، تو میں ضرور اس کی طرف رجوع کر لیتا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۶)

○ حضرت ابن رجب نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۰۰)

## سیدنا زید بن ثابت کا غیر مدخول بہا کی طلاق کے متعلق فتویٰ

۲۷ حضرت حکم بن عتیبہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا امام علی، سیدنا ابن مسعود اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے غیر مدخول بہا کو دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تب تو وہ عورت حلال نہیں رہتی، اور اگر الگ الگ کرکے دی جائیں تو پہلی کے ساتھ وہ عورت جدا ہو جائے گی اور بعد والی کوئی چیز نہیں۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۳۴)

## غیر مدخول بہا کی طلاق کے متعلق صحابہ کا مشترکہ فتویٰ

۲۸ سیدنا عبد اللہ بن زبیر اور سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم اکٹھے تشریف فرما تھے کہ حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیر نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ ایک بادیہ نشین نے دخول سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس پر سیدنا عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا کہ

○ یہ مسئلہ سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے دریافت کریں، اور وہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہیں۔ پھر حضرت محمد بن ایاس نے وہاں پہنچ کر سیدنا ابن عباس سے مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ سے اس کا جواب دینے کے لیے فرمایا، تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ

○ ایک طلاق تو عورت کو جدا کر دیتی ہے جبکہ اکٹھی تین طلاقیں حرام کر دیتی ہیں حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔ (موطا امام مالک ص ۲۰۸ و بیہقی ج ۷، ص ۳۵۵)

# رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے

○ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہلاء ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بعد اپنا اُجڑا ہُوا گھر دوبارہ بسانے کے لیے کوئی نہ کوئی جواز کی صُورت تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

○ اسی دَوران بعض آزاد خیال علماء کی طرف سے انھیں حضرت طاؤس کی طرف منسوب ایک روایت دکھا کر رجوع کر لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت طاؤس نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص تمھیں یہ بتائے کہ طاؤسؒ تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی سمجھتے تھے تو اسے کہنا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۵، ۷ بحوالہ ادب القضاء)

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت طاؤسؒ کی زندگی میں ہی ان پر یہ بہتان لگا دیا تھا کہ حضرت طاؤسؒ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ کو اصل بات بتلا دی تاکہ کوئی شخص شریر لوگوں کی باتوں میں نہ آئے۔

○ حضرت طاؤسؒ کے اس وضاحتی بیان سے معلوم ہُوا کہ وہ تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔ اِسی طرح سیدنا ابن عباسؓ کے دُوسرے تمام شاگردوں کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں مرد پر عورت کو حرام کر دیتی ہیں، چنانچہ

## ایک لفظ کے ساتھ سو طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۳۹) حضرت ہارون بن عنترہ سے ان کے والد حضرت عنترہؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی صحبت میں بیٹھا ہُوا تھا کہ ایک آدمی آ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک ہی لفظ کے ساتھ ایک سو طلاقیں دیدی ہیں، کیا وہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ مجھ سے جُدا ہو گئی ہے، یا وہ ایک ہی طلاق سمجھی جائے گی؟ اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے تو عورت تجھ سے جُدا ہو گئی اور باقی ۹۷ تجھ پر بوجھ ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳/۵)

## اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

۲۰ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ "تیرے چچا نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے"۔ اور پھر اُسے شرمندہ کیا اور کوئی گنجائش نہ دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱ و درمنثور ج [illegible] ص [illegible])

## سو طلاقوں کے متعلق فتویٰ

۲۱ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی تھیں، تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ستانوے طلاقیں دے کر احکام الٰہی کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۲ و ۳۳۷)

## اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

۲۲ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا ابن عباسؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں، تو آپؓ اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تو گنجائش رکھی تھی لیکن تو نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی"۔ (ابوداؤد بسند صحیح ص ۳۰۶ و فتح الباری ج [illegible] ص [illegible] و بیہقی ج ۷ ص ۳۳۱ و درمنثور [illegible])

## سو طلاقوں کے متعلق فتویٰ

۲۳ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی سو طلاقیں دیدیں تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۱ و ۳۳۷)

## ہزار طلاقوں کے متعلق فتویٰ

۲۴ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے [illegible]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تین طلاقوں نے تو تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا۔ اور باقی (نو سو ستانوے) تجھ پر بوجھ ہیں، کیونکہ تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۲)

## تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۵) حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو آپؓ نے فرمایا کہ وہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۷)

## ستاروں کی تعداد جتنی طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۶) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے آکر پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ستاروں کی تعداد جتنی طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ تجھے تو صرف جوزاء ستارے کا سرا ہی کافی تھا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۷)

## تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۷) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت مالک بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، جب میں نے مسئلہ پوچھا تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور پھر مجھے شرمندہ کیا اور فرمایا کہ تمہارے چچا نے شیطان کا کہا مانا اس لیے اب کوئی گنجائش نہیں۔

○ حضرت مالک بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ کیا میرے چچا کے لیے کوئی دوسرا شخص اس کی بیوی کا محلل بن سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (بزعم خویش) دغا اور فریب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس دغا بازی کی سزا دے گا۔ (بیہقی ج ۷، ص ۳۳۷ بسند صحیح)

## قبل از رُخصتی تین طلاقوں سے متعلق فتویٰ

(۷۸) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دُخول سے پہلے یعنی باکرہ بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں، پھر اسے خیال آیا کہ میں اپنی اسی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لوں، لہٰذا وہ اس بارے میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا تھا، تو میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا تاکہ اس کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مسئلہ دریافت کروں۔

○ پھر ہم نے سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ دریافت کیا تو ان دونوں نے فرمایا کہ ہم تجھے اس سے نکاح کرنے کی شرعاً اجازت نہیں دے سکتے۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ پھر اس شخص نے عرض کی کہ: "ابھی میں نے تو ایک مرتبہ ہی (تین طلاق کا لفظ) کہا تھا۔" تو اُس کی اِس وضاحت کا جواب دیتے ہُوئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: "جو کچھ فضل تیرے لیے تھا، وہ سب کا سب خود تُو نے اپنے ہاتھ سے ہی چھوڑ دیا ہے تو بھلا اب کیا ہو سکتا ہے۔" (بیہقی ج ۷، ص ۳۳۵ و ۳۳۸)

## تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۷۹) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پہلے یعنی عہدِ جاہلیت میں ایسا ہُوا کرتا تھا کہ کوئی شخص جب بھی اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا تو وہ رجوع کا حق رکھتا تھا، اگرچہ تین طلاقیں ہی دے دی ہوں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الطلاق مرتان (۲: ۲۲۹) کے حکم نامے سے اس جاہلی عمل کو منسوخ کر دیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ رجوع کا حق دو طلاقوں تک ہی ہے، اور اس کے بعد رجوع کا کوئی حق نہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۷)

○ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے براہِ راست شاگردوں کے بعد اب ان کے بالواسطہ شاگردوں کی تین طلاقوں کے بارے میں روایات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

## قبل از رُخصتی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

⑤ حضرت معاویۃ بن ابی عیاش انصاریؒ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا عاصم بن امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہم کی صحبت میں بیٹھا تھا' اسی دوران حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیرؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ اہل بادیہ میں سے ایک شخص نے دُخول سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی ہیں' تو اس بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں ہم کوئی بات کہنا نہیں چاہتے' اس لیے آپ اس مسئلہ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے استفسار فرمائیں۔ میں ان دونوں کو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بیٹھا چھوڑ آیا ہوں۔

○ پھر حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیرؒ نے وہاں پہنچ کر اس مسئلہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ اس بارے میں آپ فتویٰ صادر فرمائیں۔ چنانچہ:

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "ایک طلاق تو عورت کو مرد سے جُدا کر دیتی ہے۔ لیکن تین طلاقیں عورت کو مرد پر حرام کر دیتی ہیں، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ"۔

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ سُن کر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ مسئلہ اسی طرح ہے"۔ (موطا امام مالک ص ۲۰۸ و درمنثور ج ۲ ص ۶۶۹ و بیہقی ج ۷، ص ۳۵۵)

## تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

⑥ حضرت علی بن ابی طلحہؒ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مُرسلاً روایت نقل فرمائی ہے کہ (متفرق یعنی الگ الگ ہوں یا ایک ساتھ اکٹھی ہوں' ہر حال میں) تین طلاقوں کے بعد مرد پر عورت حلال نہیں رہتی۔ (بیہقی ج ۷، ص ۳۵۱)

## قبل از رخصتی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۵۲) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عامر بن شراحیل شعبیؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ "اس شخص کے ہاتھ میں طلاقوں کی گٹھڑی تھی، جسے اس نے ایک دم کھول دیا۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

**خلاصہ** یہ کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نو بلاواسطہ شاگردانِ گرامی

(۱) حضرت عنترہ (۲) حضرت عطاء بن رباح (۳) حضرت مجاھد بن جبیر (۴) حضرت سعید بن جبیر (۵) حضرت عمرو بن دینار (۶) حضرت مالک بن حارث (۷) حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیر (۸) حضرت عکرمہ ابو عبداللہ بربری (۹) حضرت عامر بن شراحیل شعبی۔ اور دو بالواسطہ (۱۰) حضرت معاویہ بن ابی عیاش انصاری۔ اور (۱۱) حضرت علی بن طلحہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ عمزادہ رسول اللہ ﷺ راس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔

○ نیز سیدنا ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا شاگردوں کے علاوہ (۱۲) حضرت طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمٰن فارسی یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی تھا، جیسا کہ قبل ازیں حضرت حسین بن علی کرابیسیؒ کی کتاب "ادب القضاء" کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حضرت طاؤس نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤس ابو محمد یمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنے کی نسبت میری طرف کی جائے تو راوی کی تکذیب کرنا۔

○ نیز حضرت عطاء بن ابی رباح سے ابن جریج نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے یہ سنا ہے کہ "بکر" کو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ تو حضرت عطاء نے نفی میں جواب دیا۔ پھر ابن جریج نے فرمایا کہ حضرت عطاء دوسروں کی نسبت ابن عباسؓ کو زیادہ جانتے ہیں۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۱۷۱)

## طاؤس کی روایت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایات متواترہ کے برعکس سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت طاؤس بن کیسان ابوعبدالرحمٰن الفارسی ثم الیمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ایک روایت صحیح مسلم ص ۴۷۷ میں ہے۔

کان الطلاق علی عہد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہما طلاق الثلاث واحدۃ۔ یعنی سیدنا عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شروع کے دو یا تین سال تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔

○ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دس شاگردوں اور خود حضرت طاؤس رح کے اپنے مسلک کے بظاہر خلاف حضرت طاؤس رح ہی سے مروی اس روایت میں مطلق تین طلاقوں کا ذکر ہے کہ ان ادوار میں تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔

○ لیکن تین طلاقوں کو ایک طلاق کون سمجھتا تھا، اس روایت میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں، اور نہ ہی اس بات کی کوئی وضاحت ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا یا ایک مجلس کی الگ الگ تین طلاقوں کو بھی ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس روایت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ تین طہروں میں ایک ایک کر کے یہ صحیح شرعی طریقے سے دی ہوئی تین طلاقوں کو بھی ایک طلاق ہی سمجھا جاتا ہوگا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔

## روایتِ طاؤس کا اصل مطلب

حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دراصل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سُنی تھی کہ دورِ جاہلیت میں لوگ بار بار طلاق دے کر رجوع کر لیا کرتے تھے، اور پھر یہی جاہلی طریقہ مسلمانوں کے یہاں بھی جاری رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی طریقہ کو منسوخ کر کے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (۲۲۹:۲)

کا حکم نازل فرمایا۔ جس میں مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ طلاق دینے کے بعد صرف دو مرتبہ رجوع کیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص تیسری بار بھی طلاق دے ڈالے گا تو اب اسے رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ اور وہ عورت طلاق دینے والے پر حرام ہو جاتی ہے اور جب تک وہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کر کے ہمبستری نہ کر لے اس وقت تک وہ عورت طلاق دینے والے مرد کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم محض اس لیے دیا تھا کہ لوگ طلاق دینے کے عمل کو بار بار نہ دُھرائیں،

○ اور اگر کوئی شخص طلاق دینا بہت زیادہ ضروری سمجھے تو صرف ایک مرتبہ طلاق دے۔ پھر اگر صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔

○ اور اگر کوئی شخص دوبارہ طلاق دے بیٹھے تو پھر بھی رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن یہ طلاق دینا اور رجوع کر لینا کوئی کھیل تماشا نہیں، اگر کوئی شخص تیسری بار پھر طلاق دے گا تو اسے رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔

○ اب رہا یہ کہ اگر کوئی شخص ایک ساتھ اکٹھی ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں تینوں طلاقیں دے ڈالے تو پھر بھی وہ عورت اس مرد پہ حرام ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ تو اس سلسلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلوں اور فتووں کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی ایک ساتھ تینوں طلاقیں دے ڈالے تو پھر بھی وہ عورت اس مرد پہ حرام ہو جاتی ہے۔

○ لیکن یہ حکم الٰہی تمام صحابہ کرام اور دُوسرے مسلمانوں تک کما حقہٗ پہنچ نہ سکا، کیونکہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام سب کے سب اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ کے دائرے میں داخل ہونے کے باوجود تمام شرعی احکام کے عالم نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام ایک دُوسرے سے دینی مسائل پوچھتے رہتے تھے۔

○ ایسے صحابۂ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے جنھوں نے صحبتِ نبویؐ کا شرف تو ضرور حاصل کیا ہے لیکن براہِ راست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے شرعی احکام سیکھنے کا انھیں موقع نہیں مل سکا۔ جبکہ صحابۂ کرام میں سے ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جنھوں نے صحبتِ نبویؐ میں رہ کر قرآنی تعلیم حاصل کی۔ تاہم بہت سے مسائل ایسے بھی تھے جو کسی کو معلوم ہوتے اور کسی سے مخفی رہے۔ اور جب کسی کو ایسے مسائل سے سابقہ پڑتا تو وہ ایسے صحابۂ کرام سے اس کا شرعی حکم دریافت فرمالیا کرتے تھے جنھیں ہمیشہ صحبتِ نبویؐ میں حاضر باش رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔

○ اور یہ زیرِ بحث مسئلہ بھی انھی مسائل میں شامل ہے جو تمام صحابۂ کرام نہیں جانتے تھے، اور بہت سے مسلمانوں پر یہ مسئلہ مخفی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبویؐ میں بعض صحابۂ کرام طلاق دینے میں عجلت سے کام لیتے رہے۔ مثلاً:

○ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا منع ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں ہی طلاق دے دی، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجوع کرنے کا حکم دیا۔

○ سیدنا حفص بن عمرو بن المغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنتِ قیسؓ کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں' حالانکہ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو نافذ فرمایا۔

○ سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد اکٹھی تین طلاقیں دیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین ہی قرار دیا۔

○ سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بتہ طلاق کو بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کے قائم مقام قرار دیا۔ اور فرمایا کہ یہ عورت رفاعہ کے لیے حلال نہیں رہی' جب تک کہ دوسرا مرد اس سے لطف اندوز نہ ہولے۔

- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت و امامت میں جب خلافِ شریع بدعی طلاق دینے کے واقعات کثرت سے سامنے آنے لگے، اور لوگوں نے حضرت امیر المومنینؓ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور ان پر یہ بات بتلائی گئی کہ طلاق کے بارے میں لوگ ابھی تک جاہلانہ طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں، ایک وقت میں اکٹھی تین طلاقیں تو کیا' بعض تو سو طلاقیں بلکہ ہزار' اور اس سے بھی زیادہ ستاروں کی تعداد میں طلاقیں دیکر بھی کہتے ہیں کہ یہ قابلِ رجوع ایک رجعی طلاق ہے، کیونکہ عام طور پر متعدد طلاقیں دے کر رجوع کر لینے والوں کا موقف یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تو ایک ہی کلمہ میں بیک زبان طلاقیں دی ہیں' اس لیے ان طلاقوں کو ایک طلاق ہی تصور کرتے ہوئے رجوع کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ:
- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے بڑے بڑے اور جلیل القدر فقیہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور سب کے سامنے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے شرعی حکم کی تشریح کرتے ہوئے اس مسئلہ کی وضاحت فرمادی۔
- حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بیٹے کے سامنے دراصل اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک "طلاق دینے کا شرعی طریقہ" معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی سمجھا جاتا تھا، تب امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر فقیہ صحابۂ کرامؓ کو جمع کرکے ان سے فرمایا کہ لوگوں نے شرعی حکم معلوم کیے بغیر طلاق دینے کا غلط طریقہ جاری کر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف جلد بازی سے کام لیتے ہوئے ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی

طہر میں اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے گا، یا حیض کی حالت میں طلاق دے گا یا ایسے طہر میں طلاق دے گا جس میں جماع کر چکا ہو، یا حاملہ کو طلاق دے گا تو ہم بھی اس پر حکمِ الٰہی کے مطابق وہی حکم جاری کریں گے۔ یعنی اس نے جس حالت میں اور جتنی طلاقیں دی ہیں وہ سب اس پر نافذ کریں گے۔ تو اس حکمِ عام کو سُن کر تمام موجود صحابۂ کرامؓ نے اس کی تائید فرمائی۔

○ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت کا اصل مطلب یہی ہے۔ اور انھوں نے در اصل یہی واقعہ بیان فرمایا ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے کس طرح اور کن حالات میں قرآن مجید کے حکمِ الٰہی کے نفاذ کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر فقیہ صحابۂ کرام کی مجلس میں اعلان کیا کہ عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور خود میرے عہدِ خلافت میں اب تک جو لوگ قرآن مجید کے اس حکمِ الٰہی سے ناواقفیت کی وجہ سے تین طلاقوں کو بھی ایک طلاق کی طرح قابلِ رجوع سمجھتے ہوئے ایک ہی مجلس میں اکٹھی، یا متفرق تین طلاقیں دے کر اسے ایک رجعی طلاق سمجھتے ہیں تو یہ ان کی سراسر غلطی اور لاعلمی ہے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت طاؤسؒ کی مذکورہ بالا روایت کے متعلق بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید حضرت طاؤس نے یہ فرمایا ہے کہ "ایک مجلس کی متفرق یا اکٹھی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق سمجھنا چاہیے۔"

○ اور یہ غلط فہمی خود حضرت طاؤسؒ کی زندگی میں ہی بعض لوگوں کو ہو گئی، اور جب حضرت طاؤسؒ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی تردید فرمائی اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جو لوگ یہ کہیں کہ طاؤسؒ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتا ہے، تو تم اس کی تکذیب کر دینا، کیونکہ میرا مطلب تو اس روایت سے ہرگز یہ نہیں تھا جو بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔

## روایتِ طاؤسؒ کو بخاریؒ کے نظر انداز کرنے کی وجہ

حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کو حضرت امام مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد ابو الحسین قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے مجموعۂ احادیث صحیح مسلم میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن بعض آزاد خیال لوگوں نے اس سے غلط مطلب مراد لے کر وہی کچھ کر دکھایا جس کا خطرہ حضرت طاؤسؒ نے محسوس کر کے اپنے بیٹے کو متنبہ فرمادیا تھا کہ جو شخص یہ کہے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیتا تھا تو اس کی تکذیب کر دینا۔ اور ممکن ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے محض اسی خطرہ کے پیشِ نظر حضرت طاؤس کی اس روایت کو نظر انداز کر دیا ہو کہ بعض جہلا اور آزاد خیال لوگ اس سے غلط مطلب لے کر تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق سمجھنا شروع کر دیں گے۔ لیکن حضرت امام بخاریؒ کا اس روایت کو نظر انداز کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

○ یہ تو تھی اس روایت کی وہ توجیہ جو ہمارے نزدیک انسب و اصح ہے۔ اور اب دیگر علماء کی توجیہات بھی آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ:

### توجیہ ۱: اس حدیث میں غیر مدخول بہا کا حکم ہے

حضرت محدث امام احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ در اصل حضرت طاؤسؒ کی روایت میں جن تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دینے کی بات کی گئی ہے وہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ کر کے طلاقیں دینے کے متعلق ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو رخصتی سے پہلے ہی اَنْتِ طَالِقٌ۔ اَنْتِ طَالِقٌ۔ اَنْتِ طَالِقٌ یا اُردو میں کہے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔ تو اس طرح پہلی ایک طلاق تو واقع ہو گی، لیکن بعد والی دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی، کیونکہ غیر مدخول بہا تو صرف ایک طلاق سے ہی بائن ہو جاتی ہے، اور اس کی عدت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ ایک طلاق سے ہی اجنبیہ ہو جاتی ہے، اور کسی اجنبیہ پر طلاق کا کوئی اثر

نہیں ہوتا، خواہ وہ گنتی کر کے سو یا ہزار طلاقیں ہی کیوں نہ دے ڈالے،

○ البتہ اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی یکدم اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یا اُردو میں یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ تو اس صُورت میں ایک رجعی طلاق نہیں بلکہ ایک دم تینوں طلاقیں ہی واقع ہوجاتی ہیں۔ اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام نسائی نے سنن نسائی ج ۲ ص ۱۰۰ میں باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة۔ یعنی اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے الگ الگ کر کے تین طلاقیں دینے سے متعلق ایک مستقل باب قائم کر کے حضرت طاؤس کی روایت نقل فرمائی ہے: عن ابن طاؤس عن ابیہ ان ابا الصھباء جاء الی ابن عباس فقال: یا ابن عباس! الم تعلم ان الثلاث کانت علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وصدرا من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ ترد الی الواحدۃ؟ قال: نعم! یعنی حضرت عبداللہ بن طاؤس ابو محمد یمانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمٰن فارسی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حضرت ابو الصھباءؒ تشریف لائے، اور عرض کیا کہ: اے ابن عباس! کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں تین طلاقوں کو ایک کی طرف لوٹایا جاتا تھا؟ تو اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: جی ہاں، اِسی طرح ہُوا کرتا تھا۔

○ حضرت امام نسائیؒ اس ترجمۃ الباب کے تحت یہ حدیث بیان فرما کر دراصل بتانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث میں الثلاث سے مراد وہ تین طلاقیں ہیں جو غیر مدخول بہا منکوحہ کو الگ الگ کر کے دی جائیں۔ مثلاً:

- کوئی شخص رخصتی سے پہلے ہی اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو کہے کہ "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔"
- تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ پہلی بار طلاق کا لفظ کہتے ہی نکاح ختم ہوگیا اور وہ عورت اجنبیہ ہوگئی، جس کی عدت بھی نہیں ہے۔
- اور عدت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جونہی طلاق دینے والے نے اپنے منہ سے "تجھے طلاق ہے" کا لفظ نکالا تو اسی وقت وہ عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ اور طلاق دینے والے مرد کو اس عورت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہتا، وہ اس کے لیے اجنبی ہوگئی۔ اس لیے اب دوسری اور تیسری طلاق بھی اگر دے ڈالے تو اس اجنبیہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس لیے غیر مدخول بہا کو دی ہوئی متفرق اور الگ الگ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا ہے۔
- یاد رہے کہ صحیح مسلم ص ۴۷۸ پر اسی روایت میں ترد الی الواحدۃ کی جگہ تجعل واحدۃ کے الفاظ آئے ہیں، اور مطلب دونوں کا ایک ہے۔
- حضرت امام نسائیؒ کی یہ توجیہ حضرت شعبیؒ کی سیدنا ابن عباسؓ سے مروی اس روایت کے موافق ہے جس میں آتا ہے کہ "دخول سے پہلے اپنی منکوحہ کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینے والے شخص کے بارے میں سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ اس کے ہاتھ میں طلاقوں کی ایک گٹھری تھی جو اس شخص نے ایک دم کھول دی تھی۔ اور جب الگ الگ کرکے طلاقیں دی جاتیں تو اس طرح نہ ہوتا۔
- حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ الگ الگ کرکے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ . اَنْتِ طَالِقٌ . اَنْتِ طَالِقٌ . یا اردو میں تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے کے الفاظ تین بار کہے۔ اور اس صورت میں پہلی بار اَنْتِ طَالِقٌ یا تجھے طلاق ہے کا لفظ کہنے سے ایک طلاق واقع

ہو کر عورت جُدا ہو جائے گی اور بعد والی دو طلاقیں کوئی چیز نہیں۔ نیز:

○ حضرت امام شافعیؒ نے کتاب اختلاف العراقیین میں تحریر فرمایا ہے کہ جو آدمی غیر مدخول بہا کو اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ کہے تو پہلی طلاق واقع ہوگی اور باقی دو واقع نہ ہوں گی۔ (بیہقی ج ۷، ص ۳۵۵)

## توجیہ ۲: یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی دیگر روایات کے خلاف ہے

حضرت حافظ ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالی نے حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہے جن میں امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ کا باہم اختلاف ہے۔ یعنی مسلمؒ نے اخراج کیا اور بخاریؒ نے اسے خارج کر دیا۔

○ اس کے بعد حضرت امام بیہقیؒ نے تحریر فرمایا: "میرا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت طاؤسؒ سے مروی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت محض اس لیے چھوڑ دی ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی دوسری تمام روایات کے مخالف ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۷)

## توجیہ ۳: حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت شاذ ہے

زیر بحث یہ روایت کہ عہد نبویؐ، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں ابتدائی دو تین سال تک تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا، حضرت طاؤسؒ کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے باقی شاگردان گرامی میں سے کوئی ایک بھی بیان نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس سیدنا ابن عباسؓ کے آٹھ، بلکہ دس شاگردوں کی روایات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بھی دیگر جلیل القدر فقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح الگ الگ یا اکٹھی ایک ہی جملے میں دی ہوئی تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔ تو اس وجہ سے حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت اُصول حدیث کی رُو سے "شاذ" ہوگی، کیونکہ حضرت طاؤسؒ رحمۃ اللہ تعالی ثقہ ہیں۔ جبکہ

**شاذ کی تعریف** یہ ہے کہ "کوئی ثقہ راوی ضبط و حفظ میں اپنے سے بڑے ثقہ راوی کے مخالف روایت بیان کرے"۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "اصطلاحاً "شاذ" کی معتمد علیہ تعریف یہی ہے۔ (نخبۃ الفکر ص۳۷) نیز

**قانون** ہے کہ "جب کوئی ثقہ راوی ان راویوں کے مخالف روایت بیان کرے جو حفظ میں، ضبط میں، تعداد میں یا اور کسی بات میں اس سے اولیٰ ہوں، تو ایسے ثقہ راوی کی روایت کو "شاذ" کہتے ہیں۔ جبکہ "شاذ" کے خلاف دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کو "محفوظ" کہا جاتا ہے۔ (نخبۃ الفکر ص ۳۹ و ۴۰) نیز

**قانون** ہے کہ: "محفوظ" روایت "راجح" اور "شاذ" روایت "مرجوح" ہوتی ہے۔ یعنی اگر شاذ روایت کے خلاف محفوظ روایت موجود ہو تو شاذ کو چھوڑ کر محفوظ روایت پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ:

**قانون** ہے کہ "شاذ میں خطا کا احتمال ہے، جبکہ محفوظ روایت میں غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ خطا سے محفوظ ہوگی۔ (نخبۃ الفکر مع حاشیہ ص ۳۹)

- اب چونکہ حضرت طاؤسؒ ثقہ راوی ہیں، اور ان کی زیر بحث یہ روایت بظاہر ان متعدد روایات کے مخالف ہے جو حضرت طاؤسؒ کی نسبت حفظ و ضبط اور تعداد وغیرہ میں اولیٰ ہیں، اس لیے حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کو کئی علماء نے شاذ بتلا کر ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔ مثلاً:
- حضرت حافظ جوزجانیؒ نے فرمایا کہ: حضرت طاؤسؒ کی یہ حدیث "شاذ" ہے۔
- نیز آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ: میں مدت دراز تک اس حدیث کی اصل تلاش کرنے میں سرگرداں رہا، لیکن مجھے اس کی اصل کہیں نہیں ملی۔ لہذا حضرت طاؤسؒ سے مروی یہ حدیث ناقابلِ استدلال ہے۔ (اعلاء السنن ۱۱/۲۹۲)
- حضرت حافظ ابن عبدالبر مکیؒ نے فرمایا کہ: حضرت طاؤسؒ نے اس حدیث میں دوسرے تمام راویوں سے شذوذ اختیار فرمایا ہے اور کوئی ایک راوی بھی اس کے متابع نہیں، بلکہ سب کے سب اس کے خلاف روایت کرتے ہیں

- حضرت علامہ ابنِ رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ تمام علماء کرام حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کا انکار کرتے ہیں، جس میں وہ متفرد ہیں؛ اور یہ روایت حضرت طاؤسؒ کے شاذ اقوال میں سے ہے۔
- حضرت ایوب سختیانیؒ حضرت طاؤسؒ کی کثرتِ خطأ پر تعجب فرمایا کرتے تھے۔ (احکام القرآن جصاص)
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ابنِ منصور کی روایت میں فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ کے تمام شاگردوں کی روایت حضرت طاؤسؒ کے خلاف ہے۔
- حضرت محدث ابن عبد الہادیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔
- حضرت محدث ابن ترکمانیؒ نے فرمایا کہ حضرت طاؤسؒ جو فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت ابو الصہباء مولیٰ ابنِ عباسؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ سے دریافت فرمائی تھی، تو حضرت ابن عباسؓ سے ان کا یہ روایت نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرے تمام ثقہ راوی اس کے خلاف روایت نقل کرتے ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بھی ہو تو حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ بات ان بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ پر حجت نہیں ہو سکتی جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ بڑے عالم ہیں، مثلاً: ○ امیر المومنین سیدنا امام عمرؓ، ○ امیر المومنین سیدنا امام عثمانؓ، ○ امیر المومنین سیدنا امام علیؓ، ○ سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، ○ سیدنا ابن مسعودؓ؛ اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## توجیہ ۴: حضرت طاؤسؒ کی روایت منکر ہے

اگر کوئی غیر ثقہ یا ضعیف راوی کسی ثقہ راوی کے خلاف روایت بیان کرے تو اسے محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں "منکر" کہا جاتا ہے، جو مردود ہے، اور ایسی منکر و مردود روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں؛ خصوصاً جب معاملہ حلال و حرام کا ہو تو منکر روایت پر عمل کرنا حرام ہے۔

- اور منکر روایت کے مقابلے میں ثقہ راوی کی روایت کو محدثین کی اصطلاح میں معروف کہا جاتا ہے۔ اور معروف روایت قابل استدلال ہوتی ہے۔
- اب چونکہ حضرت طاؤسؒ پختہ اور ثقہ راوی ہیں، اور ان کی زیر بحث روایت جس میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھے جانے کی بات بتلائی گئی ہے تو جن علماء کے نزدیک یہ بات خلاف واقعہ ہے اور وہ اس روایت کو ان سے بڑے راویوں کی روایات کے خلاف سمجھتے ہیں تو وہ بھی حضرت طاؤس کی اس روایت کو زیادہ سے زیادہ شاذ ہی کہہ سکتے ہیں، لیکن منکر کہنا مناسب نہیں۔ جبکہ یہ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔
- اور جو علماء "شاذ" پر "منکر" کا اطلاق کرکے شاذ اور منکر دونوں کو برابر اور مساوی قرار دیتے ہیں تو وہ محدثین کی اصطلاحات سے غافل ہیں، جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نخبۃ الفکر شرح میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔
- بایں ہمہ کئی علماء کرام حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ کی زیر بحث اس روایت کو منکر روایات میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً:
- حضرت قاضی اسماعیلؒ نے احکام القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت طاؤسؒ صاحب فضل وصلاح ہونے کے باوجود منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں اور انہی منکرات میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ (اعلاء السنن ص ۶۹۵ ج ۱۱)
- حضرت علامہ کرابیسیؒ نے ادب القضاء میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت طاؤسؒ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے بہت سی منکر روایات بیان فرماتے ہیں۔
- نیز آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارا خیال ہے کہ واللہ اعلم حضرت طاؤسؒ نے یہ منکرات شاید حضرت عکرمہؒ سے لی ہیں، کیونکہ سعید بن المسیبؒ، عطاءؒ اور ایک جماعت ان سے کتراتی تھی اور حضرت عکرمہؒ حضرت طاؤسؒ کے پاس آتے تھے۔ عموماً ابن عباسؓ کی روایات طاؤسؒ نے عکرمہؒ سے لی ہیں۔ (غایۃ السعایہ ص ۳۶۲)

## توجیہ ۵: طاؤسؒ مدلّس ہیں اور عنؔ سے روایت کرتے ہیں

حضرت محدّث حسین بن علی کرابیسیؒ نے حضرت طاؤس بن کیسان فارسیؒ کو مدلّسین میں شمار کیا ہے۔ اور اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ:

○ حضرت طاؤسؒ نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بے شک بہت کثیر علم حاصل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت طاؤس بن کیسانؒ سیّدنا ابن عباسؓ سے کئی روایتیں مرسلاً بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔ نیز:

○ حضرت طاؤسؒ نے کئی احادیث اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت فرمائی ہیں۔ مگر مشہور محدّث و نقاد حضرت یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ: میں نہیں سمجھتا کہ انھوں نے اُمّ المومنین سے کچھ سُنا ہو۔ نیز:

○ حضرت محدّث سُلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ حضرت طاؤسؒ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ سُنا ہو۔" (دیکھیے: طبقات المدلسین لابن حجر عسقلانیؒ ص ۵)

○ اب چونکہ حضرت طاؤس بن کیسان ابوعبدالرحمٰن فارسی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ ثقہ اور پختہ ہونے کے باوجود مدلّس ہیں اور عن کا لفظ بول کر روایت کرتے ہیں، اور زیرِ بحث روایت بھی انھوں نے عن کے ساتھ ہی بیان کی ہے۔ اس لیے ان کی یہ روایت غیر معتبر سمجھی جائے گی، کیونکہ اصولِ حدیث کا قانون ہے کہ اگر کوئی مدلّس "عن" کے ساتھ روایتِ حدیث کرے تو وہ معتبر نہ ہوگی، جب تک کہ وہ اپنی روایت میں حدثنا یا حدثنی کا لفظ نہ کہے۔

○ اور چونکہ زیرِ بحث روایت بھی انھوں نے عن کے ساتھ بیان فرمائی ہے اس لیے اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ ہی یہ قابلِ استدلال ہے۔

## توجیہ ۶: اس روایت میں حضرت طاؤسؒ کو وہم ہُوا

حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ حضرت طاؤسؒ کی روایت غلط اور ان کا وہم ہے۔ اور کسی نے اسے قبول نہیں کیا۔

## توجیہ: حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت مضطرب ہے

حضرت طاؤس سے مروی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت سنداً و متناً ہر دو لحاظ سے مضطرب اور ناقابلِ استدلال ہے۔ کیونکہ:

❶ کہیں تو آتا ہے: طاؤس عن ابن عباس (مسلم ص ۴۷۷ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)
○ کہیں آتا ہے: طاؤس ان ابا الصہباء عن ابن عباس (مسلم ص ۴۷۸)
○ کہیں آتا ہے: عن ابی الجوزاء عن ابن عباس (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)
❷ اسی طرح ایک روایت میں ہے: سنتین من خلافۃ عمر (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)
○ جبکہ ایک روایت میں آتا ہے: ثلاثا من خلافۃ عمر (نووی بر مسلم ص ۴۷۸)
❸ اسی طرح ایک روایت میں ہے: امضاہ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)
○ جبکہ دوسری جگہ امضاہ کی بجائے اجازہ آتا ہے۔ (مسلم ص ۴۷۸)
❹ اسی طرح ایک روایت میں تو جملہ خبریہ ہے: طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم ص ۴۷۸)
○ جبکہ ایک جگہ استفہام اقراری کے طور پر جملہ استفہامیہ انشائیہ ہے (مسلم ص ۴۷۸)
○ اور ایک جگہ حضرت ابن عباسؓ کو ابو الصہباء استفہام انکاری کے طرز میں اطلاع دے رہے ہیں، جس کی تصدیق حضرت ابن عباسؓ نے فرمائی
○ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ان دونوں کے درمیان کچھ اور گفتگو ہو رہی ہوگی، جس پر ابو الصہباء نے بطور الزام کے کہا: الم تعلم...
❺ اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے: ھات ھناتک (مسلم ص ۴۷۸)
○ جبکہ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ موجود ہی نہیں (مسلم ص ۴۷۸)
❻ اسی طرح ایک جگہ تو آتا ہے: الم یکن طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم ص ۴۷۸)
○ جبکہ دوسری جگہ ہے: اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۹، مسلم ص ۴۷۸)
○ کسی میں آتا ہے: الم تعلم ان الطلاق الثلاث کان علی عہد رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و صدراً من خلافۃ عمر واحدۃ (ابو داؤد ص ۲۹۹)
○ کسی میں آتا ہے: اما علمت الرجل کان اذا طلق امرأتہ ثلاثا

قبل ان یدخل بہا جعلوھا واحدۃ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۶) اور بھی روایت میں آتا ہے: یردون الی واحدۃ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)

○ جبکہ یردون الی واحدۃ والی روایت کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے،

○ جس کے بارے میں نقاد محدثین کی آراء سطور ذیل میں درج کی جاتی ہیں، جس کا نام عبداللہ بن مؤمّل بن وہب مخزومی مکی (متوفی ۱۶۰ھ) ہے۔

## عبداللہ بن مؤمّل

○ حضرت امام ابوعبداللہ حاکم فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مؤمل سیئ الحفظ ہے۔

○ حضرت امام علی بن جنید فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث کے مشابہ ہے۔

○ حضرت امام ابوزرعہ اور حضرت امام ابوحاتم کے نزدیک یہ قوی نہیں۔

○ حضرت امام نسائی، امام دارقطنی اور ابن معین کے نزدیک ابن مؤمل ضعیف ہے۔

○ حضرت امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن مومل کی حدیث پر ضعف ظاہر ہے۔

○ حضرت امام ابوداؤد سجستانی کے نزدیک عبداللہ بن مؤمل متروک الحدیث ہے۔

○ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مؤمل کی احادیث منکر ہیں۔

○ اس لیے زیر بحث یہ حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال قرار دی جاتی ہے۔

**خلاصہ** یہ کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جب بھی کسی نے بدعی طریقے سے ایک ہی مجلس میں اکٹھی یا متفرق تین طلاقیں دیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اور ان کی وفات کے بعد صحابۂ کرامؓ میں سے کسی نے اسے ایک رجعی طلاق قرار نہیں دیا البتہ

○ حضرت طاؤس سے مروی سیدنا ابن عباسؓ کی زیر بحث روایت سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تین طلاقوں پر ایک کا اطلاق کیا جاتا تھا، لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ: ① اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ اس دور میں نادانی اور جہالت کی وجہ سے جہلا تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا کرتے تھے، ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو ان میں سے صرف پہلی ایک طلاق واقع ہوگی۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔

**فائدہ:** کتاب الوثائق میں ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث الطلیطلی (م ۴۵۹ھ) نے حضرت محدث محمد بن وضاح بن بزیع ابو عبداللہ مروانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیرالمومنین سیدنا امام علی، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبدالرحمن بن عوف اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تھے۔ حالانکہ ان کی یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ:

○ امیرالمومنین سیدنا امام علی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے فتوے قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ یہ حضرات تین تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی قرار دیتے تھے۔

○ اسی طرح مبشر بالجنۃ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کی طرف بھی اس بات کی نسبت غلط ہے کہ وہ تین کو ایک سمجھتے تھے۔ کیونکہ گزشتہ اوراق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب سیدنا ابن زبیرؓ سے غیر مدخول بہا کو دی گئی ایک مجلس کی تین طلاقوں کے بارے میں شرعی حکم پوچھا گیا تو انھوں نے سائل کو سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ سے اس بارے میں فتویٰ لینے کا مشورہ دیا۔ اور جب سائل نے ان دونوں سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو ان دونوں نے تینوں طلاقوں کے نافذ ہونے کا فتویٰ دیا، لیکن سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے اس فتویٰ سے اختلاف نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ تین طلاقیں اگر ایک مجلس میں دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

○ اور اگر سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تو حضرت ابن زبیرؓ سب سے پہلے سائل کو اپنے والد کا قول بتلاتے کہ ہمارے والد حضرت زبیرؓ کا مسلک تو یہ تھا کہ ایک ساتھ دی ہوئی اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق ہی ہوتی ہیں۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

- اسی طرح یہ کہنا بھی سراسر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے کہ بقول مُبشر بالجنۃ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تھے' اور کتب احادیث و آثار میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کبھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وسیع ذخیرۂ احادیث میں کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ تقریباً سوا لاکھ صحابۂ کرامؓ میں سے کسی ایک صحابیؓ نے بھی کبھی مغالطے سے بھی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیا ہو' اور وہ روایت صحیح سند کے ساتھ کہیں موجود ہو۔
- البتہ محمد بن وضاح کی طرف منسوب ابوجعفر طلیطلی کا یہ زیر بحث قول بعض آزاد خیال علماء کے ہاتھ آگیا ہے، اور وہ اس کو تین طلاقوں کے ایک ہونے پر بطورِ دلیل پیش کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ طلیطلی نے اس موضوع اور من گھڑت روایت میں تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے کی نسبت جتنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کی ہے وہ صریح غلط' بے بنیاد اور بے سند بات ہے۔ کیونکہ:
- ابن مغیث ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث طلیطلی (متوفی ۴۵۹ھ) ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو علماء کی عبارات نقل کرنے میں امانت و دیانت سے کام لینے میں مشہور و معروف اور نیک نام ہوں اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہے جو دین کی سمجھ' تفقہ اور فہم میں جید ہوں۔
- نیز اس ابن مغیث ابوجعفر طلیطلی نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے سے متعلق ان روایات کو محمد بن وضاح اندلسی کی طرف منسوب کیا ہے' اور سند کا ذکر تک نہیں کیا۔ جبکہ ابن مغیث اور محمد بن وضاح کے درمیان ایک زمانۂ دراز حائل ہے، اور ان دونوں کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں' اور نہ ہی ان کی ملاقات ممکن ہے۔ کیونکہ:

## مُحمد بن وضاح بن بزیع ابوعبداللہ مروانی

حضرت محدث محمد بن وضاح بن بزیع علم حدیث میں حضرت امام ابوبکر بن ابی شیبہ صاحبُ المصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد، اور مغرب میں پہلے اموی خلیفہ حضرت عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک ابوالمطرب اموی قرشی صاحبُ الاندلس کے غلام تھے۔ حضرت یحییٰ بن معین جیسے نقاد محدث کی شاگردی کا شرف بھی انھیں حاصل ہے۔

○ حضرت محمد بن وضاح بڑے عابد و زاہد اور پاکدامن تھے اور ان سے اہل اندلس کو بڑا نفع پہنچا۔ لیکن آپ بہت سخت مزاج تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے بہت سی صحیح احادیث نبویہ کو رد کر دیا تھا۔ اور آپ سے بہت سی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، اور بہت سی احادیث میں تصحیف اور رد و بدل کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت محمد بن وضاح کو عربیت اور فقہ کی کچھ واقفیت نہیں تھی۔

○ حضرت ابن وضاح ۱۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۲۸۷ھ میں ہوئی۔ جبکہ:

## ابوجعفر احمد بن مُحمد بن مغیث طُلَیطُلی

ابن مغیث طلیطلی پانچویں صدی میں ہوا ہے، اس کی وفات ۴۵۹ھ میں ہوئی، اور اہلِ علم کے نزدیک یہ شخص نہ نقل میں مامون ہے، اور نہ جُودۃ فہم میں معروف ہے، اور یہی وہ شخص ہے جس نے ان روایات کو محمد بن وضاح کی طرف بغیر کسی سند کے منسوب کرکے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان ملاقات بھی ناممکن اور زمانہ کے لحاظ سے بونِ بعید ہے۔

○ حضرت ابوبکر ابن العربیؒ نے فرمایا کہ مغرب میں مُبتدع لوگوں نے فضلاءِ کرام کے منصب پر کچھ اس طرح قبضہ جمالیا کہ جاہل عوام نے بھی ان نام نہاد علماء کو اپنا پیشوا اور سردار مان لیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ:

- وہ عالم نما لوگ بغیر علم کے لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے، اور جیسا کہ وہ خود گمراہ تھے، دُوسروں کو بھی گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا کرتے تھے۔
- اور پھر لوگوں نے ان نام نہاد علماء کے انہی جاہلانہ فتووں کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فلاں مفتی اعظم طلیطلی نے یوں کہا ہے، اور فلاں مجریطی نے یہ مسئلہ اس طرح بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ:
- ابن مغیث طلیطلی نے تو فقہ اور فہم کی بُو تک نہیں سُونگھی، اور یہ شخص جہالت میں ضرب المثل ہے۔ اور ملک مغرب میں اندلس کے باشندے ناقدین علماء کے درمیان یہ شخص علمی مقام سے گرا ہُوا ہے۔ کیونکہ یہ شخص ہمیشہ کوئی اُلٹا کام ہی کرتا ہے اور اُلٹے پاؤں چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوئی فریاد نہ سُنے اور اس کی خواہشاتِ بد کو کبھی پُورا نہ کرے۔
- تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق ابن مغیث طلیطلی کا یہ قول مالکی مسلک کے اکابرین میں سے ایک عالم کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے زندگی بھر ایک مُرغی بھی ذبح نہیں کی، لیکن ابن مغیث طلیطلی کے ذبح کرنے کو میں بالکل جائز قرار دیتا ہوں جس نے اس اہم ترین مسئلہ میں جمہور علماء وسلف کی مخالفت کی ہے۔ [illegible]
- بہرحال یہ طلیطلی ایک جاہل اور نام نہاد عالم اور جعلی مفتی مُسلمانوں کو غلط مسئلے بتا کر انھیں بے راہ روی میں مُبتلا کرنے میں مشہور ہے، اور اس نے محمد بن وضاح کے زہد وتقویٰ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہُوئے من گھڑت روایات بغیر کسی سند کے نقل کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، تاکہ عوام کالانعام یہ سمجھیں کہ تین طلاقوں کا یہ مسئلہ صحابۂ کرامؓ کے عہد میں بھی مختلف فیہ تھا حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا۔
- اور پھر سند کا ذکر نہ کرنا طلیطلی کی چالاکی ہے، اگر وہ اس کی سند بیان کرتا تو لوگ راویوں کے حالات کو دیکھ کر اس روایت کی صحت وسقم معلوم کر لیتے۔

---

شہ اعلام السنن ص ۲۰۶

## طلیطلی کی جہالت

ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث طلیطلی کی جہالت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کے لفظ کو بے معنی قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بے معنی لفظ ہے، کیونکہ اس میں خبر دی گئی ہے کہ تو تین طلاقوں والی ہے، حالانکہ اس سے پہلے اس نے اس عورت کو کوئی ایک طلاق بھی نہیں دی ہوتی، لہٰذا یہ جھوٹی خبر دینے سے طلاق نہیں پڑے گی۔"

○ ابن مغیث ابوجعفر طلیطلی نے اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کے لفظ کو جملہ خبریہ بنا کر اسے جھوٹ اور بے معنی بات قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلیطلی نے فقہ اور فہم کی بو تک نہیں سونگھی، کیونکہ انت طالق ثلاثا جملہ خبریہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ ہے۔ کیونکہ شریعت نے اسے "اِنشاء" بنایا ہے۔ جیسا کہ دیگر تمام "عقود" عبارت میں تو جملہ خبریہ ہوتے ہیں، مگر شریعت ان کو "انشاء" بناتی ہے۔ جیسا کہ:

○ بیچنے والا کہتا ہے: بِعْتُ کہ میں نے یہ چیز بیچا ہے اور خریدنے والا کہتا ہے اِشْتَرَیْتُ کہ میں نے یہ چیز خریدی ہے۔ جبکہ بِعْتُ اور اِشْتَرَیْتُ یہ دونوں ماضی کے صیغے ہیں، جسے دیکھ کر طلیطلی جیسے عقل کے اندھے کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ بِعْتُ اور اِشْتَرَیْتُ میں بھی ماضی کی خبر ہے، اس لیے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو بے معنی اور مجہول ہے۔ کیونکہ اس بات سے پہلے نہ بائع نے یہ چیز بیچی ہوتی ہے اور نہ ہی مشتری نے خریدی ہوتی ہے لیکن شرعی لحاظ سے بیچنے اور خریدنے کے لیے یہی الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اور بعث و اشتریت کہتے ہی سودا ہوجاتا ہے۔ یعنی جب بیچنے والا کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز بیچ دی ہے اور خریدنے والا کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز خرید لی ہے۔ اور وہ بکنے والی چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کے ملک میں آجاتی ہے۔ اور بائع کو دام دینا مشتری پر واجب ہوجاتا ہے۔

○ اسی طرح طلاق کا جملہ (انت طالق ثلاثاً) شریعت میں انشاء طلاق ہے اور یہ لفظ کہتے ہی عورت تین طلاقوں سے مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔

○ اور طلیطلی کے بقول انت طالق ثلاثاً کہنا جھوٹ ہے۔ اس لیے وہ عورت مرد پر حرام نہیں ہوتی۔ لیکن اس لفظ کو جھوٹ کہنے کے باوجود یہ جھوٹا اور جاہل شخص کہتا ہے کہ اس طرح کہنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے حالانکہ اگر یہ کہنا جھوٹ ہے تو ایک طلاق بھی واقع نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ:

○ طلاق دہندہ نے جو لفظ اپنے منہ سے نکالا ہے اور طلیطلی کے بقول وہ محض ایک جھوٹی خبر ہے، جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ جھوٹی خبر اور افواہ اڑانے والا شرعاً مستوجب سزا ہوتا ہے، تو جو لفظ سرے سے اس نے ادا ہی نہیں کیا تو وہ بطریق اولیٰ واجب الرد اور ناقابلِ التفات ہے۔

○ کیونکہ معدوم چیز پر تو شرعاً کوئی حکم صادر نہیں ہوتا۔ اس لیے اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہوئے انت طالق ثلاثاً کہنے والے کے متعلق یہ کہنا بھی بالکل غلط اور ناقابلِ التفات ہے کہ اس کے انت طالق ثلاثاً کہنے سے ایک رجعی طلاق واقع ہو گئی ہے۔ کیونکہ:

○ جس طرح یہ جھوٹی خبر دینے والے نے ماضی میں تین طلاقیں نہیں دی تھیں اسی طرح اس نے ماضی میں ایک طلاق بھی تو نہیں دی تھی۔ یعنی جو شخص اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثاً کہتا ہے، اس نے ماضی میں اگر تین طلاقیں نہیں دیں تو ایک بھی تو نہیں دی تھی۔ اس لیے اگر تین طلاقوں کی خبر دینا اس کا جھوٹ ہے تو اس پر ایک طلاق کا حکم لگانا بھی غلط ہے۔ بلکہ:

○ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر طلاق دینی بہت ہی ضروری ہو جائے تو جس طہر میں جماع نہ کیا ہو، اس میں ایک مرتبہ اپنی بیوی کو خطاب کر کے انت طالق کہنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اس بات پر اہلِ سنت اور اہلِ بدعت، سب کا اتفاق ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن:

○ **انت طالق ثلاثًا** کو جملہ خبریہ بنا کر اسے جھوٹی اور ناقابلِ اعتبار قرار دینے والے عالم نا جاھل طلیطلی اور پرلے درجے کے اجہل وزاغ اذناب طلیطلی کو یہ کون سمجھائے کہ:

○ طلاق دینے کے لیے جو لفظ عہدِ نبوی سے تا حال اپندرھویں صدی ہجری تک، برابر استعمال ہوتا چلا آرہا ہے، وہ بھی تو عبارت میں جملہ خبریہ ہی ہے، جو زمانۂ ماضی میں ایک طلاق دینے کی خبر دے رہا ہے۔ اور چونکہ بقاعدۂ طلیطلی یہ خبر بھی بڑا جھوٹ ہے تو یہ بھی ناقابلِ اعتبار ہے، کیونکہ اس طلاق دہندہ نے ماضی میں یہ طلاق نہیں دی جس کی خبر یہ شخص انت طالق کا لفظ بول کر دے رہا ہے۔ کیونکہ اس نے ماضی میں کبھی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی، لیکن اب جھوٹ موٹ کہتا ہے کہ تو طلاق والی ہے۔ حالانکہ وہ جس کو کہہ رہا ہے کہ تو طلاق والی ہے، وہ تو نکاح والی ہے۔ اور طلیطلی کے قانون میں یہ شخص نکاح والی بیوی کو کہتا ہے کہ تو تو طلاق والی ہے۔ اور اس کی یہ خبر جھوٹی ہے، اس لیے بقاعدۂ طلیطلی انت طالق کہنے سے ایک طلاق بھی واقع نہ ہونی چاہیے۔

○ اسی طرح کوئی طلاق دینے والا شخص اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہے: **طَلَّقْتُكِ**، تب بھی بقاعدۂ طلیطلی طلاق واقع نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس کا لفظی معنی یہ ہے کہ: "میں نے تجھے گزشتہ زمانے میں طلاق دی ہے۔" جبکہ اس کا یہ کہنا سراسر جھوٹ ہے، کیونکہ اس نے گزشتہ زمانے میں تو کبھی بھی طلاق نہیں دی تھی۔ اور اگر زندگی میں کبھی طلاق دی بھی تھی تو اس وقت بھی یا تو طَلَّقْتُكِ کا لفظ بولا تھا، یا انت طالق کہا تھا، جو بقول طلیطلی نرا جھوٹ تھا، اس لیے اس وقت بھی طلاق نہیں ہوئی تھی، اور اب بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر یہ بات اسی طرح ہو تو پھر کسی طرح بھی طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ!

ابن مغیث، ابو جعفر طلیطلی کے جاہلانہ و احمقانہ قانون کی رو سے تو کسی مرد و زن کا باہم نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب کوئی مرد کسی اجنبیہ کو نَكَحْتُكِ کا لفظ کہے گا تو یہ اس کا جھوٹ ہو گا۔ کیونکہ اس کا لفظی معنی یہ ہے کہ: "میں نے گزشتہ زمانے میں تجھ سے نکاح کیا"۔ حالانکہ اس مرد نے اس اجنبیہ عورت سے قبل ازیں نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اجنبیہ اس مرد کو جھوٹا قرار دیتی، لیکن اس کے بجائے وہ خود قَبِلْتُ کا لفظ ادا کرتی ہے۔ جبکہ یہ لفظ بھی بقاعدۂ طلیطلی جھوٹ ہے کیونکہ اس کا لفظی معنی یہ ہے کہ: "میں نے گزشتہ زمانے میں قبول کیا تھا" جبکہ ماضی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا کہ مرد نے نکاح کیا ہو اور عورت نے قبول کیا ہو" اور اب اس بات کی خبر دی جا رہی ہو۔ یاد رہے کہ نکاح کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی دو گواہوں کے سامنے کسی اجنبیہ عورت کو نَكَحْتُكِ کا لفظ کہے، اور وہ عورت بھی انہی دو گواہوں کے سامنے قَبِلْتُ کہہ دے تو ان دونوں کا باہم نکاح ہو جاتا ہے، جو طلاق یا ارتداد کے بغیر کبھی ٹوٹتا بھی نہیں۔ اور اس میں جو کلمات ادا کیے جاتے ہیں انہیں شرعی لحاظ سے انشائیہ کہا جاتا ہے، اور عہد نبویؐ سے تا حال مسلمانوں کے یہاں نکاح کا یہی طریقہ چلا آتا ہے۔

لیکن ملک الجہلاء والحمقاء ابن مغیث ابو جعفر طلیطلی کے خود ساختہ جاہلانہ و احمقانہ قانون کی رو سے یہ بات جھوٹ ہے، جو ان دونوں مرد و عورت نے دو گواہوں کی موجودگی میں کہی ہے، کیونکہ ماضی میں نہ کبھی اس مرد نے نکاح کیا تھا اور نہ عورت نے قبول کیا تھا۔ تو جب یہ ان دونوں کا جھوٹ ہوا تو ان دونوں کا نکاح بھی نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ طلیطلی کے خود ساختہ قانون کی رو سے یہ دونوں زندگی بھر زنا میں مبتلا رہیں گے؟ لہٰذا طلیطلی کا یہ قانون مردود ہے اور اس کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں۔

# تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک

## حضرت عامر بن شراحیل ابو عمرو شعبی ھمدانی

❶ حضرت عامر بن شراحیل ابو عمرو شعبی ہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی فتاویٰ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ جو فتاوی ابن عباسؓ میں قبل ازیں گزر چکا ہے تو حضرت شعبی کا مسلک بھی یقیناً وہی ہے۔ کیونکہ اگر حضرت شعبی کا مسلک یہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً اس کی تردید فرماتے۔ مگر ذخیرۂ احادیث میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ حضرت شعبی نے کبھی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا ہو۔

○ علاوہ ازیں بعض لوگوں نے جس طرح کئی روایات کا غلط مطلب لے کر تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے والوں کے ناموں کی نشاندہی کی ہے تو ان ناموں میں حضرت شعبی کا نام داخل کرنے کی جسارت کسی نے نہیں کی۔

○ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعبی کا مسلک یہی ہے کہ اگر مدخول بہا کو ایک طہر میں جدا جدا یا اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں، یا غیر مدخول بہا کو ایک کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تین ہی شمار ہوں گی اور وہ عورت بھی اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ قبل ازیں بیہقی شریف کے حوالے سے حضرت شعبی سے مروی سیدنا ابن عباسؓ کے فتوے میں گزر چکا ہے کہ غیر مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس ایک گٹھڑی تھی جسے اس نے ایک دم کھول دیا۔

## حضرت عطاء بن ابی رباح ابو محمد قریشی

❷ حضرت شعبی کے استاذ بھائی اور مشہور تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی جائیں اور اکٹھی نہ دی جائیں تو پہلی طلاق واقع ہو جائے گی، باقی دو واقع نہ ہوں گی۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ یہ بات سیدنا ابن عباس سے پہنچی ہے۔ (رواہ عبدالرزاق)

○ اس کا مطلب ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو رخصتی سے پہلے الگ الگ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ کہہ دیا جائے تو پہلی طلاق تو واقع ہو گی، لیکن باقی دو کسی گنتی میں نہیں آئیں گی۔ جبکہ:

○ حضرت عطا کے اُستاذ سیدنا ابن عباسؓ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یا اُردو میں "تجھے تین طلاقیں دیں" کے الفاظ بول کر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

## حضرت سعید بن ابی عروبہ ابوالنصر عدوی بصری
## حضرت سعید بن المسیّب بن حزن بن ابی وھب ابومحمد قریشی اور:
## حضرت ابراھیم بن یزید بن قیس ابوعمران نخعی

**۲** ایک شخص نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو حضرت سعید بن ابی عروبہ سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا' اس پر انھوں نے حضرت قتادۃ بن دعامہ کے واسطے سے حضرت سعید بن المسیب' اور ابو معشرؒ کے واسطے سے حضرت ابراہیم بن یزید ابوعمران نخعی کا فتویٰ بیان فرمایا کہ "اب وہ عورت عدت بیٹھے۔" (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۱۲)

○ اس سے ایک تو یہ معلوم ہُوا کہ حیض کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے

○ اور دُوسرے یہ کہ ایک ہی موقع پر دی ہُوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

○ اور اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں اکٹھی تین طلاقیں دیدے تو اسے رجوع کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ورنہ حضرت سعید بن ابی عروبہ ضرور اس کو رجوع کرنے کا حکم دیتے، جیسا کہ حیض کی حالت میں ایک طلاق دینے پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے حضرت سعید بن ابی عروبہ کا اسے رجوع کر لینے کی بجائے عورت کو عدت بٹھانے کا مطلب یہی تھا کہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، رجوع کا حق نہیں رہا اور مطلقہ عدت گزار کر فارغ ہو۔

ابو معشر کوفی ثقہ ہیں الخ ... نجیح حنظلی

## حضرت ابراھیم بن یزید بن قیس ابو عمران نخعی

❹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵ میں حضرت ابراہیم نخعی کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص غیر مدخول بہا کو انت طالق انت طالق کہے تو وہ عورت پہلی مرتبہ انت طالق کہنے سے بائن ہو جاتی ہے۔

○ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ اَنْتِ طَالِقٌ یا اردو میں ایک مرتبہ "تجھے طلاق ہے" کا لفظ کہنے سے ہی بائن اور اجنبی ہو گئی تو پھر باقی دو طلاقیں فضول ہوں گی۔

○ نیز اس فتوے میں غیر مدخول بہا کی قید سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مدخول بہا کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ اور مدخول بہا کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اسے تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور اسے عدت گزار کر فارغ ہو جانا چاہیے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحہ میں حضرت ابراہیم نخعی کے فتوے میں تحریر کر چکے ہیں۔

## حضرت خلاس بن عمرو الہجری بصری

❺ حضرت خلاس بن عمرو بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو الگ الگ کر کے انت طالق انت طالق کہے تو وہ پہلی مرتبہ انت طالق یا "تجھے طلاق ہے" کہتے ہی اس مرد سے وہ عورت جدا ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵)

## حضرت حکم بن عتیبہ ابو محمد کندی

❻ حضرت حکم بن عتیبہ کندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی ہے کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو رخصتی سے پہلے الگ الگ کر کے تین مرتبہ انتِ طالق یا تجھے طلاق ہے کا لفظ کہے گا تو پہلی مرتبہ تجھے طلاق ہے کا لفظ کہنے سے ہی عورت جدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد مزید دو مرتبہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے کہنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۴)

## حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد لیثی ابوالولید مدنی
## حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص قرشی۔ اور
## حضرت ابومالک سعد بن طارق اشجعی

⑦ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۰۵ میں ہے کہ ولید بن عقال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت مصعب بن سعد اور حضرت ابومالک تینوں سے پوچھا کہ اگر کسی حاملہ عورت کو اس کا خاوند تین طلاقیں دیدے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ان تینوں نے یہی فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتی تنکح.....

○ اس اثر میں ایک راوی کا نام عمرو بن مسلم جندی ہے۔ حضرت امام احمد وغیرہ نے اگرچہ اس کے بارے میں کلام کیا ہے، لیکن کئی نقاد محدثین نے اس کی تحسین بھی کی ہے۔ مثلاً: ① حضرت علامہ ابن حبان نے ثقہ، ② حضرت علامہ ابن حجر نے صدوق، اور ③ حضرت علامہ ذہبی نے عمرو بن مسلم جندی کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ روایت استدلال میں پیش کی جاسکتی ہے۔

○ اور اگر اس روایت میں کچھ ضعف ہو تب بھی اتنی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ یہ روایت بے شمار صحیح احادیث سے مطابقت اور موافقت رکھتی ہے اس لیے یہ روایت تائید میں پیش کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بعض ضعیف روایات تو ایسی بھی ہیں جن پر علماء عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس کی مثالیں بھی بہت ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر ترمذی ج ۱ ص ۱۱، ۷۸، ۹۲، ۱۱۲، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۶۶، اور ج ۲ ص ۳۱ و ۳۳ پر موجود ہے۔

○ بہرحال مذکورہ بالا تین جلیل القدر تابعین کرامؒ نے حاملہ عورت کو دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے کا فتویٰ دے کر بتلادیا کہ مدخول بہا کو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی متصور ہوتی ہیں

## حضرت عکرمہ ابو عبد اللہ قرشی بربری

❽ کسی شخص نے مشہور تابعی حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی غیر مدخول بہا بکر کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دی جا چکی ہوں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اگر بیک زبان اکٹھی تین طلاقیں دی ہوں تو وہ عورت اس طلاق دینے والے پر حلال نہیں رہی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔

○ اور اگر الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی ہوں تو اس صورت میں وہ عورت پہلی طلاق سے ہی بائن ہوگئی۔ اس لیے اس کے بعد والی دونوں طلاقیں کسی گنتی میں نہیں آئیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ و ۳۳۷)

○ یاد رہے کہ حضرت عکرمہ کی یہ ذاتی رائے نہیں تھی، بلکہ ان کے استاذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک بھی یہی تھا۔ جیسا کہ قبل ازیں فتاویٰ ابن عباسؓ میں بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

## حضرت طاؤس بن کیسان ابو عبد الرحمٰن فارسی یمنی

❾ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت طاؤس تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیا کرتے تھے، لیکن یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت طاؤسؒ آخر میں اس بات کے قائل نہیں رہے۔ البتہ

○ حضرت طاؤسؒ سے جاہلی طریقہ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت امام مسلم نے بیان فرمائی ہے، جس کے بارے میں مختصر مگر جامع بحث گزشتہ اوراق میں تحریر کی جا چکی ہے۔ ایک نظر اسے دوبارہ پڑھ لیں۔ نیز

○ قبل ازیں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت طاؤسؒ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تھے تو اسے کہنا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۵۵)

○ لہٰذا حضرت طاؤسؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر مدخول بہا کو الگ الگ

کرکے ایک طہر میں، یا حمل میں، یا حیض کی حالت میں تین طلاقیں دے دی جائیں، خواہ ایک مجلس میں ہوں، خواہ دو یا تین مجلسوں میں، وہ تین ہی شمار ہوں گی اور اس مرد پر وہ عورت حرام ہو جائے گی۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص مدخول بہا کو یا غیر مدخول بہا کو ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو بھی وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ البتہ:

○ اگر کوئی شخص غیر مدخول بہا کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں الگ الگ کرکے ایک ہی مجلس میں، یا ایک ایک ماہ میں الگ الگ تین طلاقیں دے تو ان میں سے پہلی ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اور باقی دو طلاقیں کوئی نقصان نہیں کریں گی۔ اس لیے اگر طلاق دہندہ چاہے تو اسی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ اور ایسی طلاق کی عدت بھی نہیں۔ (نسائی صفحہ ۱/۲)

## حضرت سعید بن جبیر بن ہشام ابو محمد اسدی

(۱۰) ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں، تو جب حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایسے ہی شخص کے بارے میں فتویٰ سنا دیا کہ:

○ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اکٹھی یا متفرق سو طلاقیں بھی دیدے تو وہ عورت صرف تین طلاقوں سے ہی اس پر حرام ہو جائے گی اور باقی طلاقیں اس طلاق دہندہ پر بوجھ ہیں، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی احکام الٰہی کے ساتھ تمسخر ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۴۳۰)

○ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت سعید بن جبیرؒ کا مسلک بھی یہی ہے حضرت علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے اس اثر کے متعلق صاحب المنتقیٰ کے حوالے سے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ سعید بن جبیر اور مجاہد وغیرہ کی یہ سب روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ ان سب کا

اس مسئلہ میں اجماع اور اتفاق ہے کہ بیک زبان یعنی ایک ہی جملے میں اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں نافذ ہوجاتی ہیں۔

## حضرت محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری

(11) کسی شخص نے اپنی بیوی کو (غالباً اکٹھی) تین طلاقیں دے دیں، اور کسی (آزاد خیال عالم) نے اس شخص کو رجوع کر لینے کا فتویٰ دے دیا لیکن جب یہ بات حضرت ابن شہاب زہریؒ نے سُنی تو انھوں نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ تین طلاقوں کے بعد اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۹۵)

○ نیز حضرت زہریؒ نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے تین طلاقوں کے بعد پھر رجوع کر کے اس مطلقہ بہ ثلاث عورت کو بسا لینے کا فتویٰ دیا ہے تو ایسے آزاد خیال مفتی کو عبرت ناک سزا دینے کا فتویٰ بھی دیا۔

○ حضرت امام ابن شہاب زہری کے اس فتویٰ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ: طلاق دہندہ نے اکٹھی ایک ہی جملے میں تینوں طلاقیں دے دی تھیں، جس پر کسی رافضی، خارجی یا معتزلی وغیرہ نے رجوع کر لینے کا فتویٰ دے دیا، کیونکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں صرف ایک رجعی طلاق متصور ہوتی ہے۔ لیکن

○ حضرت امام زہری کے نزدیک یہ ایک قابلِ سزا جرم ہے۔ یعنی وہ یقیناً اس طرح تین طلاقیں دے چکنے کے بعد رجوع کرنے کو زنا سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تین طلاقوں کے بعد رجوع کا فتویٰ دینے والے مفتی کے بارے میں فتویٰ دیا تھا کہ اسے عبرتناک سزا دی جائے کیونکہ

○ اسی مفتی کے فتوے کی وجہ سے ایک جاہل شخص تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر کے زندگی بھر کے لیے زنا جیسے فعل قبیح میں مبتلا ہوگا اس لیے اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو اسے فوراً عورت سے جُدا ہوجانا چاہیے۔

## حضرت قتادۃ بن دعامہ ابوالخطاب سدوسی بصری
## حضرت محمد بن مسلم، ابن شہاب زہری

ایک شخص نے سفر کے دوران دو گواہوں کی موجودگی اپنی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں، تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر اس شخص نے سفر سے وطن واپس آکر اپنی اسی مطلقہ بیوی کے ساتھ جماع کرلیا۔ تو جب حضرت امام ابن شہاب زہری اور حضرت قتادہ بصری سے اس شخص کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تو ان دونوں نے یہی فتویٰ دیا کہ اگر یہ شخص اپنی طلاق کا اقرار کرلے کہ واقعی اُس نے دَورانِ سفر اپنی بیوی کی عدم موجودگی میں اسے تین طلاقیں دے دی تھیں تو اُسے زنا کی عبرتناک سزا دیتے ہوئے، رجم کیا جائے۔

## خلیفۂ راشد امام عمر بن عبدالعزیز

خلیفۂ راشد حضرت امام عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے البتہ کہہ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اُس نے آخری اور انتہائی حد پر تیر مارا۔ (مؤطا امام مالک ص ۱۹۹ و ۲۰۰)

## قاضی شریح بن الحارث بن قیس ابوامیہ کندی

ایک شخص نے مشہور تابعی حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ اس پر قاضی شریح نے فرمایا کہ تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں کے ساتھ جُدا ہوگئی ہے اور باقی ستانوے طلاقیں اسراف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵)

## حضرت محدث حسن بصری

مشہور تابعی اور محدث حضرت حسن بن یسار بصریؒ نے فرمایا کہ اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ کرکے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ پہلی سے جُدا ہو جائے گی اور باقی دو کچھ نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۲ و ۳۳۳)

**فائدہ:** حضرت امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانیؒ نے حضرت امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری (متوفی ۳۱۸ھ) کے حوالے سے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں تحریر فرمایا ہے کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردان گرامی
① حضرت عطاء بن ابی رباح ② حضرت طاؤس بن کیسان فارسی اور
③ حضرت عمرو بن دینار وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:
"تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی ہیں۔" لیکن یہ امام ابن حجرؒ کا سہو ہے کیونکہ قبل ازیں فتاویٰ تابعین میں نہ صرف سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے انہی تین تلامذہ کی روایات زیب قرطاس کی گئی ہیں، بلکہ حضرت ابن عباسؓ کے دیگر تلامذہ کی روایات بھی تحریر کی گئی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدخول بہا کو اگر الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی جائیں یا ایک ہی لفظ سے اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں ہر حال میں تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن غیر مدخول بہا کے لیے شرعی حکم ذرا مختلف ہے۔ یعنی اگر غیر مدخول بہا کو ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دی مثلاً: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، لیکن اگر کوئی شخص غیر مدخول بہا کو الگ الگ مجلسوں میں ایک ایک کرکے، یا ایک مجلس میں ہی الگ الگ انت طالق انت طالق انت طالق کہے تو اس صورت میں پہلی مرتبہ انت طالق کہتے ہی وہ عورت اس مرد سے جدا ہو جاتی ہے اور اس کی عدت بھی نہیں ہوتی، اور وہ عورت اس مرد کے لیے اجنبی ہو جاتی ہے۔ اب اگر وہ اس اجنبی عورت کو انت طالق کہے گا تو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ اسی لیے مذکورہ بالا تابعین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ غیر مدخول بہا کے لیے یہ حکم ہے کہ اسے الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق گنی جاتی ہے، یعنی ایک طلاق واقع ہوتی ہے

# بعضُ الاحادیث یفسّرُ البعض

محدثین اور راویانِ حدیث کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس بارے میں موقع محل کے مطابق کبھی اجمالی طور پر مختصر سی بات میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول وعمل کے حوالے سے مسئلہ سمجھا دیتے ہیں۔ اور محدثین اسی مختصر سی بات کو ذخیرۂ احادیث میں نقل فرما دیتے ہیں۔ اور کبھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں، اور کبھی خاص واقعہ کے متعلق شرعی حکم بیان فرما دیتے ہیں؛ لیکن ہر روایت میں مسئلہ کے تمام پہلو بیان نہیں کیے جاتے۔ مثلاً:

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: "اس شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔" (الجامع للترمذی ص ۳۵)

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث اجمالی ہے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہو چکنے کے بعد جو شخص بھی مسجد سے باہر نکلے گا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا خواہ وہ قضاءِ حاجت کے لیے مسجد سے باہر نکلے یا وضو کرنے کے لیے۔ کیونکہ

○ محولہ بالا حدیث میں مطلق یہ بتلایا گیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے والا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔ حالانکہ اذان کے بعد قضاءِ حاجت اور وضو وغیرہ کے لیے ضرورت کے وقت نکلنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے زمرے میں ہرگز نہیں آتا کیونکہ بعض دوسری حدیثوں میں آتا ہے کہ جب پیشاب پاخانہ زور کر رہا ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح نماز پڑھنے کے لیے باوضو ہونا بھی فرض ہے۔ اس لیے علماء نے محولہ بالا حدیث میں یہ قید لگائی ہے کہ بغیر عذر کے مسجد سے باہر نکلنا منع ہے ورنہ نہیں۔

- اسی طرح بعض اوقات جب کسی عالم دین اور مفتی سے مختلف قسم کے سائل ایسا مسئلہ دریافت کرتے ہیں جن کے سوال بظاہر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر مجیب کو جب خارجی قرائن کی وجہ سے ہر سائل کی اپنی اپنی مخصوص کیفیت کا علم ہوتا ہے تو وہ انہی خارجی قرائن کو دیکھ کر ہر ایک سائل کو الگ الگ جواب دیتا ہے۔ لیکن ان دونوں سائل و مجیب کے پاس بیٹھا ہوا تیسرا شخص ایک جیسے دو سوالوں کے مختلف جواب سن کر حیران ہو جاتا ہے کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے جس سوال کا جواب نفی میں دیا گیا تھا بظاہر اسی قسم کے سوال کا جواب اس کے برعکس اثبات میں کس لیے دیا جا رہا ہے۔ مثلاً:

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت یعنی بوسہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نفی میں جواب دیا۔ پھر ایک اور آدمی دربارِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بھی یہی سوال کیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت مرحمت فرما دی۔

- اور ان متضاد فتووں کو دیکھ کر یقیناً آدمی حیرانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور غور کیا جائے تو حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ کیونکہ مذکورہ روایت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جس شخص کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا تھا وہ جوان تھا اور ڈر تھا کہ یہ کہیں روزہ ہی نہ توڑ بیٹھے، اس لیے آپ نے اُسے تو منع فرما دیا، لیکن دوسرے شخص کو اجازت دینے کی وجہ یہ تھی وہ بوڑھا فرتوت تھا۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ص۱۷۷)

- اسی طرح تین طلاقوں کو تین قرار دے کر عورت کے مرد پر حرام ہو جانے یا تین طلاقوں کے باوجود ایک طلاق کا حکم لگا کر دوبارہ ان دونوں مرد و زن کو باہم نکاح کی اجازت ہونے کا مسئلہ بھی قابلِ حیرت نہیں۔

## تین طلاقوں کے متعلق مختلف احکام

قبل ازیں عہدِ نبویؐ، عہدِ صحابہؓ اور عہدِ تابعینؒ میں تین طلاقوں سے متعلق متعدد احادیث و آثار تحریر کیے گئے ہیں، جن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

○ اس مسئلہ کی چار صورتیں بنتی ہیں: ① غیر مدخول بہا یا بکر کو اکٹھی بیک کلمہ تین طلاقیں دی جائیں۔ ② غیر مدخولہا بہا کو یکے بعد دیگرے ایک ہی مجلس میں یا تین مجلسوں میں الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی جائیں۔ ③ مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں۔ ④ مدخول بہا کو یکے بعد دیگرے ایک ہی مجلس میں یا تین مجلسوں میں الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی جائیں۔ یعنی دو کا تعلق غیر مدخول بہا سے اور دو کا مدخول بہا سے ہے۔

① پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اکٹھی تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں ۔ ذٰلک لہٗ

② دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ پہلی طلاق واقع ہوتی ہے اور باقی دو لغو ہیں،

③ تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ اکٹھی تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اور

④ چوتھی صورت کا حکم بھی یہی ہے کہ متفرقۃً دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اور وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہتی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ

○ اب اگر مذکورہ بالا چاروں قسم کے آدمی کسی مفتی کے پاس جاکر مسئلہ پوچھیں، اور ان میں سے ہر ایک یہ کہے کہ: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اب میرے بارے میں شرعی حکم کیا ہے، کیا میں رجوع کرسکتا ہوں؟

○ اب یہ سوال تو ان چاروں کا ایک جیسا ہے، اگر ان میں سے ایک سائل کو مجیب مفتی یہ کہے کہ تجھے رجوع کا حق حاصل ہے اور باقی تین کو کہے کہ تمہاری بیویاں تم پر حرام ہوچکی ہیں، تو کوئی بے علم اور جاہل شخص مفتی کے ان متضاد فتووں کو دیکھ کر اگر حیران ہو تو ہوتا رہے، لیکن علمِ دین سے تھوڑا بہت تعلق رکھنے والا نہ ان فتووں کو متضاد فتوے قرار دے گا اور نہ ہی ان پر وہ حیران ہوگا۔ کیونکہ:

- صاحب علم اور تجربہ کار و سمجھ دار مفتی سائل کے انداز سوال اور دیگر خارجی قرائن وغیرہ سے جب مسئلہ کی اصل حقیقت معلوم کر کے بات کی تہہ تک پہنچتا ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا تب کہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اور
- پہلے سائل کو جواب دیتا ہے کہ وہ عورت تجھ پر حرام ہو چکی ہے، اور تیرے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں، حتیٰ تنکح
- دوسرے سائل کو جواب دیا جاتا ہے کہ وہ عورت تجھ سے بائن یا جدا تو ضرور ہو گئی ہے، لیکن اگر تم دونوں دوبارہ باہم نکاح کرنا چاہتے ہو شریعت مطہرہ میں تمھیں دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے اور
- تیسرے اور چوتھے دونوں سائلوں کو ایک ہی جواب دیا جائے گا کہ وہ عورتیں تم پر حلال نہیں رہیں۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔
- اب ظاہر ہے کہ حالات کے مطابق ہر ایک کو شرعاً صحیح فتویٰ دیا گیا ہے مگر یہ فتوے سننے والے اجنبی اور حالات سے ناواقف شخص کو حیرانی ہوتی ہے کہ مسئلہ تو ان سب کا ایک جیسا تھا مگر جواب مختلف کیوں ہیں؟
- البتہ سمجھ دار اور ذہین شخص سمجھ جائے گا کہ پہلا شخص اپنی غیر مدخول بہا یا بکر منکوحہ کو بیک کلمہ اکٹھی تین طلاقیں دے چکا تھا، اس لیے اس کے متعلق یہ حکم درست ہے کہ وہ عورت اس پر حرام ہو چکی ہے حتیٰ تنکح۔
- اور دوسرے کا جواب بھی بالکل درست ہے، کیونکہ اس نے الگ الگ انت طالق انت طالق انت طالق کہہ کر تین طلاقیں دی تھیں، جبکہ پہلی مرتبہ انت طالق کہتے ہی وہ عورت اس مرد سے جدا ہو گئی، جس کی عدت بھی نہیں ہوتی، اس لیے بعد والی دو طلاقوں کا غیر مدخول بہا پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اور وہ دونوں طلاقیں لغو اور بے کار گئیں۔ اور
- تیسرے اور چوتھے سائل کو بھی صحیح جواب دیا گیا ہے، کیونکہ مدخول بہا کو مجتمعۃً یا متفرقۃً جیسے بھی تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

## مجمل اور مفصل روایات

○ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جس کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دیدی گئی تھیں، تو آپ نے جواب دیا کہ اب وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہی (مصنف عبدالرزاق ص ۳۴۱ ج ۶)

○ اس روایت میں اجمال ہے۔ جبکہ ایک اور موقع پر جب سیدنا ابن مسعودؓ سے یہی مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے تفصیل کے ساتھ مسئلہ سمجھایا کہ:

○ جب بکر کو دخول سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ عورت طلاق دہندہ کے لیے حلال نہیں رہتی حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔ اور اگر بکر کو دخول سے پہلے الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ عورت پہلی طلاق سے ہی بائن یعنی جُدا ہوجاتی ہے، پچھلی دو کچھ نہیں (ایضاً ص ۳۳۶)

○ اجمال وتفصیل کی مذکورہ بالا مثال میں تو ایک ہی صحابی کے دو مختلف فتوے تحریر کیے گئے ہیں، جن میں سے پہلے میں اجمال اور دوسرے میں تفصیل ہے۔

○ اسی طرح کبھی ایک صحابی کی روایت میں اجمال اور دوسرے کی روایت میں تفصیل ہوتی ہے۔ اور تقریباً ہر مسئلہ کا یہی حال ہے۔ پھر محدثین ومجتہدین ان تمام اجمالی وتفصیلی روایات کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں

○ اسی طرح کبھی ایک سائل اپنا مسئلہ کسی ایک عالم کے سامنے پیش کرکے اس کا شرعی حکم معلوم کرتا ہے، اور کبھی دوسرا سائل کسی دوسرے عالم کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرکے اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کرتا ہے۔

○ نیز کبھی سوال بظاہر ایک جیسا اور جواب مختلف، اور کبھی سوال مختلف اور جواب ایک جیسا معلوم ہوتا ہے، جس کے باعث سرسری علم رکھنے والے علماء عموماً اُلجھن کا شکار ہوجاتے ہیں۔ البتہ جو علماء اصولِ حدیث کے علم سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں وہ بظاہر متضاد اور باہم معارض احادیث و آثار کو بخوبی منطبق کرکے تمام اُلجھنوں کو دُور کردیتے ہیں۔

## بظاہر متعارض روایات

- حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے والے شخص کو فتویٰ دیتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ "اگر تُو نے اپنی بیوی کو الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی ہیں، تو ایک (پہلی) طلاق واقع ہوئی" (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۵ ج ۶)
- حضرت محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زُہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ہی ارشاد فرمایا کہ "جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ (ص ۳۳۴)
- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت عطاء اور حضرت زہری کی مذکورہ بالا دونوں روایتیں بظاہر ایک دوسری کے مخالف معلوم ہوتی ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم کسی قسم کا تعارض نہیں۔ کیونکہ:
- حضرت عطاء کی روایت میں غیر مدخول بہا کو دی گئی الگ الگ تین طلاقوں کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا۔ جبکہ:
- حضرت ابن شہاب زہری کی روایت میں مدخول بہا کو دی گئی الگ الگ تین طلاقوں کے متعلق مسئلہ دریافت کیا گیا تھا، جس کے جواب میں آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے فتویٰ صادر فرمایا کہ تینوں واقع ہوگئیں۔
- اس سے معلوم ہُوا کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے لیے الگ الگ کرکے دی ہُوئی تین طلاقوں پر شرعاً دو مختلف حکم نافذ کیے جاتے ہیں۔ اور اگر الگ الگ انت طالق انت طالق کہنے کی بجائے ایک ہی کلمہ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہوئے کوئی شخص انت طالق ثلاثا یا اس کا کوئی ہم معنی لفظ بتۃ، خلیۃ اور بریۃ وغیرہ کے الفاظ تین طلاقوں کی نیت سے کہے تو اس صورت میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے کہ وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہتی۔ جیسا کہ:

# بیک کلمہ تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

حضرت ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا ان رجلاً من اسلم طلق امرأته علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم **ثلث تطلیقات جمیعا** کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فقال له بعض اصحابه ان لك علیها رجعة تو اس طلاق دہندہ کو اس کے دوستوں میں سے کسی دوست نے کہا کہ اس صورت میں تجھے رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے؛ فانطلقت امرأته حتی دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم پھر اس طلاق دہندہ کی مطلقہ بیوی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ فقالت پھر وہ مطلقہ عورت عرض گزار ہوئی: ان زوجی طلقنی **ثلث تطلیقات فی کلمة واحدة** کہ میرے شوہر نے مجھے ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں؛

○ مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ کیا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں؛ نیز آپؐ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ میں اور طلاق دہندہ شرعاً ایک دوسرے کی میراث کے حق دار رہے یا نہیں۔

○ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد بنت منه ولا میراث بینکما۔ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تیرے شوہر نے ایک ہی کلمہ میں تجھے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں، اور اس طرح اکٹھی تین طلاقیں دینا اچھا نہیں ہے تاہم تُو طلاق دہندہ سے جُدا ہو چکی ہے، اور تم دونوں طلاق دہندہ اور مطلقہ کے درمیان وراثت بھی نہیں ہے۔ (مدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۱)

○ اسی طرح بعض دیگر روایات جو بظاہر باہم متعارض اور ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں' سو ان میں بھی اہل بصیرت کو کسی قسم کا تعارض نظر نہیں آتا، اگر مجمل روایات کو مفصل روایات کے ساتھ ملا کر غور سے دیکھا جائے تو جن روایات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے وہ بالکل نظر نہیں آئے گا۔ مثلاً:

○ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صراحۃً روایت نقل فرمائی ہے کہ غیر مدخول بہا یا بکر کو تین طلاقیں اکٹھی یعنی انت طالق ثلاثا یا اس کے ہم معنی الفاظ ایک کلمہ میں دی گئی ہوں' اور الگ الگ انت طالق انت طالق یا اس کے ہم معنی الفاظ کے تکرار کے ساتھ تین طلاقیں دی گئی ہوں تو ان میں سے صرف پہلی طلاق پڑتی ہے۔

○ اور اس کی مؤید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے: ① ام المومنین سیدہ عائشہ، ② امیر المومنین سیدنا امام علی ③ سیدنا عبداللہ بن عباس ④ سیدنا ابوہریرہ ⑤ سیدنا انس بن مالک ⑥ سیدنا جابر بن عبداللہ ⑦ سیدنا ابوسعید خدری ⑧ سیدنا عبداللہ بن مغفل ⑨ سیدنا عمرو بن العاص ⑩ سیدنا زید بن ثابت ⑪ سیدنا عبداللہ بن مسعود ⑫ ام المومنین سیدہ ام سلمہ۔ اور تابعین میں سے شاگردانِ ابن عباسؓ ① محمد بن ایاس بن ابی بکیر ② معاویہ بن ابی عیاش ③ عامر بن شراحیل شعبی ④ ابراہیم نخعی ⑤ خلاس بن عمرو ⑥ حکم بن عتیبہ ⑦ ابوعبداللہ عکرمہ بربری ⑧ طاؤس بن کیسان۔ اور ⑨ حسن بن یسار بصری رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات قبل ازیں گزر چکی ہیں۔ لہٰذا:

○ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ پر منقول حضرت طاؤس، حضرت عطاء اور حضرت ابوالشعثاء کے فتویٰ کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ دی ہوئی تین طلاقوں میں سے صرف پہلی ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

○ اسی طرح مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ پر منقول حضرت عمرو بن دینارؒ نے فتوے کا مطلب بھی یہی ہے، جس میں انھوں نے فرمایا ہے: وان جمعھن فھی واحدۃ کہ اگر اس نے غیر مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی ہیں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

○ اس روایت میں جمعھن سے بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقوں کی بات ہو رہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہاں جمعھن سے ایک مجلس کی تین متفرق طلاقیں مراد ہیں۔ کیونکہ:

○ قبل ازیں خود حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی کی ایک وہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ ستاروں کی تعداد کے برابر طلاقیں دینے والے کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ عورت کو جدا کرنے کے لیے تو جوزا ستارے کا سرا ہی کافی تھا۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن دینارؒ ایک کلمہ میں دی ہوئی اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔ اور جمعھن سے ایک مجلس میں تین مرتبہ انت طالق کے الفاظ ایک ساتھ ادا کرنا ہی مراد ہے۔

○ اسی طرح حضرت عکرمہؒ سے جو روایت ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین طلاقیں ایک ہیں۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۵۵) لیکن اس کا مطلب بھی یہ نہیں جو بظاہر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ کے حوالے سے قبل ازیں خود حضرت عکرمہؒ کی روایت گزر چکی ہے کہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ دی ہوئی تین طلاقوں سے پہلی ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

○ اسی طرح حضرت طاؤسؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور انھوں نے اس سلسلہ میں ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ بھی فرما دیا ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں کہیں مطلق حکم ہوگا اسے مقید کیا جائے گا۔ اور مجمل روایت کا فیصلہ مفصل روایت دیکھ کر کیا جائے گا۔

# ائمۂ مجتہدین اور اُن کے متبعین کا مسلک

## عُلماءِ شافعیہ کا مسلک

### الامام محمد بن ادریس شافعی

❶ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی املائی کتاب "الام" ج ۵ ص ۱۸۲ میں فرمایا ہے کہ: "اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا: انت طالق ثلثا للسنۃ کہ تجھے سُنّت کے مُطابق تین طلاقیں ہیں، یا انت طالق ثلثا للبدعۃ کہا کہ تجھے خلافِ سنت تین طلاقیں ہیں، تو یہ بات کرتے ہی فوراً تین کی تین طلاقیں پڑ جائیں گی"۔

○ اس میں کسی قسم کا کوئی اُلجھاؤ اور پیچیدگی و ابہام نہیں ہے۔ یہ عبارت خود بتا رہی ہے کہ اس میں ان تین طلاقوں کے بارے میں شرعی حکم بتلایا گیا ہے جو ایک مجلس ہی نہیں بلکہ ایک ہی جملے کے ساتھ دی گئی ہو

○ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا: انت طالق اکثر الطلاق عددا۔ یعنی تعداد کے لحاظ سے (شرعاً) طلاقوں کی جو تعداد زیادہ سے زیادہ مقرر ہے 'اتنی تعداد میں تجھے طلاقیں دیں' تو اس کے کہنے سے بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں"۔ (الام ج ۵ ص ۱۸۳)

○ اسی طرح اگر کسی نے صرف انت طالق اکثر الطلاق کہا' یعنی تجھے بہت زیادہ طلاقیں دیں۔ تو اس صورت میں بھی (چونکہ شرعاً زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دی جا سکتی ہیں، اس لیے) تین کی تین طلاقیں پڑ جائیں گی

○ نیز آپ نے فرمایا کہ: "اس مسئلہ میں قرآن مجید ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے یا ہمبستری کے بعد تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے"۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۶۵)

**فائدہ:** حضرت امام شافعیؒ تو عرب کی قریشی مُطّلبی ہیں، جبکہ حضرت ابن جریجؒ اور ابن اسحاق دونوں عجمی ہیں۔ اس لیے قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کو ان دونوں راویوں کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور اس معاملے میں حضرت امام شافعی کو ابن جریج اور ابن اسحٰق پر ترجیح ہوگی۔

- یاد رہے کہ سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہؓ نے ایک طلاق کی نیت سے بتّہ کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔
- نیز یہ کہ حضرت امام شافعیؒ لفظ بتّہ کے مفہوم کو بھی خوب اچھی طرح سمجھتے تھے، ان کے لیے یہ لفظ اجنبی یا غیر مانوس نہیں تھا۔ جبکہ:
- ابن جریج اور ابن اسحاق دونوں کے لیے بتّہ کا لفظ اجنبی تھا، وہ بتّہ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن جریج و ابن اسحاق بتّہ کے لفظ سے سمجھے کہ اس سے صرف تین طلاقیں مُراد ہیں، اس لیے ان دونوں نے اپنی سمجھ کے مطابق روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے بتّہ کی بجائے تین طلاقوں کا لفظ استعمال کر کے قیامت تک کے لیے اُمّت محمدیہ کو ایک زبردست اُلجھن میں مبتلا کر دیا، جس کے نتیجے میں زنا کا دروازہ کھل گیا۔ (بتّہ اور دیگر الفاظ کنایہ کی بحث آگے گی۔ ان شاء اللہ)
- اسی طرح حضرت طاؤسؒ کو بھی مغالطہ ہُوا تھا[1]، اور اکٹھی دی ہُوئی تین طلاقوں کو یہ بھی کچھ عرصہ تک ایک طلاق سمجھتے رہے تھے، اور اپنے بیٹے کے سامنے اپنی فہم کے مطابق الگ الگ یا اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں میں سے ایک طلاق واقع ہونے کا مسلک بیان فرمایا۔ مثلاً:
- تمام صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ کر کے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے کہا جائے تو پہلی طلاق سے عورت جُدا ہو جائے گی اور باقی دو طلاقیں فضول ہیں۔

---

[1] جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے۔ دیکھیے علماء کی توجیہات ص ۱۳۱ تا ۱۳۰

- اور اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو وہ تینوں واقع ہو کر اس مرد پر وہ عورت حرام ہو جائے گی۔ لیکن
- حضرت طاؤس نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤس سے فرمایا کہ یہ دونوں صورتیں برابر ہیں اور ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص میں ہے۔ اور پھر یہی بات مشہور ہو گئی۔
- اس کے بعد جب حضرت طاؤس کو اس مسئلہ کی تحقیق[1] ہوئی تو اپنے اس مسلک سے رجوع فرمالیا۔ اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤس سے فرمایا کہ آئندہ اگر کوئی کہے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی سمجھتے تھے تو اس سے کہنا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ (اعلاء السنن ص ۵۵ ج ۱۱)
- بہرحال خالص اہل لسان مجتہد، فقیہ اور محدث حضرت امام شافعیؒ نے احادیث نبویؐ و آثار صحابہؓ کی روشنی میں قرآن مجید کی آیت کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ جو شخص مدخول بہا کو یا غیر مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے گا تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی' اور یہی اصح ہے۔
- البتہ احادیث نبویؐ میں طلاق دینے کے لیے بعض قیود و شرائط بھی آئی ہیں: مثلاً: ① حیض کی حالت میں طلاق نہ دی جائے۔ اور ② اس طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں ہمبستری کی ہو۔ اور ③ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دی جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اس شرعی طریقہ کے خلاف طلاق دے گا تو طلاق واقع ہی نہ ہوگی۔ اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ ایک طہر کے مختلف اوقات میں تین طلاقیں دی جائیں تو انہیں بھی ایک طلاق ہی سمجھ لیا جائے۔ مثلاً:
- کوئی شخص ایک طہر میں پانچ پانچ دن کے وقفے سے ایک ایک طلاق دے تو کوئی شخص انہیں ایک طلاق تصور نہیں کر سکتا۔

---

[1] یعنی بکر کی توجیہ کے مطابق۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک مجلس میں الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقیں دیدے تب بھی وہ تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ البتہ یہ طریقہ غلط ہے۔ کیونکہ:

○ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ ایسے طہروں میں طلاق دی جائے جن میں ہمبستری نہ کی ہو۔ لیکن قرآن مجید میں صراحۃً کہیں بھی نہیں آیا کہ ① حیض میں طلاق نہ دی جائے، یا ② اس طہر میں طلاق نہ دو جس میں ہمبستری کی جاچکی ہو، یا ③ ایک مجلس میں الگ الگ کرکے یا ④ ایک جملہ میں اکٹھی تین طلاقیں نہ دو" اور ⑤ نہ ہی قرآن مجید میں کہیں یہ آیا ہے کہ ایک مجلس میں الگ الگ یا اکٹھی، یا ایک طہر میں الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنا چاہیے۔ بلکہ ⑥ قرآن مجید میں مطلق تین طلاقوں کا ذکر ہے کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔

○ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث نبویؐ سے مستنبط اپنے مسلک کی تائید میں قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے: فالقرآن واللہ اعلم یدل علی ان من طلق زوجۃ لہ دخل بہا او لم یدخل بہا ثلثا لم تحل لہ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۶۵) کہ واللہ اعلم قرآن مجید اس بات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری کے بعد یا ہمبستری سے پہلے ہی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی" جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح نہ کرلے۔

○ حضرت امام شافعیؒ جیسے اہل لسان عرب اور محدث و مجتہد کی قرآن فہمی کے خلاف اگر کوئی آزاد خیال عجمی عالم خلافِ واقعہ خواہ مخواہ یہ شور مچانا شروع کردے کہ قرآن مجید میں الگ الگ طہروں میں ایک ایک طلاق دینے کا طریقہ بتلایا گیا ہے' اس لیے اگر الگ الگ طہروں کی بجائے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں' تو وہ ایک طلاق بنتی ہے۔ تو یہ اُس کی غلط فہمی ہوگی۔

## امام ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد شیرازی شافعی

❷ حضرت امام ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد شیرازی شافعی (متوفی ۴۷۶ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ المہذب فی فقہ الشافعی ج ۲ ص ۸۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کے الفاظ میں سے مثلاً انت طالق یا انت بائن یا اسی قسم کے دوسرے الفاظِ کنایہ اگر تین طلاقوں کی نیت سے کہے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ پھر دلیل میں سیدنا رکانہؓ کی روایت بیان کی۔

○ اور اس کی تائید اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فتوے سے ہوتی ہے جس میں آپؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ "تجھے ایک طلاق دیتا ہوں جیسا کہ ہزار طلاقیں ہوتی ہیں"۔ تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۹)

## امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حُسینی شافعی

❸ حضرت امام تقی الدین ابوبکر حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ج ۲ ص ۱۰۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ تین طلاقیں خواہ ایک لفظ کے ساتھ ہوں یا کئی لفظوں کے ساتھ ہوں تو وہ عورت اس شوہر پر حرام ہوجاتی ہے۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔

## شیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الکوہجی شافعی

❹ المنہاج ج ۳ ص ۳۸۰ میں حضرت شیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الکوہجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو انت طالق انت طالق الگ الگ کرکے ایک ہی مجلس میں کہے تو تینوں طلاقیں پڑجائیں گی۔

## ابو حامد مُحمد بن مُحمد غزالی شافعی

❺ حضرت امام غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الوجیز ج ۲ ص ۳۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالنا اگرچہ بدعت تو نہیں ہے لیکن الگ الگ تین طہروں میں طلاقیں دینا بہتر ہے تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو۔

## امام عبدالوھاب شعرانی شافعی

❻ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان شعرانی میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ مدخول بہا بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں جس میں ہمبستر ہوا ہو طلاق دینا حرام ہے۔ لیکن اگر کسی نے ان حالات میں طلاق دیدی تو واقع ہو جائیگی؛ اسی طرح اگر کسی نے ان حالات میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بھی واقع ہو جائیں گی۔ (مواہب رحمانی اردو ترجمہ میزان شعرانی ج ۲ ص ۲۰۸) نیز:

○ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، تو اگر اس کی نیت ایک طلاق کی ہو تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر تین طلاقوں کی نیت ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (ص ۲۱۸/۲)

## علامہ محمد عبدالرحمٰن دمشقی شافعی

❼ حضرت امام عبدالوہابؒ شعرانی کی کتاب میزانُ الکبریٰ طبع مصر کے حاشیہ پر حضرتِ علامہ محمد عبدالرحمٰن دمشقی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رحمۃُ الامہ ج ۲ ص ۷۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام تو ہے لیکن اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

## امام ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی

❽ شرح روض الطالب من اسنی المطالب ج ۲ ص ۲۸۰ میں حضرت امام ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے، تو اگر اس کی بیوی نے بغیر نیت کے یونہی کہہ دیا کہ میں نے طلاق دے دی، تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

## ابوالعباس احمد رملی کبیر انصاری شافعی

❾ شرح روض الطالب ج ۳ ص ۲۸۶ کے حاشیہ پر حدیث رکانہؓ کا حوالہ

دے کر علامہ ابوالعباس احمد رملی کبیر انصاری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی تھی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دے کر ان سے پوچھا کہ بتہ کہنے سے آپ کی مراد صرف ایک طلاق کی تھی یا دو کی یا تین کی۔ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ: واللہ! لفظ بتہ کہنے سے میری مراد صرف ایک طلاق کی تھی۔

○ حضرت ابوالعباس احمد رملی کبیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ اگر حضرت رکانہؓ نے بتہ کا لفظ کہتے ہوئے ایک کی بجائے دو یا تین طلاقوں کی نیت کی ہوتی تو صرف ایک مرتبہ بتـہ کا لفظ منہ سے نکالتے ہی تینوں طلاقیں واقع ہو کر ان کی بیوی سیدہ سہیمہ رضی اللہ عنہا حضرت رکانہؓ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتیں۔

## امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی

⓾ شرح المنہاج ج ۳ ص ۲۹۶ میں حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر شوہر نے بیوی کو الگ الگ کر کے: تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ نیز:

○ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ میں روایتِ طاؤسؒ سے بظاہر مستنبط ہونے والے مسئلہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ: اس مسئلہ میں علماء کا باہم اختلاف ہے، (لیکن صحابہ کرامؓ کا کوئی اختلاف نہیں)، مثلاً: ① امام شافعی امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء، سلف و خلف تمام کے تمام یہی فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں (ایک مجلس میں یا ایک لفظ یا کلمے کے ساتھ) کہنے سے تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ② ابن مقاتل کا قول ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ ③ حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق کبھی تو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں (الگ الگ یا اکٹھی) دینے

ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ ایک بھی نہیں پڑتی۔ اور

(۲) حضرت طاؤس اور بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق ہی پڑتی ہے۔ حضرت امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ بات غیر مدخولہا کے بارے میں حضرت طاؤس نے فرمائی ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو حضرت طاؤسؒ اس بات کے کبھی قائل نہیں رہے کہ تین طلاقیں اکٹھی ایک لفظ کے ساتھ دے دی جائیں یا الگ الگ کرکے دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے۔ اور اگر مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص کی روایت کے مطابق حضرت طاؤسؒ کبھی اس کے قائل رہے بھی ہوں تب بھی حضرت ابراہیم کرامیؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طاؤسؒ نے اس سے یقیناً رجوع کرلیا تھا۔

## امام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی شافعی

(۱) حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تمام علماء صحابہ کرام وغیرہم یہی فرماتے ہیں کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، حتیٰ کہ وہ عورت دوسرے مرد سے شادی کرلے۔ (جامع ترمذی ص ۱۴۴)

○ اس کے حاشیہ پر حضرت محدث احمد علی سہارنپوری نے فرمایا ہے کہ امراۃ رفاعہ کی حدیث مشہور ہے اور اس پر اجماع ہوچکا ہے۔

○ یاد رہے کہ اس حدیث میں تین طلاق کا لفظ نہیں ہے بلکہ بتّ طلاق کا لفظ آیا ہے، جو ظاہر ہے کہ تین مجلسوں کا محتاج نہیں، یہ لفظ تو صرف ایک سانس میں ادا ہوجاتا ہے۔ اور اس لفظ کے استعمال میں نیت کو دیکھا جاتا ہے۔ حدیث رکانہ میں بتّہ کے لفظ سے ایک طلاق مراد تھی، اور حدیث رفاعہ میں بتّ سے مراد تین طلاقیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ اگر حضرت رفاعہ بھی فرمادیتے کہ بتّ سے میری مراد صرف ایک طلاق تھی، تو وہ بھی ایک طلاق قرار دے دی جاتی۔

## امام عبد الرحمن بن کمال جلال الدین سیوطی شافعی

⓬ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کا مذہب یہی ہے کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ (مسالک الحنفاء ص ۵۶)

○ نیز آپ نے بیک وقت تین طلاقیں دینے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دو انگلیوں سے اشارہ کرکے کہے کہ تجھے طلاق ہے، اب اگر اس کی نیت دو طلاق دینے کی ہے تو دو طلاقیں پڑیں گی۔ اور اگر تین انگلیوں سے اشارہ کرکے کہے کہ تجھے طلاق ہے تو اگر اس کی نیت تین طلاقیں دینے کی ہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیہ ص...)

## امام یوسف اردبیلی شافعی

⓭ حضرت امام اردبیلی فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یا کہا کہ تو طلاق والی یا تو طلاقی ہے، تو ایک طلاق واقع ہوگی

○ اور اگر اس نے یہ لفظ بول کر دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں پڑیں گی

○ اور اگر اس نے یہی لفظ ایک بار کہہ کر تین طلاقوں کی نیت کی تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (الانوار الاعمال الابرار ج ۲ ص ۱۹۸)

## امام شہاب الدین احمد بن نقیب مصری شافعی

⓮ حضرت امام شہاب الدین احمد مصری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی شوہر نے بیوی کو کہا کہ تو طلاق والی ہے، اور اس کی نیت دو طلاقوں کی تھی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر اس کی نیت تین طلاقوں کی تھی تو (وقوع مانو نی) تینوں طلاقیں اسی ایک لفظ سے پڑجائیں گی۔ (عمدۃ السالک وعدۃ الناسک ص ۲۱۶)

○ دیکھیے ایک لفظ سے کس طرح تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (رفاہ)

## امام ابوبکر المشہور بالسید الکبیر شافعی

(۱۰) حضرت امام سید کبیر شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شوہر نے اپنی مدخول بہا بیوی کو کہا کہ تو طلاق والی ہے، ایک طلاق بلکہ دو طلاقیں تو اس طرح کہنے سے تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ (فتح المبین ج ۴ ص ۱۹، ۲۰)

ف یعنی اگر وہ یہ کہتے ہوئے کہ ایک طلاق ہے، ساتھ ہی کہہ دے بلکہ دو طلاقیں ہیں، تو اس طرح "بلکہ" سے پہلے کہی جانے والی طلاق بھی شمار ہوگی اور "بلکہ" کے بعد والی دو طلاقیں بھی شمار ہوں گی اور یہ تینوں طلاقیں بیک کلمہ واقع ہو جائیں گی۔

## امام شمس الدین محمد بن ابی العباس شافعی

(۱۱) حضرت امام شمس الدین شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو خود کو طلاق دیدے، اور مرد کے دل میں تین طلاقوں کی نیت ہو، لیکن اس کا اظہار بیوی کے سامنے نہ کرے، اور عورت بھی تین طلاقوں کے ارادے سے کہے کہ میں نے طلاق دیدی تو اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (نہایت المحتاج ص ۴۳۰ ج ۶)

## امام بدر الدین محمد بن بہادر زرکشی شافعی

(۱۲) حضرت امام زرکشیؒ (متوفی ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب میں تجھے کہوں کہ تو تین طلاقوں والی ہے، تو ان لفظوں کے کہنے سے میرا ارادہ طلاق دینے کا نہ ہوگا، بلکہ اس لفظ کے بولنے سے میری مراد یہ ہوگی کہ اٹھ کھڑی ہو یا بیٹھ جا۔ یا کہے کہ یہ لفظ یعنی تو تین طلاقوں والی ہے کہنے سے میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا ہوگا تو مذہب یہ ہے کہ اس کی اس بات کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ (خبایا الزوایا ص ۳۴۲)

حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

## امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی

(۱۸) حضرت امام ابن حجر کنانی عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا کہے کہ تو طلاق والی ہے یا اسی طرح کے اور کوئی صریح الفاظ کہے تو جتنی تعداد کی نیت کرے گا اتنی طلاقیں ہی واقع ہوجائیں گی۔ یعنی اگر ایک طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق ہی ہوگی، اور اگر دو کی نیت کرے گا تو دو طلاقیں اور اگر تین کی نیت کرے گا تو تینوں طلاقیں صرف ایک مرتبہ طلاق کہنے سے واقع ہوجائیں گی۔ اگرچہ وہ عورت مدخول بہا ہو۔ (تحفۃ المحتاج مع حواشی شیروانی و ابن قاسم عبادی ج ۸ ص ۴۷)

## امام کبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ طیبی شافعی

(۱۹) حضرت امام شرف الدین طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو کہے کہ تو تین طلاقوں والی ہے، یا تجھے تین طلاقیں، تو حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور سلف و خلف سب یہی کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

- نیز آپ نے فرمایا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا ہم یعنی شافعیہ کے نزدیک حرام تو نہیں ہے لیکن الگ الگ کرکے دینا بہتر ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور لیث اکٹھی تین طلاقیں دینے کو بدعت کہتے ہیں۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ اگر تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں طلاقیں واقع نہ ہوا کرتیں (بلکہ آزاد خیال لوگوں کے بقول صرف ایک رجعی طلاق ہی واقع ہوا کرتی) تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے کبھی اس قدر ناراضی اور غصے کا اظہار نہ فرماتے جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی تھیں۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۶ ص ۳۳۲)

# علماء مالکیہ کا مسلک

## امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر ابو عبداللہ اصبحی

● حضرت محدث سحنون بن سعید تنوخی صاحب مُدونۃ الکبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاذ اور حضرت امام مالکؒ کے شاگرد رشید حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم ابو عبداللہ عتقی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ:

○ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو کیا حضرت امام مالک اس کو ناپسند فرماتے تھے ؛ تو اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم نے فرمایا کہ: جی ہاں سخت کروہ سمجھتے تھے۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ: طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایسے طہر میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، یہاں تک کہ تین قروے گزر جائیں ۔ اور ان تین قرؤں کے دوران مزید کوئی طلاق نہ دے ۔ اور جب تیسرے حیض کا خون آجائے تو وہ عورت طلاق دہندہ شوہر اول سے جُدا ہو کر کسی دُوسرے شخص کے لیے حلال ہوجائے گی ۔

○ حضرت سحنون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن سے مزید پُوچھا کہ: اگر کوئی شخص ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس بارے میں حضرت امام مالک کیا مسلک رکھتے تھے ؛ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے شہر مدینہ منورہ میں اس قسم کے مکروہ اور غیر دانشمندانہ کام کا خیال کرتے ہُوئے کسی کو بھی نہیں دیکھا ، اور نہ ہی کسی نے اس قسم کا کوئی فتویٰ مدینہ منورہ میں دیا۔

○ اور نہ ہی میں اس بات کو اچھا سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص ایک ایک کرکے تین طہروں میں تین طلاقیں دے ۔ بلکہ طلاق دینے والے کو چاہیے کہ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے ، حتیٰ کہ عدت پُوری ہوجائے ۔

○ حضرت سحنون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے، یا ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق دے کر تین طلاقیں پوری کر دے، تو کیا اس طرح حضرت امام مالک کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ امام مالک کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں تینوں طلاقیں ہی واقع ہو جائیں گی۔

○ حضرت سحنون نے پھر دریافت فرمایا کہ ایک شخص اگر ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع کر لیا ہو تو کیا حضرت امام مالک اسے مکروہ سمجھتے تھے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم نے فرمایا کہ حضرت امام مالک ایسے کام کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر اس صورت میں طلاق دے دی گئی تو وہ طلاق لازمی طور پر واقع ہو جائے گی۔ (مُدَوَّنۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۱۹)

## امام مالک بن انس ابو عبداللہ اصبحی کا خود اپنا قول

❷ خود حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ فتویٰ نقل فرمانے کے بعد جو ان دونوں حضرات نے ام المؤمنین سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دیا تھا، ارشاد فرمایا: وعلى ذلك الامر عندنا (مؤطا امام مالک ص۲۰۹) یعنی ہمارا فتویٰ بھی اسی بات پر ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

## عبدالرحمٰن بن قاسم ابو عبداللہ عتقی مصری مالکی

❸ حضرت امام مالک کے خاص الخاص شاگرد حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم مالکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ (مُدَوَّنۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۱۹)

## امام یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر مالکی

❹ حضرت ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینہ ج ۲ ص ۵۸۰)

## علامہ احمد بن محمد بن احمد مالکی

❺ حضرت علامہ احمد بن محمد بن احمد مالکی دردیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑجاتی ہیں۔ (الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک ج ۲ ص ۵۳۷)

نیز آپ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مدخول بہا کو مبتدا (انتِ) ذکر کرنے کے بعد و، ف یا ثم کے ساتھ عطف کرکے طالق، طالق، طالق کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی (ج ۲ ص ۵۴۱)

○ یعنی اگر کوئی کہے: انتِ طالق وطالق وطالق، یا کہے: انتِ طالق فطالق فطالق، یا کہے: انتِ طالق ثم طالق ثم طالق۔ تو اس طرح کہنے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

○ یاد رہے کہ مذکورہ بالا صورت اسی وقت بن سکتی ہے جب ایک ہی مجلس میں یکے بعد دیگرے ایک سانس میں مسلسل انتِ طالق وطالق وطالق کے الفاظ کہے جائیں، اور ایسا بے وقوف کوئی نہیں ہوسکتا جو ایک طہر میں انتِ طالق کہہ کر ایک ماہ کے وقفے سے وطالق کہے اور پھر خاموش ہوجائے اور ایک ماہ مزید انتظار کرکے وطالق کا لفظ کہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک مجلس میں یکے بعد دیگرے مسلسل دی جانے والی تین طلاقوں کے نفوذ کی بات کی گئی ہے۔

## علامہ ابو الضیاء خلیل بن اسحاق مالکی

❻ حضرت علامہ ابو الضیاء مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہی فوراً نافذ ہوجاتی ہیں۔ (الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۴ ص ۳۰)

## علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی

❼ حضرت علامہ خرشی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ سب اسی وقت نافذ ہوجاتی ہیں اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔ (الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۴ ص ۳۰)

## علامہ احمد دردیر مالکی

❽ شرح کبیر حاشیہ دسوقی ج ۲ ص ۳۶۴ میں حضرت علامہ احمد دردیر مالکی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔

## علامہ شمس الدین مُحمد عرفہ دسوقی مالکی

❾ حاشیہ دسوقی ج ۲ ص ۳۶۴ میں علامہ دسوقی نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ اکٹھی مجتمعۃً یا ایک مجلس میں متفرقۃً تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (حاشیہ دسوقی شرح کبیر ج ۲ ص ۳۶۴)

## علامہ ابوعبداللہ الشیخ محمد احمد مالکی

❿ حضرت شیخ محمد احمد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں دینا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں دے ڈالے تو وہ نافذ ہوجائیں گی۔ (فتح العلی فی فتویٰ علی مذہب الامام مالک ص ۱۵/۲)

## حافظ احمد بن محمد بن الصدیق مالکی

⓫ حضرت علامہ حافظ احمد بن محمد بن صدیق مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مسالک الدلالۃ علی مسائل متن الرسالۃ (رسالہ ابن درید) میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

## علامہ شیخ محمد امیر الکبیر مالکی

⓬ حضرت علامہ شیخ محمد امیر الکبیر صاحب المجموع وغیرہ فی فقہ المالکیہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ اگر تین طلاقیں اکٹھی یا الگ الگ دی جائیں تو تینوں واقع ہوں گی۔ (الاکلیل شرح مختصر خلیل ص ۲۱۴ و ۲۱۵)

## امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی مالکی

⑬ حضرت امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ (شرح موطا ۱۶۷/۳)

○ نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حضرت امام یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی دی ہوئی تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ (شرح موطا ج ۳ ص ۱۶۷)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت امام عبدالبر نے اس مسئلہ میں اجماع کا قول اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنے کا قول شاذ اور ناقابلِ التفات ہے، یعنی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنے کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اقوالِ علماء میں اس قول کو بھی کوئی جگہ دی جائے۔ (شرح موطا امام مالک ج ۳ ص ۱۶۷)

## امام ابوالولید محمد بن احمد بن احمد بن رُشد قرطبی مالکی

⑭ حضرت امام ابن رُشد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اکناف و اطرافِ عالم اور تمام شہروں کے جمہور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک ہی کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اور ان کے بعد عورت حرام ہوجاتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۶۰)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ جمہور اہلِ حق کے برعکس، اہلِ ظاہر اور ایک گروہ یعنی روافض کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی یا ایک ہی مجلس میں الگ الگ کرکے دی جائیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۶۰)

# علماء حنابلہ کا مسلک

## امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی

❶ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو صرف ایک لفظ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالتا ہے تو یہ اس شخص کی نادانی اور بے وقوفی ہے۔ اور اس طرح کرنے سے اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس کے لیے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۷ مختصر)

## امام عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی

❷ حضرت امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انت طالق ثلث تطلیقات کہنے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (مغنی مع شرح کبیر ج ۸ ص ۲۴۶ و ۲۴۲)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثاً کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، خواہ وہ شخص یہ بھی کیوں نہ کہے کہ اس لفظ سے میری نیت صرف ایک ہی طلاق دینے کی تھی۔ کیونکہ اس نے انت طالق کے ساتھ ثلاثاً کی تصریح کی ہے۔ (الکافی ج ۳ ص ۱۷۹)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور اس پر اس کی بیوی حرام ہو گئی حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۷۱ بحوالہ مغنی)

○ نیز آپ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کا اس میں کچھ فرق نہیں۔ یعنی اگر ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو اس کی بیوی خواہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو وہ طلاق دہندہ پر حرام ہو جائے گی۔ اور یہ حکم سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمروؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اکثر اہل علم تابعین وائمہ مجتہدین کا بھی یہی قول ہے۔ (۱)

## امام ابوالبرکات عبد السلام بن تیمیہ حنبلی

❸ حضرت ابن تیمیہ ابوالبرکات حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف ایک کلمہ کے ساتھ دی ہوئی اکٹھی تین طلاقوں کے بارے میں اجماع ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (منتقی الاخبار ص ۲۳۷)

## امام ابواسحاق برہان الدین ابراھیم بن محمد بن مفلح حنبلی

❹ حضرت امام ابواسحاق برہان الدین حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۸۴ھ) فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دیدے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی' اور یہ بات بہت بڑی جماعت سے مروی ہے اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ (المبدع فی شرح المقنع ج ۷، ص ۲۶۲)

## امام علاؤالدین علی بن سلیمان حنبلی

❺ حضرت امام علاؤالدین حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا: انت طالق ثلاثا للسنة، تو ایسے طہر میں تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ یعنی اگر حیض کی حالت میں' یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع کرچکا ہو تو فوراً اسی وقت تو طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ اس نے انت طالق ثلاثا کے ساتھ للسنة کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن حیض کے بعد طہر شروع ہوتے ہی فوراً تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف ج ۸ ص ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹)

○ نیز مصنف موصوف اور شارح' ہر دو نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے نص بیان فرمائی ہے۔ اور التصحیح اور المنظم میں اس کو صحیح فرمایا ہے۔ اور الوجیز میں اس پر جزم و یقین فرمایا ہے۔

## علامہ شیخ مصطفیٰ سیوطی حنبلی

❻ حضرت علامہ مصطفےٰ سیوطی حنبلیؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقوں

کی نیت سے صرف ایک مرتبہ انت طالق کا لفظ کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہیٰ ج ۵ ص ۳۶۰)

## امام احمد بن عبد اللہ البعلی حنبلی

**۷** حضرت امام احمد بعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی مدخول بہا بیوی کو دو مرتبہ انت طالق کہا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

○ اور اگر اس نے دوسری مرتبہ انت طالق کے لفظ سے متصل کرکے تاکید کی نیت کرلی، یعنی دونوں جملوں کے درمیان وقفہ نہیں کیا' تو اس صورت میں صرف ایک طلاق ہی ہوگی۔

○ اور اگر اس نے کہا کہ دوسری مرتبہ انت طالق کے لفظ سے میرا مقصد اس عورت کو سمجھانا تھا' اور دوسری طلاق کی نیت نہ تھی' تو اس صورت میں بھی صرف ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔

○ اور اگر اس نے کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور اس سے پہلے بھی ایک طلاق ہے۔ تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

○ اور اگر اس طلاق دہندہ نے اپنی مدخول بہا بیوی کو کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور اس کے بعد بھی ایک طلاق ہے۔ تو اس صورت میں بھی دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ (الروض الندی شرح کافی المبتدی)

## علامہ بدرالدین ابو عبداللہ محمد بن علی البعلی حنبلی

**۸** حضرت علامہ ابو عبداللہ بعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی مدخول بہا یا غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں (بیک کلمہ) دے ڈالے تو بہر صورت تمام ائمہ دین کے نزدیک وہ عورت اپنے اس طلاق دہندہ شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی۔ اور اکثر علماء کرام کا قول یہی ہے۔ (مختصر الفتاویٰ مصریہ ص ۲۳۶)

## علامہ بہاؤالدین بن عبدالرحمٰن ابراھیم مقدسی حنبلی

⑨ حضرت علامہ بہاؤالدین مقدسیؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے طلاقوں کی تعداد پوری کر دی، یعنی الگ الگ کر کے یا ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو اس صورت میں وہ مطلقہ عورت اس طلاق دہندہ شوہر کے لیے حلال نہیں رہے گی۔ (العُدَہ شرح العُمدہ ص ۴۱۰)

## علامہ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی حنبلی

⑩ حضرت علامہ منصور بہوتیؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا یا مدخول بہا بیوی کو صرف ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے چکا ہے، تو وہ تینوں طلاقیں ہی واقع ہو جائیں گی۔ اور اس صورت میں وہ مطلقہ عورت اس طلاق دہندہ مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہے۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ (الروض المربع شرح زاد المستقنع ج ۳ ص ۱۴۷)

## علامہ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی

⑪ حضرت علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے اپنے رسالہ "بیان مشکل الاحادیث الواردہ فی ان الطلاق الثلاث واحدہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ: اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ کسی صحابی، تابعی یا ائمۂ سلف میں سے حلال و حرام کے بارے میں قابلِ اعتبار فتوے دینے والے کسی ایک امام کا بھی اس مسئلہ کے متعلق کوئی ایسا صریح قول ثابت نہیں کہ مدخول بہا بیوی کو جب ایک لفظ کے ساتھ اکٹھی تین کی تین طلاقیں دے جائیں تو وہ صرف ایک طلاق ہی سمجھی جاتی ہو۔ یعنی سب ائمۂ سلف کے نزدیک بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی بنتی ہیں۔ (غایۃ السعایہ ج ۳ ص ۳۷۲)

⑫ نیز علامہ ابن رجبؒ نے اپنی دوسری کتاب "المحرر" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک کلمہ یا دو تین کلموں میں تین طلاقیں دی جائیں، تو وہ سب واقع ہونگی، اگرچہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے۔ (المحرر ج ۲ ص ۵۱)

## علامہ علی بن عقیل بن محمد بن عقیل بن عبد اللہ ابو الوفا حنبلی

⓬ حضرت علامہ ابو الوفا ابن عقیل حنبلیؒ نے التذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص انت طالق ثلاثا الا طلقتین کہے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، کیونکہ اس شخص نے اکثر کا استثناء کیا ہے۔ اور ایسا استثناء صحیح نہیں ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵، وغایۃ السعایہ ص ۸۱۸)

## امام ابو النجاء شرف الدین حنبلی

⓭ حضرت امام ابو النجاء شرف الدین حنبلیؒ (متوفی ۹۶۸ھ) نے الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبلؒ میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثا کہے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ جیسے

○ کوئی شخص تین طلاقوں کی نیت کرکے انت طالق ثلاثا کہے تب بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

○ اور اگر تین کی نیت کرکے صرف ایک بار انت طالق کہے تب بھی تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے انت طالق ھکذا کہے، یعنی تین انگلیوں کے اشارہ کے ساتھ کہ تُو اتنی طلاقوں والی ہے، تو اس صورت میں بھی تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبلؒ ج ۴ ص ۱۶)

## قاضی ابو الحسن بن ابی یعلی حنبلی

⓮ حضرت قاضی ابو الحسن بن ابی یعلی نے طبقات الحنابلہ میں مسدد بن مسرہد کے ترجمہ یعنی حالات بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص بیک لفظ اکٹھی تین طلاقیں دے گا تو یہ اس شخص کی جہالت ہے۔ اور اس طرح کہنے سے اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہوگئی، اور وہ کبھی حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔

## علامہ حافظ جمال بن عبد الهادی حنبلی

○ حضرت حافظ جمال بن عبد الهادی حنبلیؒ نے "السیر الحاث فی علم الطلاق الثلاث" میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور وہ مطلقہ عورت اس طلاق دہندہ مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ وہ عورت کسی دُوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے۔

○ آپ نے مزید فرمایا کہ اسی قول کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے اصحاب کی کتابوں میں بڑے جزم و یقین اور وثوق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

○ حضرت علامہ خرقی کی کتابیں، مسلک حنبلی کی کتاب الهدایہ، مقنع، اور المحرر وغیرہ میں بڑی وضاحت سے یہی مسلک بیان کیا گیا ہے۔ نیز:

○ حضرت حافظ احمد بن محمد بن ہانی ابوبکر اثرم طائی (متوفی قریباً ۲۶۰ھ) نے فرمایا کہ خود میں نے اپنے استاذ حضرت ابوعبداللہ امام احمد بن حنبلؒ سے رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تھا جو حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے اور جس میں آتا ہے کہ عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی سمجھا جاتا تھا" تو آپ اس سے پیدا ہونے والے شبہ کا دفعیہ کس طرح فرماتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ارشاد فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دُوسرے متعدد تلامذہ کرام کی روایات کے ذریعے، جن میں آتا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہیں۔ اور شروح میں اسی قول کو مقدم رکھا گیا ہے۔ نیز:

○ حضرت ابنِ قدامہؒ نے مغنی میں اسی قول پر وثوق اور اعتماد کیا ہے۔ نیز:

○ اکثر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی قول معتبر ہے، اور وہ اس کے سوا دُوسرا کوئی قول بھی بیان نہیں فرماتے۔ (اعلاء السنن ص۱۷۵ ج۱۱)

## شیخ ابو محمد عبد القادر جیلانی حنبلی

⑫ حضرت شیخ ابو محمد عبد القادر جیلانی الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۵۶۱ھ) نے رافضیوں اور یہودیوں کی کئی اُمور میں باہم مماثلت بیان کی ہے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے: الیھود لا تری فی الطلاق الثلاث شیئا وکذلک الروافض (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۶۲ طبع مصر) یعنی جس طرح یہودی تین طلاقوں کو کوئی شے نہیں سمجھتے بالکل اسی طرح روافض بھی تین طلاقوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے۔

## امام شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ حنبلی

⑬ حضرت امام ابن تیمیہؒ کے شاگردِ رشید حضرت امام ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۳۲۶ میں حضرت امام ابو الحسن علی بن عبد اللہ ابراہیم اللخمی المشطی کی کتاب الوثائق الکبیر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: اَلْجَمْهُوْرُ مِنَ الْعُلَمَاءِ اِنَّهٗ يَلْزَمُهُ الثَّلَاثُ وَبِهِ الْقَضَاءُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَهُوَ الْحَقُّ الَّذِیْ لَا شَكَّ فِيْهِ کہ جو شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو تینوں طلاقیں لازم ہو جانے پر جمہور علماء کا باہم اتفاق ہے، اور یہی فیصلہ ہے اور اسی طرح فتویٰ ہے اور حق بات بھی یہی ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی بھی شک وشبہ نہیں۔

○ نیز امام ابن قیم نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ جمہور علماء نے ① امیر المومنین سیدنا امام عمر بن الخطاب ② امیر المومنین سیدنا امام علی ③ سیدنا عبد اللہ بن مسعود ④ سیدنا عبد اللہ بن امام عمر ⑤ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص ⑥ سیدنا عبد اللہ بن عباس ⑦ سیدنا عبد اللہ بن زبیر ⑧ سیدنا عمران بن حصین ⑨ سیدنا مغیرہ بن شعبہ ⑩ امیر المومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔

○ اسی طرح ⑪ سیدنا ابو ہریرہ ⑫ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ۔ اور ⑬ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (اغاثۃ اللھفان ص ۳۲۲)

# عُلماءِ احناف کا مسلک

## امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی التیمی الکوفی

**1** حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

○ جب کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس طلاق دہندہ مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ عورت کسی دُوسرے مرد سے نکاح کرے۔

○ اور اگر اس مرد نے الگ الگ تین بار انت طالق انت طالق انت طالق کہا ہو تو پہلی مرتبہ انت طالق کہتے ہی وہ عورت اس مرد سے بائن ہوگئی اور دُوسری و تیسری طلاقیں بے سود ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت امام محمدؒ نے کتابُ الآثار ص ۷۱ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ یاد رہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں، صحابۂ کرامؓ کے فیصلوں اور فتووں، تابعین کرامؒ کے فتووں اور تمام ائمۂ مجتہدینؒ، اور ان کے متبعین کے مسلک اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں سرِمُو فرق نہیں ہے، اور اُن کے تلامذہ و متبعین کا مسلک بھی یہی ہے۔ مثلاً:

## امام محمد بن حسن بن فرقد ابوعبداللہ شیبانی حنفی

**2** حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے مشہور تابعی حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

○ جب کسی شخص نے دخول سے پہلے ہی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہوگئی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ اور اگر اس مرد نے الگ الگ انت طالق انت طالق کہا، تو پہلی کے ساتھ وہ عورت اس مرد سے بائن ہوگئی اور دوسری اور تیسری طلاق کسی اجنبی عورت کو طلاق دینے کی طرح ہے۔ اور پھر امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔ (کتاب الآثار ص ۷۱)

○ نیز آپ نے مؤطا میں وہ روایت بھی نقل فرمائی ہے جس میں آیا ہے کہ کسی شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اسی عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کا خیال پیدا ہوا تو مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا تو سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ دونوں نے بیک زبان فرمایا کہ اب وہ عورت اس شخص کے لیے حلال نہیں رہی حتی تنکح زوجا غیرہ۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے تو ایک مرتبہ ہی کہا تھا۔ تو اس پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تو نے اکٹھی تینوں چھوڑ دی ہیں تو اب باقی کیا رہا۔ ایک دو ہوتیں تو پھر کچھ گنجائش نکل سکتی تھی۔ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد حضرت امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور ہمارے دیگر تمام فقہاء کرامؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (موطا امام محمد ص ۲۶۳)

## امام یعقوب بن ابراھیم بن حبیب قاضی ابو یوسف حنفی

۳ حضرت امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) نے بھی حضرت ابراہیم نخعیؒ کے حوالے سے فرمایا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو انت طالق انت طالق انت طالق تین بار کہے تو وہ عورت پہلی بار انت طالق کہتے ہی مرد سے جدا ہو جاتی ہے۔ یعنی نکاح ہو جاتا ہے اور عدت بھی نہیں ہوتی، اس لیے بعد والی دو طلاقیں غیر مملوکہ اور اجنبیہ کو ہوئیں جو بے سود ہوتی ہیں۔ اور جب اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔ (کتاب الآثار ص ۱۳۱)

## امام احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ ابو جعفر طحاوی حنفی

۴ حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو صرف ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے ڈالے خواہ وہ عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، تو وہ تینوں طلاقیں اس پر لازم ہو گئیں۔ اور وہ عورت

اس پر حرام ہوگئی اور اب نکاح جدید کے ساتھ بھی اس کے ساتھ جماع جائز نہیں۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (مختصر طحاوی ص ۱۹۶)

## امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد ابوالبرکات نسفی حنفی

⑤ حضرت امام ابوالبرکات نسفیؒ (متوفی سنہ ۷۱۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک طہر کے مختلف اوقات میں، یا صرف ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے دینا بدعت ہے۔ (کنز الدقائق ص ۵۲)

## امام برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل حنفی

⑥ حضرت امام برہان الدین علی بن ابی بکرؒ (متوفی سنہ ۵۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ طلاق بدعی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی، یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے ڈالے، اس طرح تینوں طلاقیں بھی واقع ہوجائیں گی اور طلاق دہندہ گنہگار بھی ہوگا۔ (ہدایہ ص ۳۳۵)

## امام نصر بن محمد بن ابراہیم ابواللیث سمرقندی حنفی

⑦ حضرت امام فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ (متوفی سنہ ۳۷۵ھ) نے تحریر فرمایا کہ اگر غیر مدخول بہا کو ایک طلاق دے تو وہ بائن ہوجاتی ہے۔

اور اگر اکٹھی تین طلاقیں دے تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔

اور اگر الگ الگ کرکے دو یا تین دے تو پہلی طلاق واقع ہوجائے گی، اور دوسری و تیسری واقع نہ ہوگی، کیونکہ محل نہیں رہا۔ (فتاویٰ النوازل ص ۱۳۲)

## امام عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محبوبی حنفی

⑧ حضرت امام عبید اللہ بن مسعود محبوبیؒ (متوفی سنہ ۷۴۵ھ) نے تحریر فرمایا کہ اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔

اور اگر الگ الگ کرکے دیں تو پہلی سے بائن ہوجائے گی اور دوسری اور تیسری طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ یعنی وہ عورت ایک طلاق سے اجنبی ہوجاتی ہے اس لیے باقی طلاقیں مؤثر نہیں ہوتیں۔ (شرح الوقایہ ج ۲ ص ۸۲)

# علماء ظاہریہ کا مسلک

## علامہ علی بن احمد بن سعید بن حزم ابو محمد ظاہری

علامہ ابن حزم ظاہری نے محلی ج ۱۰ ص ۲۰۷ میں تحریر فرمایا ہے

1. حضرت علامہ ابن حزم ظاہری نے محلی ج ۱۰ ص ۲۰۷ میں تحریر فرمایا ہے
ثم وجدنا حجة من قال ان الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة قول الله تعالىٰ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. فهذا يقع الثلاث مجموعة و مفرقة. ولا يجوز ان يخصص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص. کہ پھر ہم نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو بدعت نہ سمجھنے بلکہ سنت سمجھنے والوں کو یہ دلیل دیتے ہوئے پایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: "پھر اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک کہ وہ عورت کسی اور مرد سے شادی نہ کرلے"۔

- اس آیتِ کریمہ کا مضمون ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی ایک ہی مجلس میں ایک لفظ کے ساتھ مجتمعۃً دی جائیں۔ اور ان تینوں طلاقوں پر بھی اسی طرح صادق آتا ہے جو متفرق طور پر الگ الگ کرکے دی گئی ہوں۔
- اور قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کو اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کے علاوہ صرف متفرق اور الگ الگ کرکے دی ہوئی تین طلاقوں کے ساتھ بغیر کسی نص کے مخصوص کرنا جائز نہیں۔ (محلی لابن حزم ج ۱۰ ص ۲۰۷)

## علامہ شمس الحق عظیم آبادی

1. حضرت علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ دی ہوئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کی صحت پر علماء کرام کا اجماع ہے۔ (التعلیق المغنی ص ۴۳۰)

# خاتمہ

- شریعتِ موسویہ میں طلاق کی اجازت سے بنی اسرائیل نے ناجائز فائدہ اٹھایا، تو
- شریعتِ عیسویہ میں اللہ تعالیٰ نے زجراً طلاق کی اجازت کو منسوخ فرمادیا۔ لیکن
- شریعتِ محمدیہ میں چند قیود کے ساتھ پھر سے طلاق کی اجازت عطا فرمادی کہ اگر عورت میں سرکشی پیدا ہونے لگے تو اس کی اِصلاح کے لیے کوشش کی جائے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار منزلیں بیان فرمائیں، جن کے بعد طلاق کی اجازت ہے۔
- پہلی منزل ہے فَعِظُوهُنَّ کہ انھیں نرمی کے ساتھ سمجھاؤ۔ اور شریف عورت کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے، اس لیے غصے میں کوئی سخت کارروائی نہ کریں۔
- دُوسری منزل ہے وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کہ ان کے ساتھ ہمبستری میں مقاطعہ کرلیں لیکن پہلے تحقیق کرنا ضروری ہے کیونکہ بدگمانی میں ایسا کرنا جائز نہیں۔
- تیسری منزل ہے فَاضْرِبُوهُنَّ کہ اگر اِصلاح کے پہلے دونوں طریقے کارگر نہ ہوں تو انھیں مسواک جیسی چیز سے ہلکا سا مار بھی لیں، اس سے زیادہ منع ہے۔
- چوتھی منزل فَابْعَثُوا حَكَمًا ہے کہ اگر سابقہ تینوں درجوں میں اصلاح نہ ہوسکے تو اس صُورت میں دونوں میاں بیوی کی طرف سے پنچ مقرر کیے جائیں، تاکہ وہ ان دونوں کے درمیان مصالحت و مفاہمت کے لیے کوشش کریں۔ (۳۵،۳۴:۴)
- ان منازلِ اربعہ کے بعد بھی اگر صلح کی کوئی صُورت نہ نکلے تو پھر شرعی حکم کے مُطابق طلاق کی اجازت ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طُہر میں ہمبستری نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے کر خاموش ہوجائے اور دُوسری طلاق نہ دے۔
- اور اس کے بعد تین حیض پُورے ہونے تک اس عورت کو طلاق دہندہ اپنے گھر میں عدّت گزارنے دے اور عدّت کے بعد عورت آزاد ہوجاتی ہے۔
- اور دورانِ عدّت عورت کا نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام مرد پر فرض ہے۔
- جو شخص شریعتِ مطہرہ کے مطابق ایک طلاق دے گا اسے شرعاً عدّت کے دوران رجوع اور بعد از عدّت تجدیدِ نکاح کر لینے کا حق بھی حاصل ہے۔

- اور اگر دور جاہلیت کی طرح رجوع کرنے سے اصلاح مقصود نہ ہو بلکہ ایک بار پھر طلاق دینا، یا بار بار طلاق دے کر رجوع کرتے رہنا مقصود ہو تو یہ جائز نہیں
- اسی جاہلانہ طریقہ کو ختم کرنے کے لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (۲ : ۲۲۹) یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند کو رجوع کا حق دیا گیا ہے اس کی آخری حد دو طلاق ہے۔ خواہ دو طلاقیں اکٹھی دے یا الگ الگ ایک ہی مجلس میں یا مختلف اوقات میں، ایک طہر میں یا مختلف طہروں میں یا کئی سال گزرنے کے بعد دوسری طلاق دے، اس وقت تک اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر کسی نے تیسری طلاق بھی دے دی (فان طلقھا ۲ : ۲۳۰) تو وہ شریعت کی بتائی ہوئی آخری حد سے تجاوز کر گیا، اس لیے اب وہ عورت (لَا تَحِلُّ لَهٗ) اس طلاق دہندہ کے لیے حلال نہ رہی حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔
- بہرحال فرمانِ الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ رجوع کی آخری حد بتانے میں نص ہے اور

**نص کا معنی:** مَا سِیْقَ لَهُ الْکَلَامُ ہے۔ یعنی جس غرض کے لیے کلام چلائی گئی ہو، اور اس آیتِ مبارکہ میں دورِ جاہلیت کی بے راہ روی کو روکنے کے لیے رجوع کی آخری حد بتائی گئی ہے۔ جبکہ الگ الگ کر کے دو طلاقیں دینا ظاہر عبارت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ اور ظاہر سے نص مقدم ہوتی ہے۔

- چونکہ اس آیت سے رجوع کی آخری حد بتانا مقصود ہے کہ اس کی حد دو طلاقیں ہے یہ مطلب نہیں کہ دو طلاقیں الگ الگ دی جائیں اور اکٹھی نہ دی جائیں یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے پر ناراضی کا اظہار فرمایا تھا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے آگے قدم رکھ کر اپنا گھر برباد کر لیا تھا۔ جو دوبارہ آباد نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ تنکح.... اور دنیا کا بڑے سے بڑا عالم دین اور مفتی ان تین طلاقوں کو کالعدم قرار نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص غصے کی حالت میں اپنی بیوی کے گلے پر چھری چلا کر

اس کا سر تن سے جُدا کر دے اور پھر اپنا اُجڑا ہُوا گھر دوبارہ آباد کرنے کی غرض سے یورپ و امریکا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ معالج و جراح Doctor Surgeon کے پاس جاکر اس کی منت سماجت کرتے ہُوئے کہے کہ مجھ سے غصے کی حالت میں ایسا کام ہوگیا ہے، اس لیے آپ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہُوئے اسے زندہ کر دیں تاکہ میرا اُجڑا ہُوا گھر پھر سے آباد ہو جائے۔ لیکن جس طرح یہ ناممکن ہے، اسی طرح تین طلاقوں کے بعد دوبارہ گھر آباد کرنا بھی ناممکن ہے۔ نیز:

**الطلاق مرتان** کے لفظ سے الگ الگ طہروں میں دو طلاقیں دینا ہی مراد نہیں، اور نہ ہی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور جو دو طلاقیں مراد ہیں ان کی کئی صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: ○ ایک ہی مجلس میں ایک کلمہ کے ساتھ "تجھے دو طلاقیں ہیں"۔ ○ ایک مجلس میں الگ الگ "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے" کے الفاظ کہنا۔ ○ دو مختلف مجلسوں میں، ○ مختلف اوقات، یا ○ مختلف طہروں میں الگ الگ طلاق دینا۔ یہ سب کے سب "مرتان" میں شامل ہیں، جیسا کہ:

○ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ عہد نبوی میں بھی لوگ ایک ہی مجلس میں دو یا تین طلاقیں بھی دے دیا کرتے تھے، اور ان پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو یا تین طلاقوں کے وقوع کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں یہ کہیں نہیں آیا کہ ایک مجلس کی دو یا تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں، البتہ:

○ الفاظ کنایات میں سے "بتہ" کا لفظ ایسا ہے کہ جس میں نیت کا لحاظ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق کی نیت سے بتہ طلاق دینے والے سے قسم لے کر اسے ایک رجعی طلاق قرار دیا تھا۔

○ اہل علم جانتے ہیں کہ اگر تین کا ارادہ ہو تو بتہ، خلیہ، اور بریّہ میں سے کوئی سا لفظ صرف ایک مرتبہ کہنے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، محدثین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک شخصیت نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ:

○ بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض غیر صحابی علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جن کا نام لیا جاتا ہے' ○ اول تو وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں' ○ دُوسرے یہ کہ وہ سب عجمی ہیں' جنھوں نے بتہ سے تین طلاقیں کہیں' ○ تیسرے یہ کہ ان کا اختلاف اجماعِ صحابہ کے بعد ہُوا، جو قرآن مجید کی رو سے مردود ہے' ○ چوتھے یہ کہ اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں کی اعتقادی و عملی زندگی مشکوک ہے' اگرچہ وہ علم کا پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں' جن میں سے ○ ایک تو وہ کوئی بوڑھا ہے' جس نے اس غلط مسئلے کی جھوٹی نسبت امام علیؓ کی طرف کر دی' ○ اور بعض وہ ہیں جنھوں نے امام جعفر صادقؒ کی طرف نسبت کی'

○ اور بعض نے علماء متاخرین کے تسامح کو ان کے علمی مقام سے مرعوب ہو کر سر آنکھوں پر رکھ لیا' اور یہ بھی نہ سوچا کہ کبھی سوار گر بھی پڑتے ہیں اور تیراک ڈوب بھی جاتے ہیں'

○ اور بعض وہ بھی ہیں جو نصِ قطعی اور متواتر احادیث و آثار کے ہوتے ہوئے اپنے قیاس کو دخل دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں۔

○ اور اگر اس شرذمۂ قلیلہ اور تھوڑی سی ٹولی کو قابلِ توجہ سمجھا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس شرذمۂ قلیلہ نے اس مسئلہ میں شبہ پیدا کر دیا۔ اس لیے اس متفق علیہا مسئلہ کو اختلافی مسئلہ نہیں کہا جا سکتا' جن میں سے ایک راجح اور دُوسرے کو مرجوح قرار دے کر راجح کو معمول بہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو بات شبہ کی ہے' جبکہ شرعاً شبہ کی چیز سے بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ:

○ امیر المومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جدِ امجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ معصوم سے سُنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ کہ جس کام میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو چھوڑ کر اس کام کو اختیار کرو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۹)

○ نیز یہی فرمانِ رسولؐ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۰ و ج ۳ ص ۱۵۳ و ۱۱۲ و جامع صغیر ج ۲ ص ۱۱ میں سنن نسائی و معجم کبیر طبرانی و ترمذی و صحیح ابن حبان وغیرہ کے حوالے سے منقول ہے۔

○ علاوہ ازیں اور بھی کئی احادیثِ صحیحہ میں شبہ کی چیز سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔
لہٰذا اگر اس شرذمۂ قلیلہ کے قول سے حلال و حرام کے اس مسئلہ میں شبہ پیدا ہو گیا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وائمہ مجتہدین اور ان کے متبعین کو دیکھیں تو ان کے نزدیک الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور اس مطلقہ بثلاث عورت کو گھر بسانا گویا زنا ہے، اور شرذمۂ قلیلہ کو دیکھیں تو اُن کے نزدیک وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال ہے۔ اور چونکہ حلال و حرام کے معاملے میں شبہ کی چیز سے بچنا فرض ہے اس لیے حُرمت کا فتویٰ دینا ہی ضروری ہے۔ جیسا کہ:

○ اگر کوئی پیاسا شربت پینے لگے تو کوئی شخص شبہ ڈال دے کہ اس مشروب میں زہر ملایا گیا ہے، جبکہ دُوسرا شخص اس کی تردید بھی کر دے تو عقلمند آدمی وہی ہوگا جو اس مشروب کو پینے کی بجائے پیاسا رہنے کو ترجیح دے گا۔

○ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیرِ بحث مسئلۂ طلاق میں شبہ کی کوئی بات نہیں، اور ہم ناقابلِ تردید دلائلِ واضحہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں وہ تین ہی شمار ہوتی ہیں اور مطلقہ بثلاث طلاق دہندہ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ اور اس بات کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صدیقیؓ میں تین کو ایک سمجھنے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو شرعی احکام کا اچھی طرح علم نہیں تھا بس وہ لوگ ہی تین کو ایک سمجھتے تھے اور نہ ہی طلاق کی کوئی حد ہی ان کے یہاں مقرر تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ جاہلی طریقہ کے مطابق بار بار طلاق دے کر رجوع کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی طریقہ کو منسوخ کر کے رجوع کا حق صرف دو طلاقوں تک محدود فرما دیا۔ لیکن اس شرعی حکم کا علم بہت کم لوگوں کو ہوا امیر المؤمنین سیدنا امام عمرؓ نے ایک مجلس علمی میں اس مسئلہ کو مشتہر فرما دیا اور اس طرح اس مسئلہ کا شمار بھی امام عمرؓ کی شرعی اصلاحات میں ہونے لگا جیسا کہ:

## امام عمرؓ کی شرعی اصلاحات

○ اُمِ ولد کو بیچنا عہدِ نبویؐ میں منسوخ ہو چکا تھا، لیکن بہت سے صحابہؓ اس کا علم نہ ہو سکا اور وہ اسے جائز سمجھتے رہے، پھر امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرما دیا۔ (دیکھیے: مشکوٰۃ ص ۲۹۰)

○ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ ہم (صحابۂ کرامؓ) عہدِ نبویؐ اور عہدِ صدیقؓ میں متعہ کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں متعہ سے روک دیا، پھر ہم نے کبھی متعہ نہ کیا۔ (دیکھیے: صحیح مسلم ص ۴۵۱)

○ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں لوگ متعہ کو جائز سمجھتے تھے، اور جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو مسلموں میں یہ حیا سوز کام دیکھا تو انھیں مختلف مواقع پر اس فعلِ قبیح سے منع فرمایا۔ لیکن یہ بات بھی تمام صحابہؓ تک نہ پہنچی، اور نسخِ متعہ کا یہ حکم صرف انہی لوگوں تک محدود رہا جنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے سُن لیا تھا۔ مثلاً:
○ بعض صحابہؓ نے غزوۂ خیبر میں سُنا تو وہ اس سے رُک گئے۔ ○ اور بعض وہ صحابہؓ جو غزوۂ خیبر میں موجود نہ تھے تو انھوں نے فتحِ مکہ کے موقع پر سن لیا۔
○ اور بعض نے غزوۂ اوطاس میں، ○ اور بعض نے غزوۂ تبوک میں، ○ اور بعض حجۃ الوداع کے موقع پر سُن سکے، اور وہ اس کام سے باز آ گئے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے صحابہؓ کو نسخِ متعہ کے اس حکم کا علم نہ ہو سکا۔ پھر امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ بعض لوگ نسخِ متعہ کے متعلق شرعی حکم کا علم نہ ہونے کی وجہ سے متعہ کو جائز سمجھتے ہیں جس کا دورِ جاہلیت میں رواج تھا، تو انھوں نے نسخِ متعہ کے شرعی حکم کی تشہیر فرمائی تاکہ آئندہ کوئی شخص زنا جیسے اس گھناؤنے جرم کا مرتکب نہ ہو۔

○ اسی طرح بعض روایات میں نمازِ جنازہ کے دوران پانچ تکبیروں کا ذکر آتا ہے جبکہ بعض روایات میں چار، بعض میں چھ، بعض میں سات اور بعض میں

آٹھ تکبیروں کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس بات کا ذکر بھی ان روایات میں موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں لوگ اسی طرح مختلف تعداد میں تکبیریں کہتے تھے۔

○ امیر المومنین نے اپنے عہدِ خلافت میں جب یہ ماجرا دیکھا تو فرمانے لگے کہ آپ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہونے کے باوجود اگر باہم اختلاف کریں گے تو آپ کے بعد آنے والے لوگ تو اور بھی زیادہ اختلاف کریں گے، کیونکہ یہ لوگ ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں، اس لیے آپ تمام کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں تو آپ کے بعد آنے والے لوگ بھی متفق رہیں گے۔ (دیکھیے: سنن نسائی ص ۲۸۱ مع حاشیہ و کتاب الآثار محمدؒ)

○ اس کے بعد صحابۂ کرامؓ نے اس سلسلے میں غور کیا اور تمام اس نتیجے پر پہنچے کہ چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری جنازے میں صرف چار تکبیریں کہی تھیں اس لیے چار تکبیریں ہی کہنی چاہئیں، اور پھر اس پر ہی تمام صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔ اور صحابہ کا اتفاق اور اجماع حجتِ شرعیہ سمجھی جاتی ہے۔ (طحاوی)

○ اسی طرح امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اور بھی کتنی شرعی اصلاحات کا خصوصی اہتمام فرما کر اُمتِ محمدیہ پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ حَمَلَةِ الْوَحْيَيْنِ الْعَامِلِيْنَ الْكَامِلِيْنَ
الَّذِيْنَ لَا يُتَّهَمُوْنَ بِالتَّقْصِيْرِ فِيْ مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ وَكَانُوْا أَطْوَعَ
النَّاسِ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ. سِيَّمَا عَلَى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ
الَّذِيْنَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْهِمْ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

# حق الاظہار

## فی تحقیق

# معنی الشغار

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

# حق الاظہار فی تحقیق معنی الشغار

مصنف: شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی

ہمارے دوست محترم قاری عبدالقیوم صاحب کو ان کے کسی دوست نے مجلہ "الدعوۃ" بابت ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ دکھایا اور کہا کہ اس کے صفحہ ۳۰ پر وٹہ سٹہ کی شادی کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب شائع ہوا ہے۔ جسے پڑھ کر بہت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ ہمارے معاشرے کا تقریباً نصف حصہ اس فتویٰ کی زد میں آتا ہے۔ محترم قاری صاحب موصوف نے وہ رسالہ حضرت علامہ نیلوی مدظلہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس کے متعلق اپنی محققانہ رائے لکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے اسے پڑھ کر اہل لغت و محدثین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کی روشنی میں اس کا جواب تحریر فرمایا۔ سب سے پہلے مجلہ "الدعوہ" میں شائع ہونے والا سوال اور محترم مبشر احمد ربانی صاحب کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی کا جواب الجواب لکھا جائے گا۔ (ایڈیٹر)

---

**سوال** ہمارے معاشرے میں بے شمار رسم و رواج ایسے ہیں کہ ان سے نجات پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور خاندان و کنبہ والے افراد سے بائیکاٹ کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس معاشرے میں رہتے ہوئے نکاح کے مسائل میں سے ایک مسئلہ درپیش ہے کہ وٹہ سٹہ شادی کا شرعی طور پر کیا حکم ہے کتاب و سنت کی روشنی سے وضاحت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

(ایک سائل، سندھ)

**جواب** (از محترم مبشر احمد صاحب) نکاح وٹہ سٹہ کو شرعی طور پر "شغار" کہا جاتا ہے اور شغار کی ممانعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایک احادیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاشغار فی الاسلام۔ (صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح الشغار و بطلانہ (۱۴۱۵) ۲/ ۱۰۳۵۔ مسند احمد ۲/ ۹۱' ۳۵) اسلام میں نکاح شغار نہیں ہے۔

○ یہ روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح بھی مروی ہے: "ان رسول اللہ نھی عن الشغار" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار (وٹہ سٹہ) سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح الشغار و بطلانہ (۱۴۱۵) ۲/ ۱۰۳۴۔ موطا امام مالک' باب جامع مالا یجوز من النکاح (۲۴)۔ کتاب الام للشافعی ۵/ ۷۹۔ صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب الشغار (۵۱۱۲) و کتاب الحیل (۶۹۶۰)۔ ابو داؤد' کتاب النکاح' باب الشغار (۲۰۷۴)۔ ابن ماجہ (۱۸۸۳)۔ مسند احمد: ۲/ ۷' ۱۹' ۳۵' ۶۲

○ نیز یہی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم' سنن نسائی' ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں بھی مروی ہے اور انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ ابن حبان اور مسند احمد میں' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ترمذی' ابو داؤد نسائی' ابن حبان و ابن ابی شیبہ' مسند طیالسی اور مسند احمد میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مسلم' بیہقی اور مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

○ غرض اس صحیح ترین حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وٹہ سٹہ کی شادی شرعی طور پر ناجائز و حرام ہے اور نکاحِ شغار کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کی زیر ولایت ہو اس شرط پر بیاہ دے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کی زیر ولایت ہو بیاہ دے۔ اور یہ شرط شرعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی شرط کتاب و سنت میں موجود نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

○ کُلُّ شَرْطٍ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ بَاطِلٌ۔ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔ مسند احمد: ۲/ ۲۱۳' ۱۸۳ نیز بخاری' کتاب البیوع'

باب اذا اشترط فی البیع شروطا لا تحل (۲۱۶۸)
صحیح مسلم ، کتاب العتق (۱۵۰۴) وغیرہ میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:
مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ. (الحدیث)
ایسے لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں؟ ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے۔ اگرچہ وہ سو (۱۰۰) شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولا یحل نکاح الشغار. وهو ان یتزوج هذا ولیة هذا علی ان یزوجه الآخر ولیته ایضا. سواء ذکرا فی کل ذلک صداقا لکل واحدة منهما اولا حدهما دون الاخری او لم یذکرا فی شیٔ من ذلک صداقا. کل ذالك سواء. المحلی: ۹/۱۱۸. نکاح وٹہ سٹہ حلال نہیں اور وٹہ سٹہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی زیر ولایت لڑکی سے اس شرط پر شادی کرے کہ وہ دوسرا آدمی بھی اپنے زیر ولایت لڑکی کو اسی طرح اس کے ساتھ بیاہ دے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ انھوں نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو، یا ایک کا مہر ذکر کیا ہو اور دوسری کا نہ کیا ہو، یا دونوں میں سے کسی کا بھی حق مہر ذکر نہ کیا ہو۔ یہ تمام صورتیں برابر ہیں۔

البتہ شغار (وٹہ سٹہ) کی جو تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی اس شرط پر دوسرے کو بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا اور ان دونوں کا مہر نہ ہو تو یہ نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری "کتاب الحیل" (۶۹۶۰) میں ہے کہ عبیداللہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں: قلت لنافع ما الشغار. قال ينكح ابنة الرجل وينكحه ابنته بغير صداق، وينكح اخت الرجل وينكحه اخته بغير

صداق۔ میں نے نافع سے کہا شغار کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کی بیٹی سے اس طرح نکاح کرے کہ وہ دوسرا اسے اپنی بیٹی نکاح کر دے اور درمیان میں مہر نہ ہو اور دوسرے آدمی کی بہن سے اس طرح نکاح کرے کہ وہ اسے اپنی بہن نکاح میں دے دے اور درمیان میں حق مہر نہ ہو۔۔۔ اگرچہ شغار کی اس تعریف میں یہ اختلاف کیا ہے کہ یہ امام مالک' یا نافع' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح ہے۔ لیکن صحیح تر قول یہی ہے کہ یہ نافع کی تشریح ہے۔ اور اس میں مہر کی قید اتفاقی ہے۔ شغار میں اصل نکاح کا مشروط کرنا ہے کہ دوسرا بھی اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح اسے کر دے اور یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے۔

○ عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان العباس بن عبداللہ بن العباس انکح عبدالرحمٰن بن الحکم ابنته و انکحه عبدالرحمٰن ابنته وکانا جعلا صداقًا فکتب معاویة الی مروان یأمره بالتفریق بینهما و قال فی کتابه ھذا الشغار الذی نھی عنه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابوداؤد' کتاب النکاح باب فی الشغار (۲۰۷۵)۔ مسند احمد: ۴/ ۹۴۔ ابن حبان (۱۲۶۸)۔ عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمٰن بن الحکم کو اپنی بیٹی نکاح میں دی اور عبدالرحمٰن بن الحکم نے عباس کو اپنی بیٹی نکاح میں دے دی اور ان دونوں نے مہر بھی مقرر کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (امیر مدینہ) مروان کو خط لکھ کر حکم دیا کہ ان دونوں نکاحوں میں جدائی کر دی جائے اور اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

○ امام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فھذا معاویة بحضرة الصحابة لا یعرف له منھم مخالف۔۔۔ یفسخ ھذا النکاح وان ذکرا فیه الصداق

ويقول انه الذى نهى عنه رسول الله ﷺ فارتفع الاشكال جملة (المحلى: ۹/ ۱۲۲) یہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس نکاح شغار کو فسخ کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ان کی مخالفت کرنے والا نہیں۔ اگرچہ اس میں دونوں نے مہر کا ذکر بھی کیا ہو۔ اور فرماتے ہیں یہ وہ نکاح ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ اس سے تمام اشکال اٹھ جاتے ہیں۔

○ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے شغار قرار دیا تھا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے مطابق ان دونوں نکاحوں میں تفریق کروا دیتے ہیں اگرچہ انھوں نے مہر کو ذکر کیا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح شغار میں اصل چیز شرط ہے اور مہر ایک اتفاقی قید ہے۔ یہ لگائی جائے یا نہ لگائی جائے نفس مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ اور اس شرط کی بنیاد پر یہ نکاح حرام ہے۔ ایسے مشروط نکاح میں تفریق کروا دینی چاہیے۔

○ ہاں اگر کسی آدمی نے اپنے زیر ولایت لڑکی کا نکاح کسی دوسرے آدمی سے کر دیا اور کوئی رشتہ کی شرط نہیں لگائی پھر بعد میں دوسرے آدمی کا پروگرام بن جائے کہ وہ پہلے آدمی کو رشتہ دے دے تو اسے شغار (وٹہ سٹہ) نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس کی ممانعت حدیث میں کہیں وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

**جواب** (از حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی) دورِ حاضر کے وٹہ سٹہ اور دورِ جاہلیت کے نکاحِ شغار میں فرق ہے۔ کیونکہ وٹہ سٹہ میں جانبین سے مہر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جاہلیت کے شغار میں کسی طرف سے بھی مہر مقرر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ایک جسم کے عوض میں دوسرے کا جسم مہر بنا دیا جاتا تھا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ احادیثِ مشہورہ سے شغار کی حرمت صراحۃً ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لا

شغار فی الاسلام کہ اسلام میں شغار کا کوئی جواز نہیں۔ اور اس کی حرمت پر سب امت محمدیہ ﷺ کا اتفاق اور اجماع ہے۔ اور اس میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔

○ اب رہا یہ کہ "شغار" کے معنے کیا ہیں۔ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ "شغار" عربی لفظ ہے۔ عرب لوگ تو اہل لسان تھے۔ ان کو شغار کی تشریح کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز شغار کے نکاح کی غلط رسم جاہلیت کے دور میں عام تھی۔ جیسا کہ سب اہل لغت کہتے ہیں: "کان من نکاح الجاھلیة" اور عہد نبوی میں بھی یہ رسم کچھ مدت تک رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس ناجائز نکاح سے روکتے ہوئے فرمایا: "لا شغار فی الاسلام"۔

○ شغار کی تشریح کی ضرورت اعاجم کو تھی۔ اسی لیے عجم یعنی غیر عرب میں سے کسی نے جب کسی صحابی یا تابعی سے یہ حدیث سنی تو اس نے پوچھ لیا کہ شغار کیا ہوتا ہے۔ تو راوی نے کبھی حوالہ دیے بغیر شغار کے معنے بتائے اور کبھی اپنے استاد کے حوالے سے شغار کے معنے بتائے۔ اور بغیر حوالے کے بتانے سے کسی راوی نے سمجھ لیا کہ شاید یہ قول استاذ ہی کا ہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں کہیں تو آتا ہے کہ یہ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔ اور کہیں آتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے۔ اور کہیں آتا ہے کہ یہ نافع کا قول ہے۔ جیسا کہ یحییٰ کے استاذ عبید اللہ نے کہا کہ میں نے اپنے استاذ امام نافع سے پوچھا: ما الشغار تو امام نافع نے اس کا جواب دیا: الشغار ان یزوج الرجل الرجل ابنته علی ان یزوجه ابنته ولیس بینهما صداق کہ نکاح شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی بیٹی یا بہن یا اور کسی ایسے محرم کا اس طرح نکاح کرے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن یا اور کسی محرم سے اس کا نکاح کرے اور درمیان میں حق مہر نہ ہو۔

○ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۶ میں بھی

روایت نقل کر کے تحریر فرمایا ہے: لا ادری تفسیر الشغار فی الحدیث او من ابن عمر او نافع او مالک یعنی مجھے یہ معلوم نہیں کہ شغار کی یہ تفسیر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے یا حضرت عبد اللہ بن عمر کی طرف سے ہے۔ یا حضرت نافع کی طرف سے ہے یا حضرت مالک کی طرف سے۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس سند سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث پہنچی ہے اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ شغار کی تفسیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا صحابی سے یا تابعی سے یا تبع تابعی سے۔

○ اور موطا امام مالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریح حضرت امام مالک نے کی ہے۔ جیسا کہ ابن مہدی، قعنبی، محرز بن عون اور خطیب کا خیال ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو ان کی اپنی زبان تھی۔ جو شغار کا صحیح مفہوم سمجھتے تھے۔ لیکن:

○ دار قطنی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شغار کی یہ تفسیر اپنے استاذ سے سنی ہے۔ جو بظاہر امام نافع معلوم ہوتے ہیں۔ اور امام نافع چونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے مولیٰ اور عجمی ہیں۔ جنھوں نے عربوں سے عربی سیکھی۔ وہ اپنی رائے سے شغار کی تفسیر نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ انھوں نے اپنے استاذ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنی ہوگی۔ جو اہل لسان تھے اور شغار کی تفسیر کر سکتے تھے۔ لیکن ابو الولید باجی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بظاہر یہ حدیث کا ٹکڑا ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عربی عجمی سب بیٹھتے تھے۔ عجمیوں کو سمجھانے کے لیے خود آپ نے تفسیر فرمادی ہوگی۔ اور اس کی تائید حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ جو علامہ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۲۰۰ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشغار و الشغار ان ینکح ھذہ بھذہ بغیر

صداق بضع هذه صداق هذه و بضع هذه صداق هذه. کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ اور شغار یہ ہے کہ ایک عورت کا دوسری عورت کے عوض بغیر مہر کے نکاح کیا جائے۔ اس طرح کہ اس عورت کا عضو دوسری عورت کا مہر بن جائے۔ اور دوسری عورت کا عضو پہلی عورت کا مہر بن جائے۔

- اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ شغار کی تفسیر امام نافع نے اپنی طرف سے نہیں کی۔ کیونکہ اہل لسان حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بھی یہی تشریح فرمارہے ہیں۔ اور حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۳۳ میں یہی روایت علامہ بیہقی سے نقل کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ عربوں کے یہاں شغار کے یہی معنے تھے۔ اور امام نافع کے علاوہ دوسرے تابعین سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ چنانچہ:
- مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ جزء ۲ صفحہ ۳۸۰ میں حضرت سوید بن غفلہ تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) شغار کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور شغار یہ ہوتا ہے: الرجل یزوج الرجل علی ان یزوجه بغیر مهر
- اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابوالشیخ کی کتاب النکاح کا حوالہ دے کر ابو ریحانہ کی روایت پیش کی: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المشاغرۃ و المشاغرۃ ان یقول زوج ھذا من ھذہ و ھذہ من ھذا بلا مھر۔
- امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شغار کی یہ تفسیر بالکل صحیح ہے۔ اور اس تشریح کے موافق ہے جو اہل لغت نے بیان کی ہے۔
- شغار کا لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم معلوم کرنے کے لیے لغت کی معتمد علیہ کتابوں کا مطالعہ کیا گیا جن کی عبارات سطور ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

## اہلِ لغت کا بیان

❶ جمہرۃ اللغۃ جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ میں امام اللغت ابوبکر محمد بن الحسن بن درید الازدی البصری متوفی ۳۲۱ھ نے تحریر فرمایا ہے: شغر الکلب برجلہ اذا رفعھا لیبول وھو شاغر۔ ثم کثر ذلک حتی قالوا اشغرت ارض بنی فلان اذا لم یکن فیھا من یحمیھا ویمنع عنھا۔ وشغر الرجل المرأۃ للجماع و اشغرھا ایضاً اذا رفع رجلھا للجماع۔ وفی الحدیث: لا شغار فی الاسلام وھو ان یتزوج الرجلان کل واحد منھما باخت صاحبہ او بنتہ لیس بینھما مھر وکان من فعل الجاھلیۃ۔

❷ مجمل اللغۃ جلد ۱ صفحہ ۵۰۶ میں ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا نے تحریر فرمایا ہے: والشغار الذی نھی عنہ ھو ان یزوج الرجل آخر اختہ علی ان یزوجہ الآخر اختہ لیس بینھما الا ذلک۔

❸ نیز مقاییس اللغۃ جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ میں فرمایا: و الشغار الذی جاء فی الحدیث المنھی عنہ ان یقول الرجل للرجل زوجنی اختک علی ان ازوجک اختی لا مھر بینھما الا ذلک۔ وھذا من الباب لانہ امر لم ینضبط بمھر ولا شرط صحیح۔

❹ تاج المصادر صفحہ ۳۱۴ میں سید ابو جعفر احمد بن علی مقری بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: المشاغرۃ من الشغار وھو نکاح کان فی الجاھلیۃ وھو ان یقول الرجل للآخر زوجنی بنتک او اختک علی ان ازوجک اختی او بنتی علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخریٰ۔ کانھما رفعا المھر واخلیا البضع عنہ ومنہ الحدیث لا شغار فی الاسلام۔

❺ المغرب جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ میں ابوالفتح ناصر بن عبدالسید بن علی المطرزی متوفی ۶۱۶ھ نے فرمایا: الشغار ان یشاغر الرجل الرجل و ھو ان

يزوجه كريمته على ان يزوجه الآخر كريمته ولا مهر الا هذا.

❻ المصباح المنير جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ میں احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی نے تحریر فرمایا ہے: شاغر الرجلُ الرجلَ شغاراً من باب قاتل زوج كل واحد صاحبه حريمته على ان يضع كل واحدة صداق الأخرى ولا مهر سوى ذلك. وكان سائغا في الجاهلية.

❼ اساس البلاغۃ صفحہ ۳۳۲ میں علامہ ابو القاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری خوارزمی صاحب الکشاف نے تحریر فرمایا ہے: ولا شغار في الاسلام وهو ان يزوجه على ان يزوجه الآخر اخته ولا مهر الا ذلك.

❽ المحکم و المحیط الاعظم جلد ۵ صفحہ ۲۳۳ میں امام لغت ابو الحسن علی بن اسمٰعیل المعروف بہ ابن سیدہ متوفی ۴۵۸ھ نے فرمایا: شغر يشغر شغراً. رفع رجليه بال اولم يبل. شغر المرأة بالمرأة شغوراً. رفع رجلها للنكاح ........ والشغار ان تزوج الرجل امرأة ما كانت على ان يزوجك الاخرى بغير مهر.

❾ تہذیب اللغۃ جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۶ میں ابو منصور محمد بن احمد الازہری الهروی متوفی ۳۷۰ھ نے فرمایا: نهى رسول الله ﷺ عن الشغار. قال الشافعي و ابو عبيد و غيرهما من اهل العلم الشغار المنهى عنه ان يزوج الرجلُ الرجلَ حريمته على ان يزوجه المزوَّج حريمة له اخرى ويكون مهر كل واحد منهما بضع الاخرى.

❿ لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۴۱۷ میں ابن منظور نے بعینہٖ یہی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا: كأنهما رفعا المهر و اخليا البضع عنه وفي الحديث لا شغار في الاسلام.

⓫ الصراح جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ میں ابو الفضل محمد بن عمر بن خالد جمال قرشی نے تحریر فرمایا ہے: شغر شغور پائے برداشتن سگ بوقت خزیدن وخالی

مانند شمر از مردم ......... شغار بکسر الشین نکاح جاهلیت و هوان یقول الرجل لاخر زوجنی ابنتك ازوجك اختی علی ان صداق کل واحدة منهما بضع الاخری و نهی عنه فی الحدیث "لا شغار فی الاسلام".

② جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ میں عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری نے لکھا ہے: نکاح الشغار ان یتزوج الرجل بنتہ او اختہ علی ان یزوجہ الاخر بنتہ اور اختہ علی ان یکون بضع کل واحدة صداقا لاخری فالعقدان جائزان و یسمی نکاح الشغار لان فیه مبادلة و خلوا من المهر و یجب مهر المثل عندنا فی هذا النکاح. و قال الشافعی یبطل العقدان.

③ المنجد صفحہ ۳۹۳ میں ہے: شاغر مشاغرة و شغاراً زوج کل واحد صاحبہ امراة بشرط ان یزوجہ اخری بغیر مهر.

④ قاموس جلد ۲ صفحہ ۱۲ مطبع نولکشور میں علامہ مجد الدین محمد فیروز آبادی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: شغر الکلب کمنع رفع احدی رجلیه بال اولم یبل او فبال ......... و شغار بالکسران یزوج الرجل امراة علی ان یزوجك اخری بغیر مهر صداق کل واحدة بضع الاخری.

⑤ تاج العروس شرح القاموس جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ میں امام اللغۃ محب الدین ابو الفیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی الزبیدی نے اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا: والشغار بالکسر من نکاح الجاهلیة هوان تزوج الرجل امراة ما کانت علی ان یزوجك اخری بغیر مهر. و قال الفراء: الشغار شغار المتناکحین و نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشغار. قال الشافعی و ابو عبید و غیرهما من العلماء: الشغار المنهی عنه ان یزوج الرجل حریمته علی ان یزوجه المزوج حریمة له اخری و یکون صداق کل

واحدۃ بضع الأخریٰ کأنہما رفعا المہر واخلیا البضع عنہ۔ وفی الحدیث لاشغار فی الاسلام۔ وفی روایۃ نہی عن نکاح الشغار اور یخص بہا القرائب فلا یکون الشغار الا ان تنکحہ ولیتك علی ان ینکحك ولیتہ۔

⑯ المنجد مترجم صفحہ ۵۳۲ میں ہے: مشاغرہ وشغار اپنی بہن یا بیٹی کو کسی کے نکاح میں اس شرط پر دینا کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن کو بغیر مہر کے اس کے نکاح میں دیدے۔

⑰ مصباح اللغات صفحہ ۴۱۳ میں ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی نے لکھا ہے: شاغرۃ مشاغرۃ وشغاراً کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ بھی اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے اس سے کردے۔

## اہلِ لغت محدثین کا بیان

⑱ النہایہ فی غریب الحدیث والاثر جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ میں مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن محمد جزری معروف بہ ابن اثیر نے فرمایا: نہی رسول اللہ ﷺ عن نکاح الشغار ــــــــــ وہو نکاح معروف فی الجاہلیۃ کان یقول الرجل للرجلِ شاغرنی ای زوجنی اختك اوبنتك اومن تلی امرہا حتیٰ ازوجك اختی اوبنتی اومن الی امرہا ولا یکون بینہما مہر ویکون فی بضع کل واحدۃ منہما فی مقابلۃ الأخریٰ۔ وقیل لہ شغار لارتفاع المہر بینہما۔ من شغر الکلب اذا رفع احدیٰ رجلیہ لیبول۔

⑲ مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ میں محدث محمد طاہر فتنی ہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: نہی رسول اللہ ﷺ عن نکاح الشغار وہو نکاح فی جاہلیۃ کان الرجل یقول شاغرنی ای زوجنی اختك اوابنتك اومن تلی امرہا حتیٰ ازوجك من الی امرہا بلا مہر۔ ویکون بضع کل واحدۃ بمقابلۃ

بضع الاخرىٰ من شغر الكلب اذا رفع احدىٰ رجليه ليبول لارتفاع المهر بينهما۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ و فى الحديث فاذا نام شغر الشيطٰن برجله فبال فى اذنيه۔

## محدثین شارحین کا بیان

5. ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۳۹ میں حضرت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: الشغار مصدر شاغر۔۔۔۔۔۔۔۔ و سمى شغاراً اما من قولهم شغر البلد عن السلطان اذا خلا عنه لخلوه عن المهر و قيل لخلوه عن بعض الشرائط۔ و قال ثعلب هو من قولهم شغر الكلب اذا رفع رجله ليبول و فى التشبيه بهذه الهيئة القبيحة تقبيح للشغار و تغليظ على فاعله كأن كلا من الوليين يقول للاٰخر لا ترفع رجل ابنتى حتى ارفع رجل ابنتك۔۔۔۔۔۔۔۔ والشغار ان يزوج الرجل ابنته او موليته من اخته وغيرها على ان يزوجه الاٰخر ابنته او موليته ليس بينهما صداق۔ بل بضع كل منهما صداق الاٰخرىٰ۔

6. کرمانی شرح صحیح بخاری جلد ۱۹ صفحہ ۸۶ و ۸۷ میں ہے: الشغار اصله فى اللغة الرفع۔ يقال شغر الكلب اذا رفع رجله ليبول كأنه قال لا ترفع رجل بنتى حتى ارفع رجل بنتك۔ و قيل هو من شغر البلد اذا خلا۔ و هذا الخلو عن الصداق۔ الخطابى۔ و تفسير الشغار يروىٰ مقرون بالحديث و يقال انه من كلام نافع وقد جوز هذا النكاح بعض الفقهاء قالوا ليس فيه شئ اكثر من ابطال المهر و النكاح لا يبطل بفساد المهر۔ والعقد صحيح۔ و لكل واحدة منهما مهر المثل۔ و اقول لعل الخلاف فيه راجع الى ان النهى راجع الى امر خارج عن العقد مفارق له كالبيع فى وقت النداء۔ النووى۔ اجمعوا على انه منهى عنه

لکن اختلفو هل هو نهي يقتضي ابطال النكاح او لا ۔ فقال ابو حنيفة رحمۃ اللہ علیہ يصح لمهر المثل۔

㉒ امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح کرتے ہوئے جلد ا صفحہ ۴۵۴ میں تحریر فرمایا ہے: الشغار اصله في اللغة الرفع. يقال شغر الكلب اذا رفع رجله ليبول كأنه قال لا ترفع رجل بنتي حتى ارفع رجل بنتك. وقيل هو من شغر البلد اذا خلا۔ لخلوه عن الصداق ............ وكان الشغار من نكاح الجاهلية واجمع العلماء على انه منهي عنه۔ لكن اختلفوا هل هو نهي يقتضي ابطال النكاح ام لا؟ ۔ فعند الشافعي يقتضي ابطاله و حكاه الخطابي عن احمد و اسحق و ابي عبيد. و قال مالك يفسخ قبل الدخول و بعده. وفي رواية عنه قبله لا بعده. و قال جماعة يصح بمهر المثل و هو مذهب ابي حنيفة و حكي عن عطاء (ابن ابي رباح) و الزهري والليث و هو رواية عن احمد و اسحق. و به قال ابو ثور و ابن جرير ............ و الصورة الواضحة زوجتك بنتي على ان تزوجني بنتك و بضع كل واحدة صداق للأخرى فيقول قبلت.

㉓ امام کبیر محدث شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ جلد ۶ صفحہ ۱۳۳ میں تحریر فرمایا ہے: الشغار ان يشاغر الرجل و هو ان تزوجه اختك على ان يزوجك اخته ولا مهر الا هذا۔ من شغر البلد اذا خلا من الناس لانه عقد خالٍ من المهر۔

㉔ حضرت علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۳۳ میں امام قرطبی کا قول تحریر فرمایا ہے: تفسير الشغار صحيح موافق لما ذكره اهل اللغة فان كان مرفوعاً فهو المقصود وان كان من قول الصحابي فمقبول ايضاً لانه اعلم بالمقال واقعد بالحال۔ اهـ ۔ وقد اختلف الفقهاء هل يعتبر في الشغار الممنوع ظاهر الحديث في تفسيره۔ فان فيه وصفين.

احدهما: تزويج كل من الوليين وليتهٔ للآخر بشرط ان يزوجهٔ وليتهٔ۔
والثانی: خلو بضع كل منهما من الصلوٰة۔ فمنهم من اعتبرهما معًا۔ حتیٰ لا يمنع۔ مثلاً اذا زوج كل منهما الآخر بغير شرط۔ و ان لم يذكر الصداق۔ اوزوج كل منهما الأخر بالشرط وذكر الصداق۔

○ وذهب اكثر الشافعية الیٰ ان علة النهى الاشتراك فى البضع لان بضع كل منهما يصير مورد العقد وجعل البضع صداقًا مخالف لا يراد عقد النكاح۔ وليس المقتضیٰ للبطلان ترك ذكر الصداق۔ لان النكاح يصح بدون تسمية الصداق۔

○ و اختلفوا فيما اذا لم يصرحا بذكر البضع فالاصح عندهم الصحة۔ ولكن وجد نص الشافعی علیٰ خلافه ولفظه: "اذا زوج الرجل ابنته او المرأة يلی امرها من كانت لأخر على ان صداق كل واحدة بضع الأخرىٰ او علیٰ ان ينكحه الأخرىٰ ولم يسم احد منهما للواحدة منهما صداقًا۔ فهذا الشغار الذى نهى عنه رسول الله ﷺ وهو منسوخ"۔ هكذا ساقه البيهقى باسناده الصحيح عن الشافعی قال وهو الموافق للتفسير المنقول فى الحديث۔ واختلف نص الشافعی فيما اذا سمیٰ مع ذلك مهراً ونص فى الاملاء علی البطلان و ظاهر نصه فى المختصر الصحة۔ و علیٰ ذلك اقتصر فى النقل عن الشافعی من ينقل الخلاف من اهل المذاهب۔

○ و قال القفال العلة فى البطلان التعليق و التوقيف فكأنهٔ يقول لا ينعقد لك نكاح بنتی حتیٰ ينعقد لی نكاح بنتك۔

○ وقال الخطابی كان ابن ابی هريرة يشبهه برجل تزوج امرأة ويستثنى عضواً من اعضاءها وهو مما لا خلاف فى فساده۔ وتقرير ذلك انه يزوج وليته ويستثنى بضعها حيث يجعله صداقًا للأخرىٰ۔

○ وقال الغزالی فی الوسیط صورته الکاملة ان یقول زوجتك ابنتی علی ان تزوجنی ابنتك علی ان یکون بضع کل واحدة منهما صداقا للأخری و مهما انعقد نکاح ابنتی انعقد نکاح ابنتك۔

○ قال شیخنا فی شرح الترمذی ینبغی ان یزاد "ولا یکون مع البضع شئ اخر" ۔ لیکون متفقا علی تحریمه فی المذهب۔

㉕ نیز علامہ ابن حجر نے فتح الباری اسی صفحہ پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے: نقل الخرقی ان احمد نص علی ان علة البطلان ترك ذكر المهر۔

○ و ذکر ابن دقیق العید ما نص علیه احمد هو ظاهر التفسیر المذکور فی الحدیث۔ لقوله فیه: "و لا صداق بینهما"۔ فانه یشعر ان جهة الفساد ذلك۔ وان كان یحتمل ان یکون ذلك ذکر لملازمته لجهة الفساد۔ ثم قال و علی الجملة ففیه شعور بأن عدم الصداق له مدخل فی النهی" و یؤیده حدیث ابی ریحانة: ان النبی ﷺ نهی عن المشاغرة۔ والمشاغرة ان یقول زوج هذا من هذه" وهذه من هذا بلا مهر۔ اخرجه ابو الشیخ فی کتاب النکاح۔

○ و قال ابو الولید الباجی الظاهر انه: "لیس بینهما صداق"۔ من جملة الحدیث۔

㉖ نیز آپ نے فرمایا: قال ابن عبد البر اجمع العلماء علی ان نکاح الشغار حرام و لکن اختلفوا فی صحته فالجمهور علی البطلان۔ وفی روایة عن مالك یفسخ قبل الدخول لا بعده۔ وحکاه ابن المنذر عن الاوزاعی و ذهب الحنفیة الی صحته و وجوب مهر المثل۔ وهو قول الزهری و مكحول والثوری واللیث و روایة عن احمد و اسحق و ابی ثور وهو قول علی مذهب الشافعی لاختلاف الجهة۔ لكن قال الشافعی ان النساء

محرمات الا ما احل اللہ او ملک یمین۔ فاذا ورد النھی عن نکاح تاکد التحریم۔ (دیکھیے: فتح القدیر جلد ۹ صفحہ ۱۳۴)

## جمہور محدثین کا بیان

① حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی الصحیح البخاری صفحہ ۷۶۶ میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نکاح شغار سے متعلق یہی حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا: والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ لیس بینھما صداق۔

② حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے موطا صفحہ ۱۹۳ میں اسی حدیث کے تحت تحریر فرمایا: والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ لیس بینھما صداق۔

③ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع ترمذی صفحہ ۱۴۵ میں تحریر فرمایا: والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ او اختہ و لا صداق بینھما۔

④ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن جلد ۲ صفحہ ۸۵ میں اسی حدیث کے تحت تحریر فرمایا: و الشغار ان یزوج الرجلُ الرجلَ ابنتہ علی ان یزوجہ ابنتہ ولیس بینھما صداق۔

⑤ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند جلد ۲ صفحہ ۹۱ میں فرمایا: قال (عبید اللہ) قلت لنافع ما الشغار؟ قال (نافع) یزوج الرجلُ ابنتہ ویتزوج ابنتہ ویزوج الرجل اختہ ویتزوج اختہ بغیر صداق۔

⑥ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۶ میں اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا: والشغار ان یزوج الرجلُ ابنتہ علی ان یزوجہ الرجلُ الآخر ابنتہ و لیس بینھما صداق۔ قال الشافعی: لا ادری تفسیر

الشغار فی الحدیث او من ابن عمر او نافع او مالک.........

اس کے بعد امام شافعی اپنی رائے پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:
فکل من زوج رجلاً امرأۃ یلی امرھا بولایۃ نفس الاب البکر اوالاب وغیرہ من الاولیاء لامرأۃ علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخریٰ فھوالشغار.........فاذا انکح الرجل ابنتہ اوالمرأۃ یلی امرھا من کانت علی ان ینکحہ ابنتہ او المرأۃ یلی امرھا من کانت علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخریٰ ولم یسمّ لواحدٍ منھما صداق۔ فھذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یحل النکاح فھو مفسوخ۔ وان اصاب کل واحد منھما فلکل واحدۃ منھما مھر مثلھا۔ وعلیھا العدۃ وھو کالنکاح الفاسد فی جمیع احکامہ لا یختلفان۔

۲۲ نیز آپ نے فرمایا: واذا زوج الرجل ابنتہ الرجلَ اوالمرأۃ یلی امرھا علی ان یزوجہ الرجلُ ابنتہ او المرأۃ التی تلی امرھا علی ان صداق احداھما کذا الشئ یسمیہ وصداق الأخریٰ کذا الشئ یسمیہ اقل او اکثر او علی ان یسمی لاحدھما صداقاً ولم یسم للاخریٰ صداقاً او قال لا صداق لھا فلیس ھذا بالشغار والنکاح ثابت والمھر فاسد۔ ولکل واحدۃ منھما مھر مثلھا۔ اذا دخل بھا او ماتت او مات عنھا ونصف مھر مثلھا ان طلقت قبل ان یدخل بھا۔ (کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۷)

۲۳ امام ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی تلمیذ امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ مختصر المزنی صفحہ ۱۷۴ میں تحریر فرمایا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: واذا انکح الرجل ابنتہ اوالمرأۃ تلی امرھا الرجلَ علی ان ینکحہٗ الرجلُ ابنتہ او المرأۃ التی تلی امرھا علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الأخریٰ ولم یسم لکل واحدۃ منھما صداقاً فھذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مفسوخ۔ ولو سمیٰ لھما او لاحدھما صداقاً فلیس

بالشغار المنهي عنه والنكاح ثابت والمهر فاسد ولكل واحدة منهما مهر مثلها ونصف مهر ان طلقت قبل الدخول۔

نیز آپ نے فرمایا: فان قيل فقد ثبت النكاح بلا مهر؟ قيل لأن الله تعالى اجازة فى كتابه' فاجزناه۔ والنساء محرمات الفروج إلا بما احلهن الله به فلما نهى عليه الصلاة والسلام عن نكاح الشغار لم أحل محرما بمحرم۔

مذکورہ بالا تمام علماء لغت' شراح حدیث اور اہل لغت محدثین اور دیگر محدثین اور مجتہدین سب بیک زبان یہی کہتے ہیں کہ شغار اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیٹی' بہن یا کسی ایسی عورت کا جس کا یہ سرپرست ہے اس شرط پر نکاح کرے کہ دوسرا آدمی بھی اپنی بیٹی یا بہن یا کوئی ایسی عورت جو اس کی سرپرستی میں ہے نکاح کر دے اور دونوں طرف سے مہر نہ ہو۔ اور اگر کسی ایک جانب سے بھی مہر ہو اور دوسری جانب سے مہر کا ذکر نہ کیا جائے یا مہر کی نفی یا انکار کیا جائے تو اس نکاح پر شغار کا اطلاق نہیں کیا جاتا کہ جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور یہ نکاح ثابت ہوتا ہے۔ اور مہر کے انکار یا نفی یا عدم ذکر سے نکاح کے ثبوت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اور دونوں عورتوں کو دخول کی صورت میں یا کسی ایک کی صورت میں مہر مثل دینا ہوگا۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق دیدی تو نصف مہر دینا ہوگا۔

⑤ اس لیے مجیب کا یہ کہنا کئی وجوہ سے باطل ہے کہ "بغیر مہر" کا لفظ قید اتفاقی ہے۔ مثلاً:

① اصل قیود میں احترازی ہونا ہے۔ اور قید اتفاقی کے لیے قرینہ صارفہ کا ہونا ضروری ہے۔

② اگر بغیر مہر والی یہ قید اتفاقی ہو تو عام سننے والے کو وہم پیدا ہوتا ہے کہ

شاید مہر مقرر کرنے سے شغار نہ رہے۔ اس لئے "بغیر مہر" والی قید فہم مطلب کے خلاف ہے۔ خصوصاً ان علماء کے نزدیک جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔

۳) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس قید کو احترازی ہی سمجھا ہے۔ اتفاقی نہیں سمجھا۔ اور اپنے اصول کے مطابق مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر جانبین کے نکاح میں تھوڑا یا بہت مہر مقرر کیا گیا ہو تو وہ شغار نہیں رہتا جس سے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس طرح جب ایک طرف سے مہر مقرر کیا گیا ہو اور دوسری طرف سے مہر کا نام نہ لیا گیا ہو یا مہر کی نفی کی گئی ہو تب بھی نکاح شغار نہیں۔ (دیکھیے کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۷)

۴) فصیح لوگ ایسا مختصر لفظ بولتے ہیں جو پُر معنیٰ ہو اور شکوک کا رافع ہو۔ اگر مفسر کا یہ مطلب ہوتا کہ مہر کا نام لینے کے باوجود بھی نکاح شغار ہی بنتا ہے تو مفسر اپنی تفسیر میں کہتا: ولو بمھر کیونکہ اس قسم کا کلام مبالغہ کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ نکاح میں دونوں طرف سے مہر کا نام لیا جائے تب بھی شغار ہوتا ہے اور اگر مہر کا نام نہ لیں تب بھی شغار ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ لفظ کسی نے نہیں لکھا۔ اور نہ ہی کسی نے شغار کی تفسیر ان الفاظ میں کی۔ نہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے' نہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے' نہ امام نافع نے' نہ ابو ریحانہ نے' نہ سوید بن غفلہ نے' نہ امام مالکؒ نے' نہ امام شافعی نے' نہ امام احمد بن حنبل نے بلکہ شافعیہ' حنابلہ اور مالکیہ کی کتب میں لکھا ہے کہ مہر کے انکار کی صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے جبکہ یہ انکار دونوں طرف سے نہ ہو۔ مثلاً:

۵) امام ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی نے شرح روض الطالب جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ میں تحریر فرمایا ہے: ولو زوجھا الولی باذنھا علی ان لا مھر لھا وان وطئ صح النکاح۔ اگر ولی نے لڑکی کی اجازت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر دیا کہ اس کا مہر نہیں ہوگا تو اس صورت میں بھی نکاح درست ہے۔

○ نیز اسی کتاب کے جلد ۳ صفحہ ۲۰۵ میں ہے: شرط ان لا ینفق او لا یتزوج علیہا او لا یسافر بہا او لا یقسم لہا او ان یسکنہا مع ضرتہا انعقد النکاح بمہر المثل لا المسمیٰ لفساد الشرط یعنی نکاح کے وقت شرط لگائی کہ خرچہ نہ دے گا یا اس پر دوسرا نکاح نہ کرے گا یا اس کو سفر پر نہ لے جائے گا یا اس کی باری نہ رکھے گا یا اس کو سوت کے ساتھ رہنا ہوگا تو نکاح تو ہو جائے گا مگر شرط فاسد ہوگی۔

○ المحرر فی الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳ تالیف شیخ امام مجد الدین ابو البرکات میں ہے: وان شرطان لا مہر لہا او لا نفقۃ او یفضلہا فی القسم او ینقصہا منہ او اشترط احدہما علی الآخر ترک الوطی ونحوہ صح العقد ولغا الشرط نص علیہ۔ یعنی اگر نکاح میں یہ شرط لگائی کہ مہر یا خرچہ نہ دوں گا یا باری میں کمی یا زیادتی کروں گا...... تو عقد نکاح کی توضیح ہو جائے گی اور شرط لغو جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

○ اس سے آگے چل کر نکاح شغار کا بیان کیا: ومن زوج ولیتہ من الرجل علی ان یزوجہ الآخر ولیتہ فأجابہ ولا مہر بینہما لم یصح العقد ویسمی نکاح الشغار۔ وان سموا مہراً صح العقد بالمسمیٰ نص علیہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح شغار میں مہر کی نفی کی جائے تو عقد صحیح نہ ہوگا لیکن اگر مہر کا نام لیں تو اسی مقرر کردہ مہر کے مقابلے میں عقد صحیح ہو جائے گا۔ اس پر بھی امام احمد بن حنبل نے تصریح فرمائی ہے۔

○ الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذہب الامام المبجل احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ جلد ۸ صفحہ ۱۶۰ میں علامہ فقیہ محقق علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی شغار کے مقام پر تحریر فرمایا ہے: فان سموا مہراً صح نص علیہ وھو المذہب وعلیہ جماہیر الاصحاب [۱۲] یعنی اگر

جانبین سے نکاح کیا جائے اور مہر مقرر کیا جائے تو نکاح صحیح ہوگیا۔ امام احمد نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ہمارا یہی مذہب ہے اور جمہور اصحاب اس پر متفق ہیں۔

- علامہ ابو بکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۲۵۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اس عورت نے یہ شرط لگائی کہ جدائی اور وطی کا مجھے اختیار ہوگا۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ تو نے یہ نکاح کرکے سنّت کی مخالفت کی کہ یہ امور اس کے سپرد کیے جو اس کی اہل نہیں۔ اب مہر دینا اور جدا کرنا اور وطی کرنا سب تیرے قبضے میں ہے۔

- اسی طرح ایک آدمی نے آپؓ کے پاس آکر کہا کہ میں نے ایک عورت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں فلاں فلاں چیز فلاں فلاں وقت تک نہ لایا تو میرا نکاح تصور نہ ہوگا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نکاح تو ہوگیا مگر شرط لاشئے یعنی باطل ہے۔

- ان تمام حوالہ جات سے حدیث کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل کا مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ کتاب اللہ میں جس شرط کا ذکر نہیں ہے وہ شرط تو باطل ہے مگر عقدِ نکاح کا بطلان اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے ابن حزم نے سمجھا ہے۔ یہ اس کا اپنا اجتہاد ہے۔

- نیز الروض المربع اور دیگر کتبِ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

**شبہ** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں مذکور نہ ہو وہ شرط باطل ہے۔ اسی طرح: مابال رجال یشترطون شروطاً لیست فی کتاب اللہ۔ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل۔ وان کان مائۃ شرط۔ یعنی

ایسے لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔ اگرچہ وہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔

**جواب** مسلمانوں میں سے کوئی مجتہد یا مقلد ان حدیثوں کا منکر نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو نکاح شرطِ فاسد کے ساتھ کیا گیا ہو وہ نکاح منعقد ہوا ہے یا شرط باطل کی طرح وہ نکاح بھی باطل ہے۔ سو یہ الگ مسئلہ ہے۔ بطلانِ نکاح کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرنا درست نہیں اور اس میں حنفیہ' شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ سب کا اتفاق ہے کہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول اوپر گزر چکا ہے۔

○ نیز آپ فرماتے ہیں کہ نکاح ثابت ہے اور مہر فاسد ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو مہر مثل دیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ مہر اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب نکاح ثابت ہو۔ جیسے کتاب الأم میں ہے کہ اگر جانبین نے اپنی اپنی لڑکیوں کا نکاح اس شرط پر کیا ہو کہ ہر ایک کا مہر اس کا عضو ہے اور مہر کا نام نہ لیا ہو' یہ شغار ہے جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور وہ نکاح حلال نہیں اس لیے وہ نکاح فسخ کیا جائے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح تو ہو گیا مگر ممنوع ہونے کی وجہ سے اس کا فسخ کرنا ضروری ہے۔ اگر سرے سے نکاح ہی نہ ہوا ہو تو نہ فسخ کی ضرورت ہے اور نہ ہی مہر مثل واجب اور نہ ہی فسخ بعد الوطی کی صورت میں عدت واجب۔ البتہ:

○ حضرت علامہ حافظ ابن حجر کے بقول حضرت خطابی فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک نکاح شغار باطل ہے اور امام احمد و اسحٰق و ابو عبید سے بھی ایک روایت ہے لیکن امام مالک سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دخول ہو یا نہ ہو نکاح شغار کا فسخ کرنا ضروری ہے۔ اور دوسری روایت کے

مطابق دخول سے پہلے تو فسخ کرنا ضروری ہے مگر دخول کے بعد فسخ نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک بھی نکاح تو ہو گیا اگرچہ قابل فسخ ہے۔

○ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ نکاح شغار نکاح تو ہو جاتا ہے مگر مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ اور ان علماء کا یہی مذہب ہے۔

○ موطا امام مالک صفحہ ۱۹۳ کے شرح میں ہے: عروی عن عطاء بن ابی رباح قال یقران علی نکاحھما ویجعل لھما صداق المثل وھو قول اھل الکوفۃ یعنی امام ابو حنیفہ کے استاذ مشہور تابعی محدث حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کو اپنے اپنے نکاح پر برقرار رکھا جائے اور مہر مثل دونوں کے لیے مقرر کیا جائے۔ اور علماء کوفہ کا بھی یہ مذہب ہے۔ اور سفیان ثوری، امام زہری، لیث، ابن جریج، ابو ثور اور مکحول کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل اور اسحق سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ متفرد نہیں۔ بلکہ کئی ائمہ ان کے ہمنوا ہیں۔

○ حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۳۳ میں امام طرقی کا یہ قول نقل کیا ہے: ان احمد نص علی ان علۃ البطلان ترک ذکر المھر۔ یعنی اس نکاح کے باطل ہونے کی علت ذکر مہر کا ترک کرنا ہے۔ اور جب علت نہ رہے تو حکم بھی نہیں رہتا۔ یعنی جب دونوں طرف سے مہر کا ذکر کر دیا گیا تو نکاح شغار نہ رہا۔

○ اسی طرح حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابن دقیق العید کا قول نقل فرمایا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نص فرماتے ہیں کہ نکاح شغار کی تحریم میں مہر نہ ہونے کو دخل ہے۔

یہ کہ وٹہ سٹہ کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

① وٹہ سٹہ ہو اور مہر کی نفی کی جائے۔ یہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور نکاح باطل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

② وٹہ سٹہ ہو اور مہر کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔ مگر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا باطل۔

③ جانبین سے عضو کو مہر مقرر کیا جائے۔ یہ بھی بالاتفاق حرام ہے۔ اور اس میں بھی نکاح کے صحیح یا باطل ہونے کا اختلاف ہے۔

④ مہر کا ذکر کیا جائے۔

⑤ جانبین سے وٹہ سٹہ نہ ہو۔ اور مہر کا ذکر بھی نہ ہو۔

⑥ وٹہ سٹہ نہ ہو اور مہر کی نفی ہو۔

⑦ وٹہ سٹہ نہ ہو اور مہر مقرر کیا جائے۔

⑧ وٹہ سٹہ ہو اور ایک طرف سے مہر ہو اور دوسری طرف سے مہر نہ ہو۔

وٹہ سٹہ کی مذکورہ بالا آٹھ صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں نکاح شغار میں داخل ہیں۔ اور باقی پانچ صورتیں نکاح شغار میں داخل نہ ہونے کے باعث حرام نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شرط فاسد سے مطلقاً نکاح کے فاسد ہونے کا حکم لگانا درست نہیں۔

○ اب رہی سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۲۹۰ کی وہ حدیث جس کا متن یہ ہے: ان العباس بن عبداللہ بن العباس انکح عبدالرحمن بن الحکم ابنتہ و انکحہ عبدالرحمن بنتہ و کانا جعلا صداقا فکتب معاویۃ الی مروان یأمرہ بالتفریق بینھما و قال فی کتابہ ھذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ ﷺ۔ یہ حدیث السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۰ میں بھی منقول ہے۔ اور یہی حدیث صحیح ابن حبان جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ میں ہے۔ اور اس میں: وقد کانا جعلاہ صداقا کے الفاظ ہیں۔ اس حدیث سے یہ مفہوم

سمجھنا صحیح نہیں کہ وقت شب میں مہر مقرر کرنے سے بھی شغار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں جعلا کے بعد ضمیر منصوب متصل فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں نے جانبین کے بضع کو مہر بنایا اور کچھ نہیں۔ اور اس ضمیر کو ابن حبان نے صراحت ذکر کر دیا وقت نکاح جعلاہ صداقا۔ اس سے عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور کچھ احتمال باقی نہیں رہتا۔ اگر ابو داؤد اور بیہقی کی روایتوں میں جعلا کے بعد ضمیر مقدر نہ کریں تو معنی فاسد ہو جائے گا۔ اور تمام اہل لغت، محدثین، شراح اور مجتہدین کے متفقہ قول کی صریحاً ان دو حدیثوں کی وجہ سے تردید لازم آئے گی جو کہ اجماع امت کو ٹھکرانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**قرآن** وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (النساء: ۱۱۵)

**ترجمہ** اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر راہ ہدایت کھل چکی ہے، رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی راستے کی پیروی کرے گا ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

○ اس آیت سے علماء کرام نے اجماع امت کے حجت شرعی ہونے کا حکم قرار دیا ہے۔ اور تقریر اس استدلال کی یہ ہے کہ طریق مومنین سے الگ ہونا جب حرام اور مستوجب جہنم ٹھہرا تو لازمی ہے کہ اس کے برعکس یعنی اتباع طریق مومنین واجب ہو۔ اور اس کی مخالفت بھی کتاب و سنت کی مخالفت کے بعد شمار ہوتی ہے۔ اور یہاں قرآن مجید نے عدم اتباع طریق مومنین کو مخالفت رسول کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔

○ یہ ابن حبان کی عبارت جس کی طرف مجیب نے اشارہ تو کیا مگر اسے چھوڑ

کر کے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے:

**حدیث** عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم انکح عبدالرحمٰن بن الحکم ابنتہ وانکحہ عبدالرحمٰن ابنتہ وقد کانا جعلاہ صداقا فکتب معاویۃ بن ابی سفیان وھو خلیفۃ الی مروان یأمرہ بالتفریق بینھما وقال فی کتابہ ھذا الشغار قد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہ

**ترجمہ** صحابیٔ رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت عباس تابعی نے اپنی بیٹی عبدالرحمٰن بن حکم کے نکاح میں دی۔ اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی عباس کے نکاح میں دیدی اور ان دونوں نے اسی کو مہر سمجھا۔ اس پر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے والیٔ مدینہ حضرت مروان بن الحکم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا۔ جس میں یہ حکم تھا کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے۔ اور اپنی اس چٹھی میں آپؓ نے مزید یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ وہی شغار ہے جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

وَھٰذَا اٰخِرُ مَآ اَرَدْنَاہُ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ لِلتَّحْقِیْقِ
وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ التَّحْقِیْقِ ○ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ
وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ ○ اَللّٰھُمَّ صَلِّ
عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنَ

# اظہار الزین فی المصافحۃ بالیدین

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمہ اللہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

# فتاویٰ حسینیہ

## اظہار الزین فی المصافحۃ بالیدین

**سوال:** عند الملاقات السلام علیکم کہنے کے بعد مصافحہ کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ کیا ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کیا جائے یا دونوں ہاتھوں سے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا خلافِ سنت اور بدعت ہے اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے والا شخص گنہگار ہے۔ (ملک عبد القیوم اعوان ایس ایس ٹی۔ ایم سی ہائی سکول سرگودھا۔ ڈاکٹر مظاہر توحیدی لانڈھی کراچی۔ سید وزیر شاہ گندف ضلع صوابی۔ قاری حسین احمد قریشی بھمبر کشمیر۔ حافظ محمد منظور معاویہ گوجرانوالہ)

**جواب:** جو لوگ ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کو سنت اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو خلافِ سنت اور بدعت کہتے ہیں، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

- عن ابن مسعودؓ عن رسول اللہ ﷺ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِیَّۃِ الْاَخْذُ بِالْیَدِ۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۲) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ پکڑنے کے ساتھ سلام پورا ہوتا ہے۔
- اس حدیث کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ صرف زبان کے ساتھ السلام علیکم کے الفاظ ادا کر دینے سے سلام پورا نہیں ہوتا جب تک کہ سلام کرنے والے ایک دوسرے کا ہاتھ نہ پکڑیں۔
- اس حدیث کو ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس حدیث میں اَلْاَخْذُ بِالْیَدِ واحد کا صیغہ ہے اس لیے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہی مسنون ہے۔ لیکن ان حضرات کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ:
- اَلْیَدِ پہ اَل جنسی ہے۔ جس سے جنس ید مراد ہے۔ وحدت (صرف ایک ہاتھ) مراد نہیں۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصافحہ کرنے والا صرف ایک۔ ہاتھ

بڑھائے اور دُوسرا ہاتھ لگانا منع ہے۔ بلکہ اس فرمانِ نبوی میں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ صرف زبان سے کلمۂ تحیۃ ادا کرنے سے تحیۃ کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے سے سلام پُورا ہوتا ہے، خواہ ایک ہاتھ ہو یا دونوں۔ بلکہ درحقیقت اس فرمانِ نبوی میں دونوں[1] ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا حکم ہے کیونکہ <u>قاعدہ</u> ہے کہ انسان کے جو عضو دو دو ہیں ان کے لیے واحد کا صیغہ بولیں تو وہ دونوں ہم جنس عضو مُراد ہوتے ہیں۔ مثلاً:

❶ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کا قول نقل فرمایا ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون سے کہا: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ (۲۸:۹) کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس آیتِ مُبارکہ میں عین واحد کا صیغہ ہے۔ لیکن اس سے ایک آنکھ مُراد نہیں کہ اس بچے کو دیکھ کر ایک آنکھ تو ٹھنڈی ہو اور دُوسری میں خُون اُتر آئے۔ بلکہ اس سے دونوں آنکھیں ہی مُراد ہیں کہ یہ بچہ میری اور تیری دونوں دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یعنی اس طرح ایک آنکھ (عین) بول کر دو دو آنکھیں مُراد لی گئی ہیں۔

❷ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں لوٹائے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَرَجَعْنٰكَ إِلٰٓى أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (۲۰:۴۰) کہ ہم نے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کی گود میں اس لیے لوٹا دیا تاکہ آپ کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین بھی نہ ہوں۔ اس آیتِ مُبارکہ میں بھی عین واحد ہے، لیکن اس سے مُراد دونوں آنکھیں ہیں۔

❸ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا (۱۹:۲۶) کہ کھاؤ پیو اور اپنے بچے کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ یہاں بھی عیناً واحد کا صیغہ ہے لیکن اس سے دونوں آنکھیں ہی مُراد ہیں۔

❹ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بُخل اور اسراف سے منع اور میانہ روی کا حکم دیتے ہوئے

[1] دیکھیے: "تلبیس فی کلام العین ما" ص ۴۴

ارشاد فرمایا: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿۲۹:۱۷﴾ کہ تو اپنا ہاتھ اتنا بھی نہ سکیڑ کر گویا گردن میں بندھا ہُوا ہے۔ اور نہ ہی اپنا ہاتھ اتنا کھول کر سارا کھول دے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو لوگ تجھے ملامت کریں گے اور تو تنگدست و پریشان ہو جائے گا۔

○ اس آیت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمّت میں قیامت تک داخل ہونے والے تمام لوگوں کے لیے میانہ روی کا درس دیا گیا ہے۔

○ اس آیت مبارکہ کے پہلے جملے میں لفظ ید واحد ہے جو تثنیہ کے معنے میں ہے۔

○ اسی طرح اس آیت کے دُوسرے جملے میں ھا ضمیر واحد مؤنث کی آئی ہے جو پہلے جملے میں آنے والے لفظ ید کی طرف راجع ہے۔ جو کہ واحد مؤنث ہے، مطلب یہ ہُوا کہ اس آیت میں دو جگہ تثنیہ کی بجائے واحد کا استعمال ہُوا ہے۔

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ضدی کفّار کے بارے میں ارشاد فرمایا: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴿۷:۲﴾ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کافروں کے دِلوں پر اور اُن کے کانوں پر مُہر لگا دی ہے، اسی طرح ان کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ اس آیت مُبارکہ میں سَمْع کا لفظ آیا ہے جو مصدر ہے، اس کا معنیٰ مصدری تو سُننا ہے، لیکن اس کا معنیٰ "قوتِ سماعت" بھی کیے جاتے ہیں۔ تاہم اس آیت میں سَمْع سے مُراد کان ہے۔ جو کہ مُہر لگائے جانے کا مقام ہے۔ اور اس کا معنیٰ "ایک کان" ہے۔ یعنی یہاں واحد کا صیغہ تثنیہ کے لیے استعمال ہُوا ہے۔ نیز!

○ اس آیت مُبارکہ میں ابصار کا لفظ بھی آیا ہے، جو کہ بصر کی جمع ہے، جبکہ بصر مصدر ہے، جس کا معنےٰ ہے ادراک العین یعنی آنکھ کا اِدراک کرنا یا دیکھنا۔

○ بصر کا اِطلاق مجازی طور پر "قوتِ باصرہ" پر بھی ہوتا ہے اور مخصوص عضو عین یعنی آنکھ پر بھی اس کا اِطلاق ہوتا ہے۔

○ یعنی اس آیت میں سمع اور بصر سے مُراد کان اور آنکھ ہی ہیں، کیونکہ مُہر لگانے اور پردہ ڈالنے کی مُناسبت ان اعضا کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔

○ یاد رہے کہ ابصار بھی جمع ہے، اور ھم ضمیر بھی جمع ہے۔ لیکن اس کا معنیٰ

ہر ایک کافر کی ایک ایک آنکھ ہے۔ کیونکہ :

قاعدہ ہے کہ جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ آجائے ، جیسے : ابصار اور ھم ، تو ہر صورت میں آحاد کی تقسیم آحاد پر ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے : رکبوا دوابھم یعنی وہ کئی سوار کئی چوپاؤں پر سوار ہوگئے۔ اس میں مقابلہ جمع کا جمع سے آیا ہے۔ یعنی سوار بھی کئی ہیں اور چوپائے بھی کئی ہیں۔ اور تقسیم آحاد کی آحاد پر اس طرح ہوگی کہ ان میں سے ہر ہر شخص ایک ایک چوپائے پر سوار ہوگیا۔ یعنی سوار ایک چوپائے

○ اسی طرح ابصارھم کا مطلب ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک آنکھ کے اوپر پردہ ہے۔ لیکن یہاں مراد ہر ایک کی دو دو آنکھیں ہیں یعنی مطلب یہ ہوا کہ (۱) آیتِ مبارکہ میں بھی تثنیہ کے لیے واحد کا استعمال ہوا ہے

○ نیز آیاتِ مبارکہ : قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۲۴ : ۳۰) قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (۲۴ : ۳۱) اور فَاغْسِلُوْا ... اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ... اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ (۵ : ۶) میں بھی مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق معنی کریں گے

○ بہرحال یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ انسان کے جو عضو دو دو ہیں ان کے لیے واحد کا صیغہ بولیں تو وہ دونوں ہم جنس عضو مراد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے سطورِ ذیل میں احادیثِ مبارکہ سے بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

❻ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو حکم فرمایا : من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ (مشکوٰۃ ص ۴۳۶) کہ تم میں سے جو شخص کوئی غیر شرعی کام ہوتا ہُوا دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اس غیر شرعی کام کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ یہاں بھی واحد ید کا استعمال تثنیہ یدین کے معنے میں ہُوا ہے۔

❼ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہجرت کرکے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر شرفِ بیعت سے مشرف ہونے کی خواہش مند عورتوں سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمانِ ذی شان : یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا

وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶۰: ۱۲) کہ یا رسول اللہ! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں اور آپ سے اس بات پر بیعت کرنا چاہیں کہ ○ ہم کسی چیز کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی ○ اور نہ ہی چوری کریں گی ○ اور نہ بدکاری کریں گی ○ اور نہ اپنی اولاد کو خصوصاً لڑکیوں کو قتل کریں گی ○ اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان بنا کر کھڑا کریں گی (یعنی جان بوجھ کر کوئی بہتان نہ گھڑیں گی ○ اور جن نیکیوں کا آپ حکم دیں تو ان کی حکم عدولی بھی نہ کریں گی۔ تو ان (چھ) شرطوں پر آپ ان عورتوں سے بیعت فرمالیا کریں، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان عورتوں کے حق میں مغفرت کی دُعا فرمایا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم الٰہی کے مطابق عورتوں سے عہد لیتے۔ اور جو عورت ان مقررہ چھ شرطوں کا اقرار کر لیتی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی معصوم زبانِ مبارک سے فرمادیتے تھے: قَدْ بَايَعْتُكِ کہ میں نے تیری بیعت لے لی ہے۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے عورتوں سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا یہ طریقہ بیان فرمانے کے بعد قسم کھا کر فرمایا کہ: واللہ! بیعت لیتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک کبھی کسی عورت کے ساتھ مَس نہیں ہوا۔ محض زبانی اقرار لے کر فرمادیتے کہ میں نے تیری بیعت قبول کر لی۔ (بخاری ج۲ ص۷۲۶)

حضرت امام ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی شافعیؒ (م ۹۲۳ھ) نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۸۰ میں تحریر فرمایا ہے: قد بايعتك اي بالكلام لا باليد كما كان

یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قَدْ بَایَعْتُکِ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بیعت ہونے والی عورتوں سے صرف زبانی بیعت قبول فرمائی تھی، ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس طرح بیعت نہیں فرمائی تھی جیسا کہ مرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ فرمایا کرتے تھے۔

○ حضرت امام قسطلانیؒ کے مذکورہ بالا وضاحتی اور تشریحی بیان میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے لا بالید میں لفظ ید واحد استعمال فرمایا ہے لیکن اس سے مراد یدین یعنی تثنیہ ہے۔ کیونکہ انھوں نے لا بالید کے الفاظ استعمال فرمانے کے بعد مثال دیتے ہوئے کما کان یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین کے الفاظ سے اس بات کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ لا بالید میں گو کہ لفظ ید واحد ہے، لیکن اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں۔ یعنی یہاں بھی تثنیہ کے لیے واحد کا استعمال کیا گیا ہے۔

○ نیز حضرت امام قسطلانیؒ کے اس وضاحتی بیان سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ سے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ فرمایا کرتے تھے۔

○ اس لیے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا بدعت اور خلافِ سُنّت ہے۔ بلکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو بدعت کہنا گویا سُنّتِ نبوی کو بدعت کہنا ہے۔ استغفراللہ

● اسی طرح سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگ ملاقات کے وقت ایک دُوسرے کو اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْنًا وَاَنْعِمْ صَبَاحًا کے الفاظِ تحیہ کہا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے اور تو صبح کے وقت خوش و خرم اور تازہ دم رہے۔ اور پھر جب اسلام کا روشن دور آیا

تو ہمیں یہ کلمات کہنے سے منع فرما دیا گیا۔ (مشکوٰۃ باب السلام ص ۳۹۹)

○ اس روایت میں بھی عینًا واحد کا صیغہ ہے، جو تثنیہ کے لیے استعمال ہُوا ہے۔ یعنی عینًا سے مُراد عینین ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیری دونوں آنکھوں کو خوش اور ٹھنڈا رکھے۔

○ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ جو لوگ ملاقات کے وقت السلام علیکم کے علاوہ دُوسرے کلماتِ تحیۃ بولتے ہیں، مثلاً: آداب عرض، رد بلائیں، جی آیاں نوں، بسم اللہ اور بخیر رافعلے وغیرہ۔ یہ سب واجبُ الترک ہیں۔

❾ اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاخیر فی جلوس الطرقات الا لمن هدی السبیل ورد التحیه وغض البصر و اعان علی الحمولۃ (مشکوٰۃ ص ۹۹) کہ جو شخص کسی گزر گاہ پر کسی بھولے ہُوئے کو راستہ بتانے، اور سلام مسنون کا جواب دینے اور اپنی آنکھ کو نیچے رکھنے، یا کسی کو بوجھ اُٹھانے میں تعاون کرنے میں مدد دینے کے علاوہ کسی اور ارادے سے، یا فضول اور بے مقصد بیٹھے گا تو اس میں خیر نہ ہوگی۔

○ اس روایت میں غض البصر کا لفظ آیا ہے۔ اور ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ بصر کا معنیٰ عین یعنی آنکھ ہے۔ اور یہ لفظ واحد بمعنی تثنیہ استعمال ہُوا ہے۔

○ یعنی اگر کوئی شخص بھولے ہُوؤں کی راہنمائی کرنے یا ضعیف و نحیف لوگوں کی مدد کرنے کی غرض سے کسی شاہراہ پر بیٹھے تو اپنی آنکھیں نیچی رکھے کہ مبادا کوئی غیر محرم عورت اس کے سامنے آجائے اور وہ اسے دیکھ کر گناہ گار ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک آنکھ کھلی اور ایک آنکھ بند رکھے۔

❿ اسی طرح ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمانے کے لیے پانی منگوایا۔ اور حدیث شریف میں ہے: فافرغ علی یدہ کہ پھر وہ پانی اپنے ہاتھوں پر ڈالا۔ یہاں یدہ واحد سے دونوں ہاتھ مراد ہیں۔ (بخاری ص ۳۱)

⓫ اس کے بعد اسی حدیث میں آتا ہے: فغسل یدہ مرتین کہ پھر اپنے دونوں ہاتھ
دو مرتبہ دھوئے۔ تو یہاں بھی وہی یدہ واحد کا صیغہ آیا ہے اور مُراد
دونوں ہاتھ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک ہاتھ دھونے پر ہی اکتفا کیا ہو۔

⓬ اسی طرح ایک مرتبہ اُمّ المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اللہ ﷺ
کے نہانے کی خاطر پانی رکھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ
بیان کرتے ہوئے حضرت اُمّ المومنینؓ نے فرمایا: غَسَلَ یَدَہٗ مرتین او ثلٰثا
کہ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ اپنے دستِ مُبارک دھوئے۔ (صحیح بخاری ص ...)
اس حدیث مُبارک میں بھی یدہ واحد سے دونوں ہاتھ ہی مُراد ہیں۔

⓭ اسی طرح ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان رسول اللہ
ﷺ اذا اغتسل من الجنابۃ غسل یدہ (بخاری ۴۰) کہ جب بھی حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلِ جنابت فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے
اس حدیثِ مُبارک میں بھی یدہ صیغۂ واحد سے دونوں ہاتھ مراد ہیں۔

⓮ اسی طرح صحیح بخاری ص ۲۵۹ میں حضرت حمرانؒ سے امیرالمومنین سیّدنا امام عثمان
رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ کچھ اس طرح سے منقول ہے: رأیت عثمان رضی اللہ عنہ ...
فافرغ یدہ ثلثا ثم تمضمض کہ میں نے حضرت امام عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو
وضو کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے تین بار اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور پھر
مضمضہ یعنی کُلّی کی۔ اس روایت میں بھی یدہ واحد سے تثنیہ مُراد ہے۔

⓯ اسی طرح ایک مشہور حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ (مشکوٰۃ ...)
کہ کامل الایمان مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھوں سے دُوسرے مسلمان
بچے رہیں۔ یعنی وہ اپنی زبان سے کسی کو بُرا نہ کہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی کو
تکلیف نہ پہنچائے۔ اس حدیث میں جس طرح لسانہ واحد کا صیغہ آیا ہے
اسی طرح یدہ بھی واحد تو ضرور ہے لیکن اس سے مُراد دونوں ہاتھ ہیں۔

○ اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو والدہ کی خدمت پر راغب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلِهَا (مشکوٰۃ ص ۴۲۱) کہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس حدیث مبارک میں رجل واحد ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس حدیث میں صرف ایک پاؤں کے نیچے جنت ہونے کا ثبوت ہے' دوسرے کے نیچے نہیں۔ لہٰذا یہاں بھی واحد رِجل بول کر اس سے تثنیہ رِجلَین یعنی دونوں پاؤں مراد ہیں۔

○ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی مذکورہ بالا مشتے نمونہ چند مثالوں سے معلوم ہوا کہ اہل عرب تثنیہ کے لیے واحد کا استعمال عام طور پر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ دیگر زبانوں میں بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

○ اُردو زبان میں ہاتھ، پاؤں، اور آنکھ، کان کے الفاظ جس طرح واحد کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح تثنیہ کے لیے بھی عموماً ان الفاظ کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔

○ اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان من تمام التحیۃ الأخذ بالید کا صحیح مطلب بھی یہ ہے کہ تحیۃ کا حق تب ادا ہوتا ہے جب کہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا جائے۔ یعنی مذکورہ بالا مثالوں کی طرح اس حدیث مبارکہ میں بھی ید واحد سے تثنیہ یدین' یعنی دونوں ہاتھ مراد ہیں۔

○ کیونکہ صراحۃً کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ صرف ایک ہاتھ سے ہی مصافحہ کیا جائے اور دوسرا ہاتھ ہرگز نہ ملایا جائے۔ بلکہ:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری باب المصافحہ (ص ۹۲۶) میں تعلیقاً سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: عَلَّمَنِي النَّبِيُّ ﷺ التَّشَهُّدَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا' اور میری ایک ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔

○ اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے باب الاخذ بالیدین کا عنوان قائم فرمایا یعنی "دونوں ہاتھوں کے ساتھ مُصافحہ کرنے کا بیان"۔ جس میں انھوں نے اس مسئلہ کے بارے میں اپنا مؤقف ظاہر فرمایا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیے اور اس کی دلیل میں پہلے تو انھوں نے حضرت حماد بن زید کا عمل نقل فرمایا۔ صافح حماد بن زید ابن المبارك بیدیه کہ حضرت حماد بن زید نے حضرت عبداللہ بن المبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔ اور اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ان کا وہی قول نقل فرمایا، جس میں آتا ہے کہ میرا ہاتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، جب آپؐ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی تھی۔ (بخاری ص۹۲۶)

○ اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ الاخذ بالید والی روایت میں ید سے مُراد یدین ہی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں زنا العین النظر (یعنی غیر محرم کی طرف بری نظر کرنا آنکھ کا زنا ہے) کے الفاظ آئے ہیں، اس میں عین سے مُراد عینین یعنی دونوں آنکھیں ہیں۔ (دیکھیے صحیح بخاری ص۹۲۳)

○ اس حدیث کا صحیح مطلب تو یہی ہے جو اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ تاہم ایک بات اور بھی ہے، جو صرف اُس صورت میں کی جائے گی، جبکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو بدعت اور خلافِ سُنّت قرار دینے والے آزاد خیال لوگ احسن طریقہ سے ہماری پیش کردہ تشریح اور وضاحت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہُوئے اپنی اسی بات پر قائم رہیں کہ اس حدیث میں ید سے مُراد صرف ایک ہاتھ ہی ہے، تو ہم اُنھیں کہیں گے کہ اس معاملے میں آپ کو اس قدر تشدد اور سختی کرنے کی بجائے قدرے نرمی سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ:

○ آپ کے اس تشدد کی زد میں ایک طرف تو حضرت امام بخاریؒ آرہے ہیں جنھوں نے بابُ المصافحہ اور بابُ الاخذ بالیدین کے عنوانوں سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ثابت کیا ہے۔

○ اور دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ ترمذی کی یہ زیرِ بحث حدیث صحیح بخاری کی ثقہ روایتوں کے مقابلے میں ضعیف روایات کی صف میں شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ:

○ حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد خود ہی اس حدیث کو "غریب" کہا ہے، جو ضعف کی دلیل ہے۔

○ اس لیے ظاہری معنے کے مطابق اس حدیث پر عمل کرنا اصولِ حدیث کے خلاف ہے۔

○ نیز حضرت امام ترمذیؒ نے مزید فرمایا کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے یحییٰ بن سلیم طائفی کے سوا اور کوئی اہلِ حدیث بھی اس روایت کو بیان نہیں کرتا۔

○ حضرت علامہ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب تقریب التہذیب ص ۳۹۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ گو یحییٰ بن سلیم طائفی کو حضرت ابن سعدؒ نے ثقہ اور کثیر الحدیث کہا ہے۔ اسی طرح ابن معینؒ نے بھی ثقہ کہا ہے، لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن سلیم طائفی کو خلط ملط کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

○ حضرت امام نسائیؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سلیم طائفی قوی نہیں ہے۔

○ حضرت امام ابوحاتمؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سلیم طائفی سچا تو ہے مگر اس کے قول کو دلیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

○ حضرت ابوخیثمہؒ نے بھی یحییٰ بن سلیم طائفی کا کچھ اچھے الفاظ میں ذکر نہیں کیا۔

○ حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سلیم طائفی کی اس روایت کے بارے میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی یہ حدیث محفوظ نہیں۔

○ اس لیے یہ حدیث اس قابل ہی نہیں کہ اسے ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کی دلیل میں پیش کیا جاسکے۔

○ اور شاید اسی لیے حضرت امام بخاریؒ اپنے ذخیرۂ حدیث میں یہ حدیث نہیں لائے۔

- نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جہاں ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کا طریقہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور کسی محدث، مفسر یا مجتہد کے قول و عمل سے بھی ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہوتا، وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دراصل ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا غیر مسلم اہل یورپ کا شعار ہے جیسا کہ:
- حضرت محدث رشید احمد گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے: ان المصافحۃ بید واحدۃ لما کانت شعار اھل الافرنج وجب ترکہ لذلک (الکوکب الدری: ج ۲ ص ۱۴) کہ ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنا چونکہ اہل یورپ کا شعار ہے، اس لیے اس طریقہ کو چھوڑنا واجب ہے۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم. کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔
- نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت یہود و نصاریٰ کی طرح انگلیوں اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لیس منا من تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود والنصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالاکف (مشکوٰۃ ص ۳۹۹) کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے علاوہ دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔ اس لیے یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ بھی مشابہت اختیار نہ کرو۔ کیونکہ یہودیوں کے سلام کرنے کا طریقہ انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنے کا تھا۔ اور نصرانیوں کے سلام کرنے کا طریقہ ہتھیلیوں کے ساتھ اشارہ کرنے کا تھا۔
- یاد رہے کہ اس حدیث میں جیسا کہ ہاتھ سے اشارہ کے ساتھ سلام کرنے کی صراحۃً ممانعت آئی ہے، اسی طرح تشبہ کے باعث ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کی ممانعت بھی اس حدیث میں موجود ہے۔

---

ؒ مشکوٰۃ ص ۳۷۵

# مواہبِ رحمانی

در

# مسائلِ قربانی

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مد ظلہ العالی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِيْعِنَا وَسَنَدِنَا وَهَادِيْنَا وَمُرْشِدِنَا وَاِمَامِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ:

ماہ ذوالحجہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنی عبادتیں ہم پر مقرر فرمائی ہیں، مثلاً حج، عمرہ، ہدی، قربانی، تکبیراتِ تشریق، عرفہ کے دن کا روزہ، نمازِ عید کی نماز۔ اس رسالہ میں ہم صرف قربانی کا ہی ذکر کریں گے۔ اور حج و عمرہ وغیرہ کو ان شاء اللہ الگ مستقل طور پر بیان کیا جائے گا۔ جس کے لیے آپ حضرات سے صحت کی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ ناتواں سے کچھ کام لے لے تاکہ افادہ عام ہو۔

## قربانی کی ابتداء

قربانی وہ حکم ہے جو تمام مِلَلِ سماویہ میں رہا ہے اور اس کا مقصد بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ حضرت آدم

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دَور سے بنی آدم میں یہ دستور شروع ہُوا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت منقول ہے کہ اُس وقت فقراء نہ ملتے تھے جن کو صدقہ دیا جائے، جس شخص کی قربانی قبول ہوتی تھی اُس قربانی کو آسمان سے آگ آکر اُٹھا لے جاتی تھی اور اگر قربانی قبول نہ ہوتی تو وہ قربانی یُوں ہی پڑی رہتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہابیل اور قابیل دو بیٹے بھی تھے۔ ہابیل نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے بڑے سینگوں والا اور موٹی موٹی آنکھوں والا، سفید رنگ کا ایک مینڈھا بڑے ہی اخلاص کے ساتھ قربان کیا جو بارگاہ خُداوندی میں قبول و منظور ہُوا، دُوسری طرف قابیل نے بھی ایک قربانی بادلِ ناخواستہ پیش کی اس کی صورت یہ تھی کہ کھیتی کا ایک ناکارہ اور خراب گلا سڑا گٹھا قربان کیا، جسے آگ نے نہ کھایا اور یوں ہی مردود و بے دود پڑا رہا۔ دراصل قابیل کی نیت میں اخلاص نہیں تھا۔ معلوم ہُوا کہ قربانی کے لیے اخلاصِ نیت شرط ہے۔

پھر ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دَور آیا تو ان کو حکمِ خداوندی ہُوا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل ذبیحُ اللہ علیہ السلام کو ذبح کریں۔ چنانچہ ان دونوں باپ بیٹا نے خدا تعالیٰ کے حکم کو بسر و چشم قبول کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حکمِ خُدا کو بجالاتے ہُوئے ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹا کر اُن کے گلے پر خلوصِ نیّت کے ساتھ چُھری رکھ دی، تب حُکمِ الٰہی سے چُھری نے اپنا کام نہ کیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بہ حکمِ خُدا بہشت سے ایک دُنبہ لاکر فرمایا اے خلیل اللہ! یہ دُنبہ لیجیے اور اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کے عوض میں اسے ذبح کر دیجیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ دُنبہ ذبح کیا۔ اُس وقت سے یہ طریقۂ ابراہیمیؑ اب تک مسلسل چلا آرہا ہے۔ مُشرکینِ عرب نے بھی یہ طریقہ برابر جاری رکھا۔ پھر اسلام نے بھی اس سُنّتِ ابراہیمیؑ کو اُمّتِ مُحمّدیہ میں وجوباً یا استحباباً مُطابق احوالِ اشخاص کے قائم رکھا۔

امام محمد بن عیسٰی الترمذی رحمۃ اللہ نے جامع ترمذی میں لکھا ہے عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی هذا حدیث حسن (جامع ترمذی ص ۲۷۷ ج ۱) یعنی حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

دس سال تک مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔"

پھر عہد نبوی کے بعد ہر زمانہ میں قربانی کا عام دستور رہا اور اب تک برابر چلا آرہا ہے اور یہ قربانی دین کے ضروری کاموں میں شمار ہوتی ہے۔

صحیح ترمذی ص ۲۷۵ وابن ماجہ ص ۲۳۳ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور عمران بن حصین وزید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم انہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونہا واشعارہا واظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بہا نفسا یعنی فرض عبادت کے ماسوا قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ ثواب کسی کام میں نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ قیامت کے دن اس کا ثواب مع ثواب اس کے سینگوں، بالوں اور کھروں کے سامنے آجائے گا اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوجاتا ہے اس لیے خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔

اسی واسطے علماءِ اسلام کے نزدیک قربانی کے دنوں میں جانور
ہی ذبح کرنا بہت فضیلت کی چیز ہے اور جو ثواب اس قربانی
کرنے اور خون بہانے میں ہے وہ اس کی قیمت ادا کرنے میں نہیں ہے
انتہائی درجہ ثواب کا وہ ہے جو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند
میں اور ابن ماجہ نے سنن ص ۲۳۲ و مشکوٰۃ ص ۱۲۹ میں حضرت
زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب النبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ
ماھذہ الاضاحی یعنی ہمارے دین میں ان قربانیوں کی خصوصیت
کیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے جدِ امجد
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ چلا آرہا ہے۔ پھر عرض کرنے
لگے فما لنا فیھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی ہمیں
ان قربانیوں میں کتنا ثواب ملے گا؟ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا بکل شعرۃ حسنۃ یعنی ہر ہر بال کے بدلہ میں
ایک ایک نیکی ملے گی۔ پھر عرض کرنے لگے فالصوف یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
پھر دنبی کے اون کا کتنا ثواب ہوگا؟ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ۔ یعنی اون کے ہر ہر
بال کے بدلے میں بھی ایک ایک نیکی ملے گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و مہربانی ہے کہ ایک قربانی کرنے میں بے شمار نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اگر کسی پر قربانی واجب نہ ہو مگر ثواب کی نیت سے قربانی کرے تو اس کو بھی بڑا ثواب ہوگا لہٰذا سب مسلمانوں کو چاہیے کہ نہایت ذوق و شوق سے قربانی کیا کریں۔ یہ دِن نکل جائیں گے تو بڑی دولت ہاتھ سے جاتی رہے گی پھر اس کے بعد ہزاروں کیا لاکھوں رُوپے صرف کرنے پر بھی اتنا بڑا ثواب نصیب نہیں ہوگا۔

مُناسب تو یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ طاقت دے تو اپنی طرف سے، اپنے ماں باپ کی طرف سے، اپنے رشتہ داروں کی طرف سے، مرے ہُوئے عزیزوں کی طرف سے بھی قربانی کرے اور ان کی رُوح کو اس کا ثواب پہنچائے اور مالدار پر تو واجب ہے کہ اپنی قربانی کرے اور اگر قربانی نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

## مَسائلِ قربانی:

جو مسلمان آزاد اس قدر مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو، یا اتنا امیر تو نہیں لیکن اس کے پاس ضروری اسباب کے علاوہ اور سامان و اسباب و مکانات اس قدر ہوں کہ ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، خواہ یہ مال تجارت کا ہو یا نہ ہو، سال پُورا گزرے یا نہ گزرے اس پر قربانی واجب ہے، جیسے صدقۂ فطر

واجب ہے۔ اگر اس قدر مال اس کے پاس نہیں ہے تو اُس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر کرے گا تو ثواب ملے گا۔

بقرعید کی ۱۰ تاریخ کی صبح صادق سے لے کر ۱۲ تاریخ کے آفتاب غروب ہونے تک قربانی کا وقت ہے۔ ان تین دنوں میں سے جس دن بھی چاہے قربانی کرسکتا ہے۔ البتہ ۱۰ تاریخ کو قربانی کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ پھر ۱۱ تاریخ کو اس سے کم، پھر ۱۲ تاریخ کو اس سے بھی کم ثواب ملے گا۔ ان تین دنوں میں ۱۰ تاریخ کے بعد کی رات اور پھر ۱۱ تاریخ کے بعد کی رات میں بھی قربانی کرسکتا ہے مگر رات میں قربانی کرنا بہتر نہیں ہے کہ خدانخواستہ کوئی رگ کٹنے سے رہ جائے، تو اس صورت میں قربانی درست نہ ہوگی۔ نیز ۱۲ تاریخ کے غروب آفتاب کے بعد قربانی نہ ہوگی۔

قربانی کا جانور اگر شہر یا قصبہ میں ہے تو اس کی قربانی کرنا نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے درست نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو نمازِ عید ادا کرنے کے بعد دوبارہ قربانی کرے۔

قربانی کا جانور اگر کسی چھوٹے دیہات میں ہے تو صُبح صادق کے ظاہر ہونے کے فوراً بعد بھی قربانی کے جانور کا ذبح کرنا جائز ہے۔ سو اگر شہر کا باشندہ صبح ہوتے ہی کسی گاؤں میں قربانی کا جانور بھیج دے اور وہاں نمازِ عید سے پہلے ہی ذبح کر دیا جائے

اور خود قربانی کرنے والا شہر ہی میں رہے تو وہ قربانی صحیح ہوگی۔
مسافر آدمی ۱۲ ذی الحجہ تک کسی جگہ مقیم ہو جائے تو اس پر
قربانی واجب ہو جائے گی۔
غریب آدمی ۱۲ ذی الحجہ کو دفعۃً مالدار ہو گیا تو اسی وقت ہی
اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔
قربانی کرنے والے کو ذبح کرنے کا طریقہ آتا ہو تو اپنی قربانی
اپنے ہاتھ سے خود ہی ذبح کرے، اور اگر دوسرے سے ذبح کرائے
تو بھی کچھ مضائقہ نہیں، لیکن دوسرا شخص ذبح کرے تو قربانی
کرنے والا خود ذبح کے وقت سامنے کھڑا ہو، اور اگر قربانی
کرنے والی عورت ہو اور سامنے کھڑے ہونے سے بے پردگی کا
خوف ہو تو پھر سامنے کھڑی نہ ہو۔
قربانی صرف اپنی ہی طرف سے واجب ہے۔ قربانی صدقۂ
فطر کی طرح نہیں کہ چھوٹی اولاد کی طرف سے بھی قربانی دے اگرچہ
اس کی اولاد مالدار ہو اور چھوٹے بچے کے مال سے قربانی نہ کرے
اگر چاہے تو اپنے مال سے ہی قربانی کر دے۔
قربانی کے جانور صرف یہ ہیں: اونٹ، اونٹنی (خواہ ایک
کوہان والے ہوں یا دو کوہان والے)، گائے، بیل، بھینس، بھینسا
بکرا، بکری، دنبہ، دنبی، مینڈھا اور بھیڑ۔ ان کے علاوہ اور کسی

جانور کی قربانی جائز نہیں۔ گھوڑا، جنگلی گدھا، وحشی گائے، مُرغ مرغی کے انڈے، چڑیا، گوہ، بجو اور ہرن وغیرہ وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات آگے بیان ہونگی۔

بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا، دُنبی اور دُنبہ صرف ایک آدمی قربانی کر سکتا ہے۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اُونٹ، اُونٹنی مقدور والا ایک آدمی بھی کر سکتا ہے، دو بھی شریک ہو سکتے ہیں، تین بھی، چار بھی، پانچ بھی، چھ بھی اور زیادہ سے زیادہ سات بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ سب شرکاءِ قربانی کی نیت محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہو، کسی کا اِرادہ محض گوشت کھانے کا یا دِکھلاوے اور عزیز و اقارب میں نیک نامی کا نہ ہو۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ سب شرکاءِ قربانی کے حصے صحیح کانٹے پر تول کر پورے پورے تقسیم کیے جائیں۔ شریک قربانی کے دو ہوں یا تین، یا چار، یا پانچ، یا چھ اور یا زیادہ سے زیادہ سات ہوں، اگر ایک کا بھی حصہ کم یا زیادہ ہو گیا تو حرام ہو جائے گا۔ لہٰذا سب شرکاء میں گوشت اندازے اور اٹکل سے نہ بانٹا جائے

البتہ جس طرف گوشت کم ہو اس طرف کلہ، سری، پائے، یا کھال ملائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کسی طرف گوشت زیادہ ہے اُسی طرف یہ چیزیں بھی ہوں تو حرام ہو جائے گا۔

اُونٹ، اُونٹنی، گائے، بیل، بھینس اور بھینسے میں سات آدمیوں سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ ائمۂ اربعہ کا مُتفقہ مسئلہ ہے۔

**فقہ حنبلی** کی کتاب الروض المربع ص ۵۳۰ ج ۱ میں منصور بن یونس بن ادریس البہوتیؒ نے لکھا ہے: وتجزئ البدنة والبقرة عن سبعة یعنی اُونٹ اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتے ہیں۔

اور الکافی ص ۴۷۳ ج ۱ میں ابن قدامہؒ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

**فقہ شافعی** کی کتاب نہایۃ المحتاج ص ۱۳۳ ج ۸ میں ہے: وخرج بسبعة مالو ذبحها ثمانية ظنوا انهم سبعة فلا تجزئ عن واحد منهم یعنی سات آدمیوں کی قید سے یہ صورت نکل گئی کہ آٹھ آدمیوں نے قربانی ذبح کی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم سات ہیں تو قربانی کسی کی نہ ہوئی۔

امام غزالیؒ نے الوجیز ص ۱۲۸ ج ۲ میں اسی طرح لکھا ہے۔ نیز کفایۃ الاخیار ص ۲۳۷ ج ۲ میں بھی ایسا ہی ہے۔

امام نووی ؒ نے شرح صحیح مسلم ص ۴۲۴ ج ۱ میں لکھا ہے کہ اُونٹ میں سات آدمی بھی شریک ہوسکتے ہیں ان البدنة تجزیٔ عن سبعة۔

امام ترمذی ؒ نے اپنی جامع ص ۱۸۰ ج ۱ میں حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نحرنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة یعنی ہم نے حُدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اُونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے نحر کی۔ پھر کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، اس کے بعد حضرت امام ترمذی ؒ نے فرمایا: والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وغیرھم وھو قول سفیان الثوری ؒ وابن المبارک ؒ والشافعی ؒ واحمد ؒ واسحاق ؒ یعنی تمام صحابہ ؓ وتابعین ؒ وغیرہم کا اِسی پر عمل ہے کہ اُونٹ میں سات تک شریک ہوسکتے ہیں، یہی قول سُفیان ثوری ؒ وابن المبارک ؒ اور امام شافعی ؒ اور امام احمد ؒ اور امام اسحاق ؒ کا بھی ہے۔ ہاں البتہ حضرت اسحاق ؒ نے کسی وقت یہ بھی کہا تھا کہ اُونٹ میں دس بھی شریک ہوسکتے ہیں۔ مگر مذہب وہی ہے جو اُوپر

بیان کیا جا چکا ہے۔
گائے میں شریک ہونے والے خریدنے سے پہلے شریک ہوجائیں، اور پھر گائے خریدیں تو یہ اَحوَط اور افضل ہے۔ اور اسی حکم میں یہ بھی صُورت ہے کہ خریدنے والا اس نیت سے خریدے کہ ایک حصّہ یا دو حصّے میں خود اپنی قربانی کے لیے رکھوں گا اور باقی حصوں میں دوسروں کو شریک کروں گا کہ یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اگر اس نے بغیر کسی نیت کے خرید کی اور بعد میں دُوسروں کو شریک کر لیا تو اس کے جواز میں اِختلاف ہے لیکن راجح جواز ہے والاشتراك قبل الشراء احب (درمختار) لو لم ينو عند الشراء ثم اشركهم فقد كرهه ابوحنيفة (ردالمحتار) وان نوى ان يشترك فيها ستة اجزأته (ردالمحتار) (كفايت المفتی ص ۲۰۲ ج ۸)

ان تمام عبارات سے یہ تو واضح ہوگیا کہ اُونٹ، اُونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اس سے زیادہ آٹھ، نَو یا دس شریک نہیں ہوسکتے۔ البتہ ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ کے حوالے سے مشکوٰۃ ص ۱۲۰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے کہ "ہم ایک سفر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تھے کہ عیدِ قربان آگئی تو ہم نے گائے میں سات، اور اُونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت سے قربانی کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ پھر حضرت اسحٰق بن راہویہؒ نے اسی حدیث پر عمل فرمایا، ان کے نزدیک اُونٹ میں دس آدمیوں کا قربانی کے لیے شریک ہونا جائز ہے۔ لیکن دُوسرے عُلماءِ کرامؒ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے اور اُونٹ بھی سات ہی آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتا ہے"۔ اس حدیث کی رُو سے اُونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت والی حدیث کو منسوخ کہا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸

نیز امام طحاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ سب عُلماءِ کرامؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قربانی میں سات سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ اور یہ علماء کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ جن اقوال میں یہ وارد ہے کہ اُونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں وہ اقوال صحیح نہیں ہیں۔

# قربانی کے جانور

قربانی کے جانور اہل السنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق گھریلو جانور ہیں یعنی اُونٹ، اُونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا، دُنبی اور دُنبہ۔ ان کے علاوہ کوئی جانور بھی قربانی میں نہیں لگ سکتا خواہ وہ گھریلو ہوں وحشی۔ مثلاً مرغی، مرغ، بطخا، بطخ، گھوڑا، ہرن، بجو، گوہ، وحشی گائے، جنگلی گدھا اور خرگوش وغیرہ۔

## فقہ مالکی کی کتاب بدایۃ المجتہد ص ۴۳۰ ج ۱

میں علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وکلھم مجمعون علیٰ انہ لا یجوز الاضحیۃ بغیر بھیمۃ الانعام الا ماحکی عن الحسن بن صالح انہ قال یجوز التضحیۃ ببقرۃ الوحش والظبی عن واحد۔ یعنی سب علماء حق کا اس بات پر اِتفاق اور اجماع ہے کہ بہیمۃ الانعام یعنی بھیڑ، مینڈھا، دُنبی، دُنبہ، بکری، بکرا، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اُونٹ اور اُونٹنی کے سوا کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ البتہ حسن بن صالح جو امامی، اثنا عشری شیعہ تو بے شک نہیں تھا تاہم اس کا

نقل شیعوں کے زیدی فرقہ کے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ یہ حکایت کی گئی ہے کہ وہ وحشی گائے کی قربانی بھی جائز کہتا ہے اور یہ بھی کہتا تھا کہ ہرن کی قربانی بھی ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ پیش کیا جائے گا۔

فتح العلام لشرح بلوغ المرام ص ۲۹۶ ج ۲ میں علامہ ابوالخیر نورالحسن خان بن ابی الطیب صدیق حسن بن حسن بن علی الحسینی البخاری قنوجی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے:

ثم الاجماع علی انہ لاتجوز التضحیۃ بغیر بھیمۃ الانعام الا ماحکی عن الحسن بن صالح انھا تجوز التضحیۃ ببقرۃ الوحش عن عشرۃ والظبی عن واحد، وماروی عن اسماء انھا قالت ضحینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخیل و ماروی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ ضحی بدیک یعنی تمام علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر بھیمۃ الانعام یعنی دُنبی، دُنبہ، بھیڑ، مینڈھا، بکری، بکرا، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اُونٹ اور اُونٹنی کے کسی گھریلو یا وحشی اور جنگلی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ زیدی شیعہ حسن بن صالح سے حکایت کی گئی ہے

کہ دس آدمیوں کی طرف سے وحشی گائے قربانی میں لگ سکتی ہے، اور ایک آدمی کی طرف سے ہرن کی قربانی بھی لگ سکتی ہے اور دلیل میں وہ روایت پیش کرتا ہے جو اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے کسی نے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے دور میں گھوڑے کی قربانی کی تھی۔ نیز وہ روایت بھی پیش کرتا ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے روایت کی ہے کہ انھوں نے مُرغ کی قربانی کی تھی۔

نیز سبل السلام میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

بہرحال ان حوالہ جات سے یقیناً یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ علماءِ اسلام میں سے کسی نے بھی خواہ علماءِ اہلِ حق ہوں یا نہ، اہلِ سنت ہوں یا اہلِ اعتزال، یا اہلِ تشیع، خواہ امامی، خواہ اثنا عشری، خواہ خوارج ہوں یا جہمی، خواہ قدری وغیرہ یہاں تک کہ اسلام کا دعوٰے کرنے والا ان مذکورہ گھریلو مشہور جانوروں بھیڑ، بکری، دنبہ، گائے، بھینس اور اُونٹ نر و مادہ کے علاوہ کسی دُوسرے گھریلو یا وحشی جانور کی قربانی کو جائز نہیں کہا۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں اگر کسی شخص نے وحشی گائے، جنگلی گدھے اور ہرن وغیرہ کی قربانی کو جائز

کہا ہے تو وہ صرف زیدی شیعہ حسن بن صالح ہی ہے ، جس نے اہلِ السنت کا رُوپ دھار کر نہ جانے کیا کیا گُل کھلائے ہیں۔ اس رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے ، البتہ آئندہ صفحات میں کچھ مزید تعارف اس کا بیان کیا جائے گا ۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ

## قربانی کے جانوروں کی عُمریں

- بکرا ، بکری پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے ۔ اس سے ایک دِن بھی کم نہ ہو ، ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی ۔
- اگر بکری کا بچہ ۶ یا ۷ یا ۸ یا ۹ ذی الحجہ کو پیدا ہُوا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قاعدہ کے مُطابق وہ دُوسرے سال کی قربانی میں نہیں لگ سکتا ، کیونکہ ۱۲ ماہ ۳۰ ، ۳۰ دِن کے لیے جائیں تو پُورے سال کا نہیں ہُوا ، اس لیے اس کی قربانی جائز نہ ہوگی ۔
- اگر یکم ذی الحجہ کو پیدا ہُوا تو اس کی قربانی بے شک درست ہے ۔ اور بہتر ہے کہ دو سال کا ہو ، تاکہ اِختلاف سے نکل جائے
- اُونٹ ، اُونٹنی پُورے پانچ سال کے ہوں ، ایک دن بھی کم نہ ہو ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی ، اور زیادہ کا ہو تو بہتر ہے ۔
- گائے ، بیل ، بھینس ، بھینسا پُورے دو سال کے ہوں ایک

دِن بھی کم نہ ہو، ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی اور زیادہ کا ہو تو بہتر ہے۔

○ بھیڑ اور دُنبی نر و مادہ کم از کم چھ ماہ کے ہوں اور وہ اس قدر فربہ ہوں کہ سال بھر کی بھیڑوں کے برابر اس کی صحت معلوم ہو۔

## عمروں میں اختلاف

قربانی کے جانوروں کی عمروں کے مسئلہ کو مختلف فیہ بنا دیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ "جانوروں کی عمروں کا قربانی میں کوئی لحاظ نہیں ہے اور یہ کہ عرب کے ہاں مسنہ کے معنی ہیں الذی القی[1] ثنیتہ یعنی جس کے اگلے دانت گرے ہوئے ہوں، تو اس کے معنی ما اتت علیہ سنۃ کیوں کرتے ہیں؟"

**الجواب:** جس طرح علم حدیث مستقل فن ہے اور اس کی مخصوص اصطلاحات ہیں، ضروری نہیں کہ ان اصطلاحات کو لغوی معنی ہی میں استعمال کیا جائے بلکہ وہ منقول ہیں۔ اسی طرح فقہ بھی ایک مستقل فن ہے اور اس کی بھی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں، اور ضروری نہیں کہ ان اصطلاحات کو لغوی معنوں میں ہی استعمال کیا جائے۔

## فقہ حنبلی کی کتاب الروض المربع ص ۵۲۹ ج ۱

میں منصور بن یونس بن ادریس البہوتی حنبلیؒ نے لکھا ہے فالابل ای السن المعتبر لاجزاء ابل خمس سنین و البقر سنتان

والمعز سنة والضأن نصفها ای نصف سنة یعنی جو اُونٹ قربانی کے لیے ہو وہ (کم ازکم) پانچ سال کا ہو گا گائے (اور بھینس) دو سال کی، بکری ایک سال کی اور بھیڑ چھ ماہ کی۔

العدہ شرح العمدہ ص ۲۱۰ کے حاشیہ میں ہے الثَّنِیُّ... من المعز ماله سنة وثنی الابل ما کمل له خمس سنین ومن البقر ماله سنتان یعنی ثنی بکری ایک سال کی، ثنی اُونٹ پانچ سال کا ثنی گائے دو سال کی۔

المحرر ص ۲۴۹ ج ۱ میں ہے الثنی .... ماتمت له سنة من المعز و سنتان من البقر وخمس سنین من الابل یعنی ثنی بکری پُورے سال کی، ثنی گائے دو سال کی ثنی اونٹ پانچ سال کا۔

**فقہ شافعیہ** کا اگرچہ دُوسرے مسالک کے ساتھ اختلاف ہے، مگر جانوروں کی تشریح میں وہ بھی عُمروں کا ہی لحاظ رکھتے ہیں۔ مثلاً کفایت الاخیار ص ۲۳۶ ج ۲ میں لکھا ہے کہ واما الثنی من المعز فماله سنتان علی الاصح یعنی اصح مسلک یہی ہے کہ بکری ثنی (مسنہ) وہ ہوتی ہے جس کی عُمر کے دو سال پُورے ہو چکے ہوں۔ آگے چل کر لکھا واما الثنی من الابل فماله خمس سنین ودخل فی السادسة علی الاصح وقیل مادخل فی

السابعة۔ اُونٹ ثنی (مُسِنّہ) وہ ہے جو پانچ سال کا ہو، اور اصح مسلک کے مُطابق چھٹے سال میں داخل ہو جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُونٹ ثنی وہ ہے جو ساتویں سال میں داخل ہو جائے۔

واما البقر فمالہ سنتان ودخل فی الثالثہ علی الاصح وقیل مادخل فی الرابعة یعنی ثنی گائے بھینس (مُسِنّہ) اصح مسلک کے مُطابق وہ ہے جس کے دو سال پورے ہو جائیں، اور تیسرے سال میں لگ جائے اور بعض کہتے ہیں کہ جس کے تین سال پورے ہو جائیں اور چوتھے سال میں لگ جائے۔

نہایۃ المحتاج ص ۱۳۳ ج ۸ میں علامہ شمس الدین رملیؒ نے لکھا ہے:

وشرط اجزاء ابل ان تطعن ای تشرع، فی السنة السادسة وبقر ومعز فی الثالثة وضأن فی الثانیة بالاجماع یعنی قربانی میں وہ اُونٹ لگ سکتا ہے جو چھٹے سال میں لگا ہوا ہو، اور گائے... تیسرے میں اور بھیڑ دُوسرے میں۔

شرح روض الطالب ص ۵۳۵ ج ۱ میں ہے: ولا یجزئ اقل من جذع الضأن وثنی المعز والابل والبقر والجذع ذو سنة تامة.... والمعز والبقر ای الثنی منهما ذو سنتین تامتین والابل ای الثنی منها ذو خمس سنین تامة لخبر مسلم لا تذبحوا الا مُسِنّة الا ان تعسر علیکم فاذبحوا جذعة

من المنان. قال النووی فی شرح مسلم قال العلماء المسنة هی الثنیة من الابل والبقر والغنم فما فوقہا. اھ یعنی بھیڑ دُنبی کا بچہ پُورے سال کا اور بکری، اُونٹ، گائے، بھینس کا ثنی (مُسنہ) سے کم عمر کا جانور قربانی کے لیے کافی نہیں. جذع پُورے سال کا ہوتا ہے. اور بکری اور گائے کا ثنی پُورے دو سال کے اور اُونٹ کے ثنی پُورے پانچ سال کے، کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُسنہ (ثنی) سے کم عمر کا جانور ذبح نہ کرو، البتہ اگر تم کو مشکل پیش آجائے اور مُسنہ نہیں ملتا تو بھیڑ اور دنبی کا یکسالہ بچہ قربانی میں ذبح کر دو. شرح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ گائے، اُونٹ اور بکری میں سے مُسنہ وہی ثنی ہی ہوتا ہے اور اسی طرح جو عمر میں اس سے بڑا ہو وہ مُسنہ ہوتا ہے.

جامع ترمذی ص ۱۸۱ ج ۱ میں امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ

وقال وکیع الجذع مایکون ابن سبعة او ستة اشھر

یعنی وکیعؒ نے کہا ہے کہ جذع وہ ہے جو چھ یا سات ماہ کا ہو.

نیل الاوطار ص ۳۴۵ ج ۳ میں بھی علامہ شوکانیؒ نے ان کا قول نقل کیا ہے.

خطابیؒ نے بھی اسی طرح ابوداؤد کی شرح میں لکھا ہے.

اہلِ لغت بھی فقہاء اربعہ کے قول کے موافق وہی معنے بیان کرتے ہیں جو فقہاء نے تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ

المغرب ص ۸۷ ج ۱ میں مطرزی نے لکھا ہے وعن الزہری الجذع من المعز سنة ومن الضأن ثمانية عشر یعنی زہری (تابعی اُستاذ امام مالکؒ) سے روایت ہے کہ بکری کا جذع سال کا ہوتا ہے اور بھیڑ کا جذع اٹھارہ ماہ یعنی ڈیڑھ سال کا۔

مجمع البحار ص ۱۸۱ ج ۱ میں ہے فھو من الابل ما تم له اربع سنین ومن البقر والمعز ما تم له سنة وقیل من البقر ماله سنتان ومن الضأن ما تمت له سنة وقیل اقل منها یعنی جذع اُونٹ چار سال کا اور گائے و بکری پورے ایک سال کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جذع گائے کا دو سال والا اور جذع بھیڑ دنبی کا پورے ایک سال کا اور بعض اس سے کم عمر والے کو جذع کہتے ہیں۔

نہایہ ص ۱۷۷ ج ۱ میں علامہ ابن اثیرؒ نے اسی طرح لکھا ہے۔

# مُسِنّۃ و ثنی جانوروں کی عُمریں

**سوال:** بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک بکری بھیڑ کے اگلے دانت دُودھ والے ٹوٹ کر نئے نہ نکل آئیں اس وقت تک اس کی قربانی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ امام مالکؒ نے حضرت

نافعؒ سے روایت فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان قربانیوں سے بچتے تھے جو مُسِنّہ نہ ہو۔ اور مجمع البحار ص ۱۴۸ ج ۲ میں ہے کہ مُسِنّہ کا اِطلاق اس گائے یا بکری پر ہوتا ہے جس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے ہوں اور ان کے آگے کے دانت تیسرے سال ٹوٹتے ہیں، اور اس کے معنی بوڑھا ہونے کے نہیں ہو سکتے، جیسے بوڑھے آدمی کو مُسِنّ کہتے ہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں تیسرے سال دانتوں کا نکلنا۔ مصباح اللغات میں ہے اَسَنَّ الرَّجُل یعنی مرد بوڑھا ہُوا اور اَسَنَّ الصَّبِیُّ یعنی بچے نے دانت نکالے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مُسِنّ اور ثَنِیّ مرادف (ہم معنی) لفظ ہیں جیسے نسائی ص ۲۰۳ ج ۲ کے حاشیہ میں محشی سندھی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ الثَّنِیُّ ھُوَ المُسِنّ ۔ اور ثنی کے معنی مصباح المنیر ص ۵۸ ج ۱ میں ہیں الذی یُلقی ثنیتہ یعنی جو اپنے دانت گرا دے۔ تاج المصادر ص ۲۵۱ میں اِثناءؒ کے معنی ہیں بیفگندن ثنیہ، یعنی سامنے کے دانتوں کا گرانا۔ نیز مصباح اللغات ص ۴۷ میں ہے کہ ثَنِیّ وہ جانور ہے جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں۔ ایک قلمی لغت ص ۱۹۶ میں ہے ثَنِیّ بفتح اول وکسرِ نون وتشدید یا اخیر۔ شتر و گاؤ و گوسفند کہ دندانہائے پیش اُفتادہ باشد یعنی اُونٹ، گائے اور بھیڑ بکری جن کے آگے کے دانت

گر گئے ہوں۔
جب ثنی کے یہ معنی ہوئے تو مُسِن کے معنی بھی یہی ہیں یعنی
مُسِن وہ جانور ہے جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں تو
اس صورت میں اسنان (باب افعال) کا ہمزہ سلب کا ہوگا
گو علامہ ازہریؒ نے تہذیب اللغت میں اسنان کے معنی
طلوع السن کے لکھے ہیں۔

## الجواب:

اگر بات آپ کی لی جائے تو .... اب سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ دانت کب گرتے ہیں اور کب نکلتے ہیں، سو اس کے
لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کیونکہ بعض گوسفند کے دانت (دودھ
والے) دس یا گیارہ ماہ میں بھی گر جاتے ہیں اور بعض کے دانت
بارہ ماہ کے بعد گرتے ہیں۔ دو سال میں کسی نہ کسی وقت گر جاتے
ہیں اور تیسرے سال میں بعض کے دانت نکلنا شروع ہوتے ہیں
بہر حال کوئی مُعیّن وقت اس کا نہیں ہے اس لیے شارع
نے مہینوں کا معیار رکھا اور عرف میں بھی یہی معیار ہے۔
چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ
اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے پیروکاروں کا مذہب
ہے کہ بکری ایک سال کی ہو جائے تو وہ بکری مُسِنّہ اور ثنیہ ہے۔

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب گائے چوتھے سال میں داخل ہو جائے تو وہ مُسنّہ اور ثنیہ ہے اور اُونٹ چھ سال کا مُسن اور ثنی ہو جاتا ہے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعینؒ، اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اُونٹ مُسن اور ثنی کہلاتے ہیں۔ (محلّی حاشیہ موطا مالکؒ ص ۱۸۷، مجمع البحار ص ۱۶۶ ج ۱، اور موطا امام مالکؒ کے حاشیہ محلّی میں ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھیڑ بکری دو سال کی ہو تب مُسن اور ثنی ہوتی ہے۔

بہر حال سب میں قدرِ مشترک یہی ہے کہ سب مجتہدینؒ عمر کا لحاظ کرتے ہیں۔ دانتوں کے نکلنے یا گرنے کا لحاظ نہیں کرتے ہاں اتنا کہہ دیتے ہیں کہ گائے بکری کے دانت تیسرے سال میں گرتے ہیں یعنی عام طور پر نہ کہ ہمیشہ، اور کبھی کہتے ہیں کہ تیسرے سال دانت نکل آتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جس طرح لفظ حائض کا لفظی معنیٰ تو ہے وہ عورت جسے حیض کا خون آرہا ہو، مگر ایک حدیث میں ہے: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یقبل اللہ صلوٰۃ حائض الا بخمار ای امرأۃ

بالغۃ (ابوداؤد ص ۱۰۱ ج۱) حائض یعنی بالغہ عورت کی نماز کو جو بغیر اوڑھنی کے ہو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔

اسی طرح محتلم کے لفظی معنی ہیں کہ وہ شخص کہ جس کو احتلام آتا ہو۔ مگر حدیث شریف میں ہے: غسل یوم الجمعۃ واجب علیٰ کل مُحتلم ای بالغ (ابن ماجہ ص ۷۸ ۔ ۱۵) یعنی ہر احتلام والے یعنی بالغ مرد پر جمعہ کے روز نہانا واجب ہے۔

مگر چونکہ احتلام کا کوئی وقت مُعیّن نہیں ہوتا۔ بعض کھاتے پیتے گھرانوں کے لڑکوں کو بارہ سال کی عُمر میں ہی احتلام ہوجاتا ہے تو وہ بالغ ہوجاتے ہیں اور بعضوں کو پندرہ برس کی عُمر میں بھی احتلام نہیں آتا۔ اس لیے پندرہ برس کی عُمر کو معیار بنایا بشرطیکہ اس سے پہلے بلوغت کا اقرار نہ کیا ہو۔

اسی لیے خلیفۂ راشد حضرت امام عُمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ روایت سُنی کہ اُحُد کے سال جب میں چودہ برس کا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے پیش کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فوجی بھرتی میں داخل نہ فرمایا کہ ابھی چھوٹا ہے۔ پھر دُوسرے سال خندق کے غزوہ میں جب کہ میں پندرہ برس کا ہوچکا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے فوجی بھرتی کے لیے پیش کیا گیا، اس وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فوجی بھرتی میں داخل فرمانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اس عمر کو معیار سمجھتے ہوئے فرمایا کہ ھٰذَا فَرْقٌ بَیْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّیَّةِ (مشکوٰۃ ص ۲۹۲) یہ مدت بالغ اور نابالغ کے درمیان حدِ فاصل ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے بلوغت کا اقرار نہ کرے اور محتلم کا اطلاق پندرہ سالہ لڑکے پر درست ہے، اگرچہ اس کو احتلام نہ آئے،

**بعینہ** اسی طرح بکری سال کی ہو جائے، گائے دو سال کی ہو جائے، اور اونٹ پانچ سال کا ہو جائے تو انھیں ثَنِیّ کہیں گے اگرچہ اس کے سامنے کے دانت گرے ہوں یا نہ اور انھیں کو مُسِنّ بھی کہیں گے اگرچہ ان کے سامنے کے دانت گرنے کے بعد نئے دانت نکلے ہوں یا نہ۔

**بہرحال** اس ساری بحث اور تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ثَنِیّ اور مُسِنّ وغیرہ کہلانے کی دارومدار عمروں پر ہے، نہ کہ دانتوں پر۔

## بھیڑ اور دُنبی میں کیا فرق ہے

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جس طرح بکری یا بکرے کی قربانی کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے اسی طرح بھیڑ اور مینڈھے کے لیے بھی پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے اور بھیڑ و مینڈھے

کی چھ ماہ کی عمر میں قربانی ناجائز ہے۔ صرف دُنبہ، دنبی جو
چکتی والا ہوتا ہے وہ چھ ماہ کا قربانی میں لگ سکتا ہے بشرطیکہ
سال بھر والے جانور کے ساتھ قدو قامت میں ملتا جلتا ہو کیونکہ
منح الغفار میں ہے: والضأن وھو ماله الیة یعنی ضأن وہ ہے
جس کی چکتی ہو، اس مقام پر سید احمد طحطاویؒ اور علامہ ابن عابدینؒ
نے مبسوط کا حوالہ لکھ کر کہا کہ قید به لانه لایجوز من المعز
وغیرہ بلاخلاف یہ قید اس لیے لگائی کہ بکری وغیرہ (یعنی بھیڑ
مینڈھا) بالاتفاق چھ ماہ کا نہیں لگتا۔

سو اس کا جواب میرے مکرم و معظم و محترم اُستاذ حضرت
مفتیٔ اعظم ہند محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً
وافرۃً کاملۃً سابغۃً وافیۃً نے دو طرح سے دیا ہے۔ ایک
جواب تو کفایت المفتی ص ۲۰۷ تا ۲۰۹ ج ۸ میں طبع ہو چکا
ہے۔ اور دُوسرا جواب وہ ہے جو آپؒ نے درسِ حدیث
میں ہمیں بتایا تھا۔

## پہلا جواب

ھُوالمصوب۔ سال بھر سے کم کا جانور قربانی میں بوجہ
اس صحیح حدیث کے فقہاء نے جائز کہا ہے کہ جو کسی قدر
اختلاف الفاظ کے ساتھ اس طرح وارد ہوئی ہے لاتذبحوا

لا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن یعنی مُسنّہ کے سوا قربانی نہ کرو۔ وہاں اگر مُسنّہ ملنا مشکل ہو تو ضأن کا جذعہ ذبح کردو۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ضأن کیا ہے؟ جہاں تک دیکھا اور غور کیا گیا، یہی معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ "غنم" ایک عام لفظ ہے جو بکری، بھیڑ، دُنبے تینوں کو شامل ہے، اور پھر اس کو باعتبار صُوف ہونے نہ ہونے کے فقط دو قسم پر منقسم کیا گیا ہے، جس پر صُوف نہ ہو اس کو معز کہتے ہیں، اور جس پر صُوف ہو جیسے بھیڑ، دُنبہ اس کو ضأن کہتے ہیں۔ پس ضأن میں دُنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں۔ اور یہ عبارتیں اس کی دلیل ہیں قوله غنما یشمل الضأن والمعز (عینی شرح بخاری جلد عاشر ص ۶۷) والغنم صنفان المعز والضان (کذافی حاشیة ابی داؤد نقلا عن الشیخ المحدث الدهلویؒ)

ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ غنم عام ہے جس میں معز اور ضأن دونوں شامل ہیں۔ اب سُنیے کہ معز اور ضأن کسے کہتے ہیں المعز بالفتح ویحرك خلاف الضان من الغنم۔ انتهیٰ مختصرًا۔ قاموس۔ اس عبارت سے جیسے کہ غنم کا عموم ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غنم میں

معز کے علاوہ جو ہے وہ سب ضأن ہے۔ کیونکہ غنم کی صرف دو قسمیں ہیں۔ فالمعز ذوات الشعور منها والضان ذوات الصوف انتهى۔ تاج العروس جلد رابع ص ۸۲۔ معز الماعز ذو الشعر من الغنم خلاف الضأن۔ انتهى لسان العرب جلد سابع۔ ضأن من الغنم ذو الصوف والضائن خلاف الماعز انتهى مختصراً لسان العرب جلد سابع عشر۔ والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم۔ تفسیر کبیر جلد رابع والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم خازن جلد ثانی ص ۶۰۔ قوله صلی الله علیه وسلم فتذبحوا جذعة من الضأن بالهمزه ويبدل ويحرك خلاف الماعز من الغنم (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ثانی ص ۲۶) ان تمام عبارتوں سے واضح ہے کہ معز تو اُسے کہتے ہیں جس پر بال ہوں اور ضأن وہ ہے جس پر صوف یعنی اُون ہو۔ اور لسان العرب اور مرقات کی عبارتیں اس بارے میں نص صریح ہیں کہ معز کے خلاف غنم میں جو جانور ہیں وہ سب ضأن ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ غنم میں بکری، بھیڑ، دُنبہ تینوں داخل ہیں تو جب کہ فقط بکری ان میں سے معز ہے تو بھیڑ اور دُنبہ دونوں ضأن ہیں اور ضأن کا جذعہ جائز ہے، تو بھیڑ اور دُنبہ دونوں چھ ماہ

سے زائد کے جائز ہوں گے۔ صرف دُنبہ کے جواز اور بھیڑ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس کی پوری تشریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بذیل حدیث لا تذبحوا الا مُسِنّة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان کر دی ہے۔ فرماتے ہیں "پس ذبح کنید جذعہ را از میش"۔ اور پھر تحقیق کرتے ہیں: "وغنم دو صنف است معز کہ آن را بز گویند وضأن کہ آن را میش خوانند"۔ اور ظاہر ہے کہ میش میں دُنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں اور بُز فقط بکری کو کہتے ہیں۔ نواب قطب الدین خان رحمۃ اللہ علیہ مظاہر حق میں اسی حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "پس ذبح کرو جذعہ دُنبہ یا بھیڑ سے"۔ پس اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بھیڑ اور دُنبہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور یہ دونوں غنم کی ایک قسم میں داخل ہیں۔ اور دُوسری قسم بکری ہے۔ اور تمیزان دونوں میں صوف کا وجود اور عدم۔ اَلْیَہ یعنی چکیتی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ منح الغفار شرح دُرِ مُختار میں ضان کی تفسیر مَالَہٗ اَلْیَۃٌ کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول درحقیقت تفسیر لغت کی طرف راجع ہے، نہ حکم فقہی پس

اس میں ارباب لغت کے اقوال سے مطابقت ضروری ہے اور
چونکہ قاموس، صراح، لسان العرب، تاج العروس، مجمع البحار
(کتب لغت) اور تفسیر کبیر، خازن، کشاف (کتب تفسیر) اور
عینی شرح بخاری، اشعۃ اللمعات، مظاہر حق (شروح حدیث)
اور فتاویٰ بزازیہ وغیرہ کتب فقہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ ضأن بھیڑ اور دنبہ دونوں کو کہتے ہیں۔ تو منح الغفار کا یہ
قول اور تقیید کیسے قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ لامحالہ مسامحت، یا
زلۃ قلم پر محمول ہوگا کہ بجائے مالہ صوف او الیۃ مانعۃ الخلو
کے صرف مالہ الیۃ لکھا گیا۔ ھذا واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ رضی عنہ ربہ وارضاہ

## دوسرا جواب

جو حضرت اُستاذی مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے درس
حدیث پاک میں ہمیں بتایا وہ یہ ہے کہ "صاحب منح الغفار
اس علاقہ کے باشندہ ہیں جہاں دنبی، دنبہ کے سوا بھیڑ مینڈھے
نہیں پائے جاتے۔ جیسے عرب میں گائے بیل تو پائے جاتے
مگر بھینس بھینسے نہیں پائے جاتے۔ سو صاحب منح الغفار نے
اپنے علاقہ والوں کو سمجھایا کہ معز بکری ہے اور ضأن وہی ہے جس
کی چکتی ہوتی ہے۔ ان کا حصر کرنا مقصود نہیں کہ چکتی والا ضأن

ہے اور جس کی تحقیق نہ ہو وہ ضمان میں نہیں۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کے دونوں جوابات پڑھ لینے کے بعد یقیناً کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی ہوگی۔ تاہم اس سلسلے میں ایک جواب اور بھی دیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

## جواب ۳

جس فقیہ نے مالہ النیۃ کی قید لگائی ہے یہ احترازی نہیں ہے اور فقہاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ کلیہ۔ نیز فقہاء کرامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم کبھی جگہ قید لگانا چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی جگہ کوئی قید کسی غرض کی وجہ سے لگا بھی دیتے ہیں۔ اور یہ سب بطور امتحان کے کہتے ہیں تاکہ ہر کوئی دعویٰ فقاہت کا نہ کرتا پھرے۔

## بھینس اور گائے میں فرق

قربانی کے لیے حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ذبح کیا جاتا ہے ان میں گائے، بھینس، اونٹ، بکرا و دنبہ ہیں نیز ان کے نر و مادہ سب شامل ہیں۔ البتہ بعض لوگ گائے کی قربانی کو زیادہ ثواب کا باعث جانتے اور بھینس کی قربانی کو ناجائز سمجھتے ہیں، حالانکہ بھینس کو علماء کرام و محققین نے گائے کے حکم میں داخل کیا ہے بلکہ بھینس کو گائے کی ہی ایک قسم کہا ہے۔

تاج العروس ص ۱۲۲ ج ۴ میں ہے: الجاموس نوع من البقر معروف معرب گاؤمیش وہی فارسیۃ۔ الخ
یعنی بھینس بھی گائے کی ہی ایک نوع ہے۔ مشہور و معروف جانور ہے، اگاؤمیش فارسی لفظ تھا اس کو عربی لب ولہجہ میں ڈھال کر جاموس بنایا گیا ہے۔

علامہ مطرزی نے المغرب ص ۹۲ ج ۱ میں لکھا ہے: والجاموس نوع من البقر کہ بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے۔
علامہ قہستانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

نیز ہدایہ میں ہے والجوامیس والبقر سواء لان اسم البقر یتناولھما اذھو نوع منہ یعنی بھینسیں اور گائے سب برابر ہیں کیونکہ بقر کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ بھینس گائے کی ہی قسم ہے۔

اور کنز الدقائق میں بھی ہے البقر والجوامیس سواء
اور قربانی کی طرح وجوب زکوٰۃ میں بھی علماء نے جاموس کو گائے کے حکم میں لکھا ہے۔ چنانچہ

فقہ حنبلی کی کتاب العدہ فی شرح العمدہ ص ۱۲۹ میں بھی جاموس اور بقر کو ایک ہی زمرہ میں رکھا فان کان فیھا بخاتی وعرب وبقر جوامیس ومعز وضأن وکرام ولئام....

تؤخذ من احدھما بقدر قیمۃ المالین۔ یعنی اگر ان زکوٰۃ کے
سائمہ جانوروں میں بُختی اُونٹ ہوں یا عراب (دو کوہانوں والے
اور ایک کوہان والے) اور اسی طرح گائے ہو یا بھینس اور اسی طرح
بھیڑ، دنبی یا بکری ہو، قیمتی ہوں یا کم قیمت ... بہرحال دونوں
مالوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر ان میں سے ایک سے زکوٰۃ لی جائے۔

المحرر ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے والجوامیس نوع
من البقر۔ یعنی بھینس بھی گائے کی قسم ہے۔

الروض المربع ص ۳۷۰ ج ۱ میں ہے وان کان النصاب
نوعین کبُخاتی وعِرابی وبقر وجوامیس وضان ومعز
اخذت الفریضۃ من احدھما علی قدر قیمۃ المالین
یعنی اگر نصاب دو طرح کا ہو جیسے دو کوہانوں والے اُونٹ، اور
ایک کوہان والے اور گائے بھینس اور بھیڑ بکری، تو ان میں سے
ایک میں فریضۂ زکوٰۃ لیا جائے گا دونوں مالوں کی قیمت کے مقدار۔

## فقہ شافعیہ کی کتاب کفایۃ الاخیار ص ۱۸۱ ج ۱

میں ہے واعلم انہ لو اتحد نوع الماشیۃ اخذ الفرض منہ
مہما المال مثالہ کانت الابل کلھا عرابا وھی ابل العرب،
او کلھا بُخاتی وھی ابل الترک لھا سنامان وکذا البقر
ان کانت کلھا جوامیس یعنی اگر مواشی کی قسمیں متحد ہوں تو اس

سے فریضہ زکوٰۃ لیا جائے گا، کیونکہ وہ مال ہے۔ مثلاً اونٹ سارے
ایک کوہان والے ہوں یا دو کوہان والے۔ اسی طرح گائے اور بھینس
نہایۃ المحتاج الیٰ شرح المنہاج ص ۵۵ ج ۳ میں علامہ شمس الدین
محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ بن شہاب الدین الرملی مصری انصاری
شافعیؒ نے لکھا ہے ان اتحد نوع الماشیۃ بان کان .... بقرۃ کلھا
جوامیس ... اخذ الفرض منہ ای من نوعہ لا من خصوص المال
المشترك الخ۔ ترجمہ کی ضرورت نہیں، ملتا جلتا مضمون پہلے گزر چکا ہے۔
اسی کتاب کے ص ۱۳۲ میں ہے ولا تصح ای التضحیۃ
الا من ابل و بقر عراب او جوامیس و غنم ضأن او معز اس میں بھینس
کا بھی ذکر آگیا۔

کفایۃ الاخیار ص ۲۳۶ ج ۲ میں ہے والرابع ان یکون
من الابل والبقر والغنم بانواعھا للاٰیات والاخبار یعنی قربانی کی
شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ اونٹ اور گائے اور بھیڑ
بکری میں سے کوئی ہو مع اپنے انواع و اقسام کے۔ لہٰذا اس
عبارت سے خوب سمجھ میں آسکتا ہے کہ بھینس چونکہ گائے کی ہی
ایک قسم ہے اس لیے اس کی قربانی جائز ہے۔

شرح روض الطالب ص ۵۳۵ ج ۱ میں ہے وللاضحیۃ
شروط .... الاول کونھا من النعم وھی الابل والبقر و بانواعھا

انواعها بالاجماع ... ولم ينقل عنه صلى الله عليه وسلم، ولا عن اصحابه التضحية بغيرها .... (بلا ترجمہ)

## فقہ مالکیہ کی کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۳۱۱

ج ۱ میں ہے وقال ابن مهدى عن سفيان الثورى و مالك ان الجواميس من البقر. ابن مهدى عن عبد الوارث بن سعيد عن رجل عن الحسن مثله ..... قال ابن وهب وقال الليث سنة الجواميس فى السعاية وسنة البقر سواء. حاصل ان عبارات کا یہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری، حضرت مالک، حضرت حسن بصری اور حضرت لیث صراحت سے بیان کرتے ہیں کہ بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے۔

## فقہ حنفیہ کی کتاب فتاویٰ سراجیہ ص ۸۹ میں

ہے تجوز التضحية بالجاموس یعنی بھینس کی قربانی جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان ص ۳۳۱ ج ۴ میں کتاب الاضحیة تحت فصل فی مایجوز فی الضحایا وفی مالایجوز فی الضحایا میں لکھا ہے وكذا (تجوز) الجاموس لانه نوع من البقر الاهلی۔ اسی طرح بھینس کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ بھینس بقر اہلی (گھریلو گائے) ہی کی ایک قسم ہے۔

معلوم ہوا کہ عربی لغت کے ماہر اور ائمہ اربعہ اور ان کے تمام

شاگرد اسی بات پر متفق ہیں کہ بھینس گائے کی قسم ہے۔ اور کسی نے یہ تصریح نہیں کی بلکہ اشارہ تک نہیں کیا کہ بھینس نہ گائے کی قسم ہے اور نہ اس کی قربانی جائز ہے اور نہ بھینسوں والوں پر زکوٰۃ جائز ہے اور یہ مسلک نہ صرف ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک ہی متفق علیہ ہے بلکہ غیر مقلدین کے ہاں بھی بھینس کو گائے کے حکم میں داخل مانا گیا ہے۔ چنانچہ

**فتاویٰ اہل حدیث** ص ۵۳۳ ج ۱ میں "گائے بھینس کی زکوٰۃ" کے عنوان سے اس مسئلہ کا حل اس طرح سے پیش کیا گیا ہے:

**سوال:** گائے بھینس کا نصاب کتنا ہے اور ادا کرنے کی کیا صورت ہے؟

**جواب:** گائے کا نصاب تیس ہے اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں بھینس بھی گائے کے حکم میں ہے۔ تیس میں ایک سال کی .... اگر چالیس ہو جائیں تو دو سال کی بچھڑی یا بچھڑا، یا کٹڑی یا کٹڑا۔ الخ

فتاویٰ ستاریہ ص ۱ ج ۲ میں ہے کہ "بھینس کی قربانی جائز ہے چونکہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی فتاویٰ کے ص ۱۵ ج میں ہے کہ: شرعاً گائے بھینس کا ایک ہی حکم ہے، بھینس کے لیے علیحدہ کوئی خاص حکم نہیں ہے......

احادیث میں بھینس کی قربانی کی کہیں ممانعت نہیں آئی۔

## قارئینِ کرام!

آپ نے دیکھ لیا کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شاگرد اور مقلدین کے علاوہ غیر مقلدین کا مسلک بھی یہی ہے کہ بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے اور بھینس کی قربانی بھی جائز و درست ہے۔

البتہ جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں مثلاً گھوڑا، ہرن، مرغ اور مرغی کا انڈا وغیرہ، مگر غیر مقلدین کے ہاں ان مذکورہ تمام جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ جیسا کہ:

فتاویٰ ستاریہ ص ۲، ج ۲ میں ہے کہ: شرعاً مرغ کی قربانی جائز ہے، کوئی غریب، نادار، مفلس، مسکین شخص جو بکرا وغیرہ ذبح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اگر اس مسئلہ پر عمل کرے تو اس کو موردِ الزام نہ بنانا چاہیے۔

اسی فتاویٰ کے ص ۱۳۹ ج ۴ پر سائل نے دریافت کیا کہ مرغ اور مرغی کے انڈے پر قربانی ہو سکتی ہے؟ تو اس کے جواب میں مفتی فتاویٰ ستاریہ نے اگلے صفحہ پر ایک حدیث کے اردو میں معنی لکھے اور ثابت کرنے کی کوشش کی مرغی کے انڈے کی قربانی بھی جائز ہے۔ حالانکہ حدیث شریف کے الفاظ میں کہیں بھی قربانی کا ذکر نہیں ہے وہاں تو لفظ ہدیہ یا تحفہ کے معنی

میں اُھدی کا اِستعمال ہُوا ہے نہ کہ ضحّی ۔ بہرحال غیر مقلدین کے مسلک میں مرغی کے انڈے کی قربانی کا تصور موجود ہے ۔ البتہ ص ۴۴۲ ج ۴ پر اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ہم انڈا وغیرہ دے کر قربانی سے سبکدوش نہیں ہوتے بلکہ دُنبہ، بکرا، گائے، اُونٹ وغیرہ حیوانات سے جو میسر ہو قربانی کرتے ہیں ۔ مفلس، نادار راغب طلب ثواب کے لیے مُرغ کی قربانی جائز جانتے ہیں ۔

## شرائط قربانی:

علماء کرام نے قربانی کے شرائط بیان کیے ہیں جن کے بغیر قربانی نہیں ہو سکتی، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور اُونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری ہو اپنی انواع کے ساتھ ۔ یعنی دو کوہان والا اُونٹ ہو یا ایک کوہان والا، گائے ہو یا بھینس، بھیڑ ہو یا دُنبی ہو، یا بکری والرابع ان یکون من الابل و البقر و الغنم بانواعہا اور آگے چل کر فرماتے ہیں ولا یجزئ من غیرھا بالاجماع یعنی تمام مسلمین علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اُونٹ گائے بھینس، بھیڑ، دنبی اور بکری کے علاوہ کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جیسا کہ کفایت الاخیار ص ۲۳۶ میں ہے ۔

اسی طرح شرح روض الطالب من اسنی المطالب ص ۵۳۵ ج ۲ میں ہے فصل ولہا (ای الاضحیۃ) شروط ... الاول کونہا

من النعم وھی الابل والبقر والغنم بسائر انواعہا بالاجماع
یعنی قربانی کی کتنی شرطیں ہیں، پہلی شرط ہے قربانی کا نَعَم میں سے ہونا۔ یعنی اُونٹ، گائے اور بکری، اپنی تمام انواع کے ساتھ۔ اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ اس کے بعد قرآنِ پاک کی آیت دلیل میں پیش کی۔ اس کے بعد دوسری دلیل دی کہ ولم ینقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن اصحابہ التضحیۃ بغیرھا
یعنی ان مذکورہ بالا جانوروں کے علاوہ کسی دُوسرے جانور کی قربانی کرنا نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ پھر ایک دلیل اور لکھی کہ قربانی عبادت ہے، جس کا تعلق جانور کے ساتھ ہے، پس قربانی بھی زکوٰۃ کی طرح نَعَم اُونٹ، گائے، بکری وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہے فلا یجزئ غیر النعم من بقر الوحش وحمیرہ والظباء وغیرھا۔
پس نَعَم کے علاوہ وحشی گائے، جنگلی گدھا اور ہرن وغیرہ کی قربانی کافی نہیں۔

نہایۃ المحتاج ص ۱۳۲ ج ۸ میں علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ بن شہاب الدین رملی متوفی مصری انصاری الشہیر بالشافعی الصغیر نے لکھا ہے ولا تصح ای التضحیۃ الا من ابل وبقر عراب او جوامیس وغنم ضأن او معز یعنی سوائے اُونٹ،

گائے، بھینس اور دُنبی، بھیڑ و بکری کے کسی کی قربانی جائز نہیں

ہدایہ میں ہے والاضحیۃ من الابل والبقر والغنم لانہا عرفت شرعا ولم تنتقل التضحیۃ بغیرھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا من الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین

بنایہ شرح ہدایہ ص ۱۸۶ ج ۴ میں علامہ محمود عینیؒ نے لکھا ہے:

لانہ لم یرو حدیث ولا اثر بجوازھا من غیر ھذہ الثلاثۃ

یعنی قربانی کے جانور صرف تین قسم کے ہیں، اونٹ مع اپنے اقسام کے، گائے مع اپنے اقسام کے اور چھوٹا جانور (دُنبی، بھیڑ، بکری) کیونکہ شریعت میں یہی تینوں قسموں کے جانور قربانی کے لیے معروف ہیں اور ان کے علاوہ کسی جانور کی قربانی منقول نہیں ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے، کیونکہ ان تینوں قسم کے جانوروں کے علاوہ کسی بھی قسم کے جانور کی قربانی کا جواز نہ حدیث پاک میں مروی ہے اور نہ ہی کسی صحابیؓ کا اثر (قول یا فعل) مروی ہے۔

اور جو چیز ایسی ہو جس کا ثبوت سلف صالحین کے دور میں نہ ہو، وہ کرنا ممنوع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ وہ کام کریں گے جس کا حکم انھیں نہ دیا گیا ہوگا یَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ (مشکوٰۃ)

پس فتاویٰ ستاریہ ص ۱۴۷ ج ۱ میں جو کہا گیا ہے کہ گھوڑا ان کے نزدیک حلال ہے ان کے نزدیک قربانی بھی جائز ہے مردود ہو گیا۔ نیز ص ۱۵ ج ۲ میں کہا گیا ہے کہ "ہرن کی قربانی جائز ہے" "اسی طرح گائے اور بھینس کی قربانی بھی جائز ہے، احادیث میں بھینس کی قربانی کی کہیں ممانعت نہیں آئی" یہ بھی اسی حدیث کی رو سے مردود ہو گیا۔

بعنوان مالا یؤمرون

نیز اگر کسی جانور کا حلال ہونا اور اس کی قربانی کی ممانعت بھی نہ ہونا قربانی کے جواز کی دلیل مان لی جائے تو پھر مطابق فتوےٰ فتاویٰ ستاریہ ص ۲۱ ج ۲ "بجو حلال ہے" اور مطابق ص ۵۰ ج ۲ "گوہ اور جنگلی گدھا حلال ہے" تو پھر آپ کو ان جانوروں کی قربانی جائز سمجھنے میں کونسا امر مانع ہے؟

پھر یہ جو کہا کہ جمہور محدثین حلت کے قائل ہیں تو یہ بتایا جائے کہ جو جاندار حلال ہو اس کی قربانی جائز ہے، یہ کون سے محدثین کا قول ہے؛ ذرا نام تو ان کا بتایا جائے جو مرغ اور مرغی کے انڈے، گھوڑے، ہرن، جنگلی گدھے، نیل گائے، گوہ اور بجو کی قربانی کو جائز کہتا ہو اور اس کا اپنا معمول بھی ہو۔

نیز یہ کہنا کہ بھینس کی قربانی کی ممانعت نہیں آئی، سو یہ دلیل غلط ہے۔ کیونکہ اہل بدعت ہر بدعت کے بارے میں یہی

کہتے ہیں کہ "ممانعت دکھاؤ"۔ آپ خود ہی بتائیں کہ اہل بدعت کو بدعات سے اور رسمی مُسلمان مشرکوں کو قبر پرستی اور دیگر شرکیہ افعال سے کہ جن کی صراحۃً اور فرداً فرداً وضاحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں مُمانعت نہیں آئی، کیونکر روکا جاسکتا ہے

مشکوٰۃ شریف ص ۲۹ میں ہے: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل.

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اپنی اپنی اُمّت میں جس جس نبیؑ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، اس اُمّت میں اس نبیؑ کے اصحاب ہوتے تھے جو اس نبیؑ کا طریقہ اپناتے تھے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ایسے ناخلف آئے جو اس قسم کی باتیں کہتے

تھے جو خود نہ کرتے اور ایسے لیسے کام کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جس نے ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کیا وہ اوّل درجہ کا مومن ہے اور جس نے زبان کے ساتھ جہاد کیا وہ دُوسرے درجہ کا مومن ہے اور جس نے دِل کے ساتھ جہاد کیا یعنی دل سے انھیں بُرا سمجھا تو وہ تیسرے درجہ کا مومن ہے اور ان کے سوا جو ہیں یعنی جو نہ تو ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے منع کرتے ہیں اور نہ ہی دل سے بُرا سمجھتے ہیں، ان میں رائی برابر بھی ایمان نہیں۔ مطلب اس سے حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ ایسے ہی ناخلف لوگ جو بظاہر بہت بڑے مومن کہلانے والے ہوں گے مگر جن کاموں کا انھیں حکم نہیں دیا گیا اپنی سمجھ میں نیکی کا کام جانتے ہوئے کریں گے مگر وہ مومن نہیں ہوں گے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ ان کے ساتھ جو مسلمان جہاد نہ کرے گا اس میں ایمان ایک رائی کے برابر بھی نہ ہوگا خواہ وہ کتنا ہی بڑا مومن ہونے کا دعویدار کیوں نہ ہو۔

یاد رہے کہ حدیث میں لفظ مُمانعت کا نہیں آیا بلکہ ایسے کام کے متعلق کہا گیا ہے جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا۔ خوب سمجھ لیجیے۔

**الحاصل** : جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ بھینس کی قربانی کی ممانعت نہیں آئی، تو یہ وجہ جواز نہیں

بن سکتی اور اگر وجہِ جواز مُمانعت کا نہ ہونا ہی ہو تو پھر بڑی خوشی کے ساتھ گوہ، بجو، جنگلی گدھے، گھوڑے اور وحشی گائے وغیرہ کی قربانی کرتے پھریں ہم تو ان لوگوں کی حرکت کو دل سے بھی بُرا سمجھتے رہیں گے اور زبان وقلم وقرطاس کے ذریعے بھی ہمیشہ منع کرتے رہیں گے اور اگر کہیں ہمارے سامنے ایسی حرکت کی گئی تو بزورِ بازو منع کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

**قربانی** کے جانوروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نَعَم، اور اَنعام کے الفاظ اِستعمال فرمائے ہیں۔ نعم کے معنی معلوم کرنے کے لیے اہلِ لغت کا فرمان ملاحظہ فرمائیں:

تاج العروس ص ۷۹ ج ۹ میں ہے: والنَّعَم.... الابل والبقر والشاء زاد الزمخشری والمعز والضان و هٰذا القول صححہُ القرطبی ونقل الواحدی اجماع اہل اللغۃ علیہ قال الازہری دخل فی النعم ھٰھنا الابل والبقر والغنم اوخاص بالابل وھوقول ابن الاعرابی....

یعنی نعم کہتے ہیں اُونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دُنبی کو۔ قرطبیؒ نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔ اور واحدی نے تو اس بات پر اہلِ لغت کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابومنصور ازہری نے کہا کہ نعم میں یہاں اُونٹ، گائے اور بکری داخل ہیں؛ یا اُونٹ کے

ساتھ خاص ہے۔ اور ابنِ اعرابی کا بھی یہی قول ہے۔

صاحبِ تاج العروس نے اس کے بعد جوہری کا قول صحاح سے نقل کیا ہے: وفی الصحاح النعم واحد الانعام وھی المال الراعیۃ۔ یعنی جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ نعم 'انعام' کا مفرد ہے۔ نعم وہ مال ہے جسے چرایا جائے۔

معلوم ہوا کہ تمام وحشی جانور (وحشی گائے، گورخر یعنی جنگلی گدھا، ہرن، گھوڑا، دجّو، گوہ اور مرغ وغیرہ انعام میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کو چرایا نہیں جاتا۔

**فتاویٰ ستاریہ** ص ۱۴۹ ج ۱ میں ہے کہ "گھوڑے کی قربانی بھی سنتِ صحابہؓ ہے، چنانچہ سبل السلام باب الاضاحی میں بایں الفاظ حدیث موجود ہے عن اسماء انھا قالت ضحینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخیل۔ تلخیص الحبیر میں بھی اسی طرح ہے۔ لہٰذا مانعین حنفیہ کا حرام کہنا غلط ہے۔

**الجواب:** گھوڑے کی قربانی کو سنتِ صحابہؓ کہنا خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ سنت کہتے ہیں الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب یعنی فرض و واجب کے ماسوا جو طریقہ دین اسلام میں مروج ہو اس کا نام سنت ہے اور گھوڑے کی قربانی کا یہ واقعہ جو حضرت اسماء بیان فرما رہی ہیں

یہ کسی ایک خاص موقع کا واقعۂ جزئیہ ہے جو دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے یہ کہ مذکورہ حدیث رُوِیَ بصیغۂ تمریض ذکر کی گئی ہے جو ضعفِ حدیث کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

تیسرے یہ کہ خود صاحبِ سبل السلام اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے لکھتے ہیں: ثم الاجماع علی انہ لا یجوز التضحیۃ بغیر بہیمۃ الانعام الا ما حکی عن الحسن بن صالح الخ یعنی تمام علماء امتِ محمدیہ کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ بہیمۃ الانعام کے سوا کوئی جانور قربانی میں نہیں لگ سکتا۔ ہاں البتہ صرف حسن بن صالح ہے جو وحشی گائے کی قربانی دس آدمیوں کی طرف سے اور ہرن کی قربانی کے جواز کا ایک آدمی کی طرف سے قائل ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

چوتھے یہ کہ بیہقی ص ۲۷۹ ج ۹ میں حضرت اسماء بنتِ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ذبحنا کا لفظ ہے ضحینا نہیں ہے۔ یہ حسن بن صالح شیعی کی روایت بالمعنی معلوم ہوتی ہے، جو اس نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لیے ذبحنا کو ضحینا میں بدل دیا اور ذبحنا کے لفظ سے صرف گھوڑے کی حلت معلوم ہوتی ہے جس کے بشمول احناف تمام

قائل ہیں۔ مگر چونکہ گھوڑا ایک آلۂ جہاد ہے اس لیے اسے ذبح کرنا اچھا نہیں، نہ کہ شرعاً والعیاذ باللہ حنفی لوگ حلال کو حرام کہتے ہیں۔ کیونکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی نہیں۔ آپؐ خود فرماتے ہیں انی لا احل ما حرمہ اللہ ولا احرم ما احلہ اللہ میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال نہیں کہہ سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو میں حرام کہہ سکتا ہوں۔

اور قربانی کا جواز کسی حدیث سے نہیں ملتا۔ اور بخاری وغیرہ اصحاب ستہ وغیرہ میں سے کوئی بھی گھوڑے کی قربانی کو ہرگز جائز نہیں کہتا۔

## بَہِیْمَۃُ الْاَنْعَام کیا ہے؟

بیضاوی کے حاشیہ شیخ زادہ ص ۳۸۲ ج ۲ میں تحت آیت

ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقهم من بهيمة الانعام (الحج: ) لکھا ہے فبهيمة الانعام هی الابل والبقر والضأن والمعز لان الهدی والذبیحۃ لا یکون من غیرها یعنی بہیمۃ الانعام صرف اونٹ، گائے، دنبے، بھیڑ اور بکری ہی ہیں کیونکہ ہدی اور قربانی ان کے سوا کسی دوسرے جانور کی نہیں ہوتی۔

نیز سورت مائدہ کے شروع میں امام بیضاویؒ نے لکھا ہے
بہیمہ ہر زندہ چیز کو کہتے ہیں جس میں عقل و تمیز نہ ہو۔ اور بعض
ہر اس جانور کو بہیمہ کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں۔ اور بہیمہ
کی اضافت انعام کی طرف اضافت بیانی ہے۔ ثوب خز
(وخاتم فضۃ) کی طرح اور اس کے معنی ہیں البھیمۃ من الانعام
بہیمہ یعنی انعام اور وہ ہیں آٹھ جوڑے۔

پھر حاشیہ پر شیخ زادہؒ نے ص ۸۸ ج میں لکھا الانعام ھی
الابل والبقر والضان والمعز... اس سے کچھ آگے ص ۸۹ میں
لکھا کہ انعام چار ٹانگوں والے صرف ان انواع پر بولتے ہیں ان
کے سوا کسی پر نہیں بولتے۔

اس سے آگے امام بیضاویؒ نے لکھا کہ ہرن اور وحشی گائے
بھی ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ مگر شیخ زادہؒ نے ص ۸۹ تکملہ نمبر ا
میں اس کا مطلب اس طرح بیان فرمایا: انھما لیستا من الانواج
الثمانیۃ فلا تتناولھما بھیمۃ الانعام الا ان حکم الاحلال
یتناولھا الحاقا لھما ببھیمۃ الانعام لمشابھتھما ایاھا فی
اجترار و عدم الانیاب والاجترار ان یجر العلف من
جوفہ و یخرجہ الی حلقہ لینعم مضغہ فیبلعہ
یعنی ہرن اور وحشی گائے ان آٹھ جوڑوں (اونٹ، اونٹنی، گائے

بیل، بکری، بکرا، دُنبی، دُنبا، میں سے تو ہے نہیں، اس لیے بہیمۃ الانعام کا لفظ ان دونوں (وحشی گائے اور ہرن) کو شامل نہیں البتہ حلت کے حکم میں یہ دونوں بہیمۃ الانعام کے ساتھ ملحق کر دیے گئے ہیں، کیونکہ جگالی کرنے اور ناب نہ ہونے میں یہ دونوں بھی ان آٹھ جوڑوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

اور سورت انعام پارہ ۸ رکوع ۱۷ میں ومن الانعام حمولة وفرشا فرما کر انعام کی دو حصوں میں تقسیم کر دی حمولة یعنی وہ چوپائے جو بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ اور:

فرش وہ چوپائے جن کو ذبح کے لیے زمین پر گرایا جاتا ہے اور جن کے بالوں سے بنے ہوئے قالین وغیرہ فرش زمین پر بچھائے جاتے ہیں۔

پھر اس کے بعد بطور بدل کے ثمانية ازواج فرمایا یعنی وہ انعام جن کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں یعنی حمولہ و فرش وہ یہی آٹھ جوڑے ہیں من الضأن اثنين ومن المعز اثنين بھیڑ و دُنبی کا جوڑا (نر و مادہ) اور بکری کا جوڑا (نر و مادہ) آگے فرمایا ومن الابل اثنين ومن البقر اثنين یعنی اونٹ کا جوڑا (نر و مادہ) اور گائے کا جوڑا (نر و مادہ)۔

اور ظاہر ہے کہ گھوڑے اور وحشی گائے میں عرفاً ان آٹھ

جوڑوں والے اوصاف نہیں پائے جاتے لہٰذا ہدی اور قربانی میں ان کا حکم اِن آٹھ جوڑوں والا حکم نہیں ہے اور نہ ان کی قربانی جائز ہے، اور نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین و سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں گھوڑے اور وحشی گائے اور مُرغ کی قربانی کا معمول تھا، بلکہ سب کا اجماع ہے کہ سوائے ان آٹھ جوڑوں کے کوئی جانور قربانی میں نہیں لگ سکتا۔

## مُرغی اور گھوڑے کی قربانی کا قائل حسن بن صالح کون تھا

حسن بن صالح جو گھوڑے، وحشی گائے اور مُرغ کی قربانی کو جائز قرار دیتا ہے اسے گو حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے ثقۃ فقیہ عابد رمی بالتشیع متوفی ۱۹۹ھ یعنی پختہ فقیہ عابد تھا اور شیعہ پن کے ساتھ متہم ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۹)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص تھا ہی شیعہ گو امامی یا اثنا عشری شیعہ نہ تھا، اس کا تعلق شیعوں کے زیدی فرقے سے تھا۔ اس کا پورا نام الحسن بن صالح بن حی الہمدانی الثوری الکوفی زیدی تبری ہے بلکہ وکان من کبار الشیعۃ الزیدیۃ وعظمائھم و علمائھم وکان فقیہا متکلما یعنی زیدی شیعوں کے

بڑے علماء میں سے ایک بڑا عالم، فقیہ اور علم کلام کا ماہر تھا۔ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۵۴ھ یا ۱۶۳ھ یا ۱۶۸ھ میں فوت ہوا۔ اور شیعہ کتب رجال میں اس کا تذکرہ آتا ہے۔

تنقیح المقال ص ۲۸۵ ج ۱ میں مامقانی نے اس کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور شیعہ کتب صحاح میں اس کا ذکر راویوں میں آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اہل السنت والجماعت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اونٹ اونٹنی مع اپنے انواع کے اور گائے بیل مع اپنے انواع کے جیسے بھینس بھینسا، اور دنبی دنبہ، بھیڑ، مینڈھا، بکری، بکرا کے سوا کوئی جانور قربانی میں نہیں لگ سکتا۔

اور حسن بن صالح کا دور ائمہ مجتہدینؒ کا دور تھا۔ مگر ائمہ اہلسنت میں سے کسی نے اس کے قول کو قبول نہیں کیا کہ وحشی گائے گھوڑے اور مرغ کی قربانی بھی جائز ہو، بلکہ سب نے بالاتفاق کہا ہے کہ ان کی قربانی نہیں لگتی۔

لہٰذا فتاویٰ ستاریہ کے مؤلف کو حسن بن صالح کا مذہب معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ لگ گیا ہے۔ جواب ہر ناظر رسالہ کو معلوم ہو چکا ہے، اب اس مغالطہ کو دور کر دینا چاہیے اور اصل مسئلہ کی طرف خلوص دل سے رجوع کر لینا چاہیے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ

تعالیٰ صاحب فتاویٰ ستاریہ کی لغزش کو معاف فرمائے آمین
اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ
انھوں نے مرغ کی قربانی کی تھی، یہ بھی اسی زیدی شیعہ حسن بن صالح
کی ہی بتائی ہوئی دلیل ہے جو قابلِ احتجاج نہیں ہے۔
دراصل شیعہ حضرات نے گھوڑے کی قربانی کو محض اس لیے
جائز کہا تھا کہ یہ آلۂ حرب ہے اور زیدی فرقہ کے عالم نے اسے
اس لیے بیان کیا کہ مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے اور
اگر مسلمان اس کی یہ بات مان لیتے تو شاید آج مسلمان دنیا کے کسی
کونے میں بھی نہ ہوتے۔
اسی طرح وحشی گائے کی قربانی کے تصور سے بھی اسی قسم کے
نقصانات امتِ مسلمہ کو پہنچ سکتے تھے۔ اور جہاں تک گھوڑے
اور وحشی گائے کے حلال ہونے کا تعلق ہے تو الحمد للہ اہلِ سنت
کا اس پر اجماع ہے۔ اور اگر باریک بینی سے غور کیا جائے تو ان کے
حلال ہونے کے فوائد بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر قربانی ان کی نہیں ہے۔

## جواب ۲ :

گھوڑے، وحشی گائے اور ہرن کی قربانی کا کوئی ثبوت
نہیں ہے اور یہ محض ایک زیدی شیعہ عالم حسن بن صالح کی اپنی
رائے ہے، جس کا اجماع کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ یعنی میری اُمّت کا گمراہی پر جماع اور اتفاق نہیں ہوگا۔ اور اجماع حجّتِ قطعیہ ہے اس کے خلاف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ بلکہ اجماع کے خلاف جو قول ہو وہ مردود ہوگا۔

اِسی طرح مُرغی اور گھوڑے، نیل گائے اور ہرن وغیرہ کی قربانی کو جائز کہنا اجماعِ امت کے خلاف کرنا ہے، اور اپنے لیے جہنّم کا ٹھکانا تیار کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشادِ خُداوندی ہے:

مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

یعنی جس شخص کو راہِ ہدایت معلوم ہو چکی اس کے بعد ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مُسلمانوں کے اِجماعی طریقے کے سوا کسی دُوسرے طریقے کی پیروی کرے گا تو جس طرف وہ مُتوجہ ہُوا ہے اُسے ہم بھی اُسی طرف مُتوجّہ رکھیں گے، اور انجامِ کار یہ ہوگا کہ ہم اُسے جہنّم میں ڈال دیں گے۔

اس آیت کے تحت موضح القرآن میں حضرت شاہ

عبدالقادر محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر، جس نے جُدی راہ پکڑی وہ جا پڑا دوزخ میں پس جس بات پر اُمّت کا اجماع ہُوا وہی اللہ کی مرضی ہے اور منکر ہو، سو دوزخی ہے۔ اِنتھی کلامہٗ

## قربانی اور ھَدیٰ میں فرق

قربانی کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قربانی صرف حج کے موقع پر منیٰ شریف کے مقام میں وہاں پر موجود حاضرین کے لیے کی جاتی ہے اور یہ لوگ قرآن پاک کی اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ، یعنی تمہارے لیے ان میں ایک مقرر وقت تک بہت سے فائدے ہیں، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ البیت العتیق یعنی کعبہ شریف کی طرف ہے۔ یعنی ان کے ذبح کرنے کا مقام حرم شریف ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں جس جانور کے ذبح کا مقام حرم شریف ہے وہ ھدی ہے۔ اور ہدی کے معنے ہیں مایُھدیٰ الی الحرم یعنی جو جانور حرم شریف کی طرف

تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا جائے۔ مقاییس اللغۃ میں ہے تقربا الی اللہ۔ اور ہدی حرم شریف کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا ھدیا بالغ الکعبۃ یعنی وہ جانور جو بطور نیاز پہنچایا جائے کعبہ شریف تک تو یہ ہدی ہے۔ اور جہاں تک قربانی کا تعلق ہے تو یہ الگ چیز ہے اور اسے عربی میں اضحیہ کہتے ہیں اور یہ خانہ کعبہ یا حرم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۹ میں بحوالہ ترمذی ص ۱۸۲ ج ۱ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے بلکہ ایک موقعہ پر آپؐ سفر میں تھے تو قربانی کا دن آگیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم بھی حضورؐ کے ہمراہ تھے تو سات آدمیوں نے حضورؐ سمیت ایک گائے کی قربانی کی۔ مفہوماً نیز حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آپؐ عیدگاہ میں اونٹ کی نحر اور گائے وبکری کو ذبح کیا کرتے تھے۔

ان احادیث سے جو مفہوماً پیش کی گئی ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کا تعلق حرم کعبہ سے یا منیٰ سے ہی نہیں ہے۔ اور ہدی اور اضحیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور اضحیہ ہر مقام کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

# قربانی کے ایام

قربانی کے دِن تین ہیں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ، ان کے علاوہ کسی دِن میں قربانی جائز نہیں، البتہ پہلے روز زیادہ ثواب ہے، لیکن آج کل بعض لوگ یہ مسئلہ خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ ایامِ تشریق کے اختتام تک قربانی کی جاسکتی ہے اور دلیل میں مسند امام احمدؒ اور صحیح ابن حبان کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایام التشریق کلہا ایام ذبح اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو منکرین نبیؐ کہا جاتا ہے۔ اور ہم اس روایت پر عمل نہیں کرتے۔ اِس لیے ہم پر ضروری ہے کہ اس بارے میں وضاحت کریں کہ کیا واقعی ہم حنفی لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ذی شان کو پس پشت ڈال کر امام ابوحنیفہؒ کی بات مانتے ہیں یا صرف ہمارے مخالف گروہ کی بات ہی حقیقت سے گری ہوئی ہے۔ اور یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

**اصل بات** یہ ہے کہ قربانی کے دِن کتنے اور کون کون سے ہیں؟ سو اس میں سلف کے چار مذہب تھے۔

❶ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف ۱۰ ذی الحجہ

کا دن متعین ہے قربانی کے لیے۔ ۱۰ ذی الحجہ کے سوا کسی دن میں بھی قربانی کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ قربانی عید کے دن کا وظیفہ ہے جیسے فطرانہ عید الفطر کے دن میں ادا کیا جاتا ہے وقال ابن سیرین لا یجوز الا فی یوم النحر خاصۃ لانہا وظیفۃ عید فلا یجوز الا فی یوم واحد کاداء الفطرۃ یوم الفطر۔ اور یہی قول حضرت سعید بن جبیرؒ کا میزان شعرانی ص ۵۶ ج ۲ میں منقول ہے۔

۲ حضرت حسن بصریؒ، عطاءؒ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ قربانی کے دن چار ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایام تشریق سارے ہی ذبح (قربانی) کے دن ہیں، جیسے عید قربانی کا دن وقال الشافعیؒ ثلثۃ ایام بعدہ ای بعد یوم النحر فالجملۃ اربعۃ ایام، عندہ وبہ قال عطاء والحسن (بنایۃ کتاب الاضحیۃ ص ۱۷۷ ج ۴) ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ہمارا استدلال ہے جو امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اور شیخ تقی الدین کا مختار بھی یہی ہے جیسے الروض المربع کے ص ۵۲۳ ج ۱ میں ہے۔ اور یہی قول نخعی سے المیزان الکبریٰ کے ص ۵۶ ج ۲ میں عبدالوہاب شعرانی نے نقل کیا ہے۔

۳ سلمۃ بن عبدالرحمٰن وعطاء بن یسار اور اہل ظاہر رحمہم اللہ تعالیٰ

کا مسلک ہے کہ محرم کا چاند نظر آنے تک سارے ہی قربانی کے دن ہیں۔ وروی محمد بن ابراھیم التیمی عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن بن عوف وسلیمان بن یسار انہما قالا بلغنا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الاضحی الی ھلال المحرم۔

❷ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ① امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ ② امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؓ ③ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ④ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ⑤ حضرت ابوہریرہؓ ⑥ حضرت انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ⑦ حضرت امام مالکؒ ⑧ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ⑨ حضرت امام ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ آفتاب غروب ہونے تک۔

اس آخری مسلک کو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے چنانچہ ذیل میں اس مسلک کی روایات درج کی جاتی ہیں:

مالکیہ کی مستند کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۷۳ ج ۲ میں ہے:

قلت ارأیت النحر کم ھو فی قول مالکؒ؟ قال ثلثة ایام یوم النحر ویومان بعدہ ولیس الیوم الرابع من ایام الذبح وان کان الناس بمنیً فانہ لیس من ایام الذبح یعنی میں نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ قربانی کے دن امام مالکؒ

کے قول میں کتنے ہیں؟ تو فرمایا کہ تین دن ہیں ایک یوم نحر ہے یعنی ۱۰ ذی الحجہ عید کا دن اور دو دن اس کے بعد کے اور چوتھا دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ ذبح کے دنوں میں سے نہیں ہے اگرچہ لوگ ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہی قیام پذیر ہوں کیونکہ ۱۳ ذی الحجہ ذبح کے ایام میں سے ہے ہی نہیں۔

مؤطا ص ۱۸۸ میں امام مالکؒ نے امام نافعؒ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے الاضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ یعنی عید قربانی کے بعد ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ دو دن بھی قربانی کے ہیں۔

العدۃ شرح العمدۃ ص ۲۱۳ میں ہے وقت الذبح یوم العید بعد صلوٰۃ العید الی آخر یومین من ایام التشریق یعنی ذبح کا وقت عید کے دن نماز عید کے بعد سے شروع ہو کر ایام تشریق کے پہلے دو دنوں کے اخیر تک رہتا ہے۔

اس پر محشی نے لکھا ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے پہلے دو دنوں کے اخیر تک ہے و آخر وقتہا آخر الیومین الاولین من ایام التشریق پھر اس کی دلیل میں وہ حدیث نبوی بیان کی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلث متفق علیہ کہ صحیح بخاری اور صحیح

مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) منع فرمایا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ نہ رکھیں۔ فوجه الحجة انه صلى الله عليه وسلم منع من الزيادة على ثلث ولا ينبغى ان ينهى عن الادخار فى زمن التضحية فلو جازت التضحية فى اليوم الرابع كان ناهيا عن امساك اللحم فى يوم يحل امساك اللحم واكله فيه یہ فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دعوی کی دلیل اس طرح بنتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنا منع فرمایا اور یہ نامناسب ہے کہ قربانی کے دنوں میں بھی ذخیرہ رکھنا منع ہو۔ سو اگر ۱۳ ذی الحجہ میں بھی قربانی ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس روز گوشت کھانا اور رکھنا حلال ہے اس روز بھی ذخیرہ بنا کر گوشت کو روک رکھنا منع ہے۔

المحرر ص ۲۵۰ ج ۱ میں ہے فوقت ذبحها يوم العيد بعد صلوته ويومان بعده بليلتيهما یعنی ذبح قربانی کا وقت عید کے روز نمازِ عید کے بعد (سے شروع ہوتا ہے) اور اس کے بعد راتوں سمیت دو دن قربانی کرنے کا وقت ہے۔

الکافی ص ۴۷۳ ج ۱ میں ہے واخر وقتها اخر اليومين الاولين من ايام التشريق لان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ادخار لحوم الاضاحى فوق ثلث متفق عليه اس کے بھی وہی

معنی ہیں جو العدۃ فی شرح العمدۃ کے حوالے سے ہم نقل کر چکے ہیں۔

رحمۃ الامۃ ص ۱۶۴ میں ہے اٰخر وقتہا عند الشافعیؒ اٰخر ایام التشریق وقال ابو حنیفۃ و مالک اٰخر الثانی من ایام التشریق یعنی قربانی کا آخری وقت حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو ایام تشریق کا آخری دن ہے (یعنی ۱۳ ذی الحجہ کے آفتاب غروب ہونے تک) اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق میں سے دوسرے دن کے اخیر تک ہے یعنی ۱۲ ذی الحجہ کے آفتاب کے غروب ہونے تک قربانی کا آخری وقت ہے۔

المیزان الکبریٰ ص ۵۶ ج ۲ میں عبدالوہاب شعرانیؒ نے لکھا ہے

ومن ذلک قول الشافعیؒ ان اٰخر وقت التضحیۃ ھو اٰخر الیوم الثالث من ایام التشریق الثلثہ .... قول ابی حنیفۃ و مالک اٰخر وقت التضحیۃ ھو اٰخر الیوم الثانی من ایام التشریق یعنی حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کے تین دنوں میں سے تیسرے دن کا آخری وقت ہے، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کے دنوں میں سے دوسرے دن کا اخیر ہے۔

الروض المربع ص ۵۲۲ ج ۱ میں ہے اور ذبح کا حکم جاری

رہتا ہے۔ عید کے دن کے بعد دو دنوں کے اخیر تک ویسنمر

الذبح لنحر یومین بعدہ ای بعد یوم العید۔

اس کے بعد لکھا قال احمد ایام النحر ثلثۃ عن

غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام

احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ۱۰ ار ۱۱ ر ۱۲ ذی الحجہ یہ تین دن قربانی کے

ہیں اور یہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے وفی روایۃ ثلاثۃ ایام وھو

مذھب الشافعی واختارہ الشیخ تقی الدین اھ یعنی امام احمد بن حنبلؒ

کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یوم نحر کے بعد تین دن قربانی کے

ہیں اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے اور شیخ تقی الدینؒ کا یہی

مختار ہے۔

بدائع صنائع ص ۶۵ ج ۵ میں امام کاسانیؒ نے لکھا ہے ایام

النحر ثلثۃ یوم الاضحی وھو الیوم العاشر من ذی الحجۃ

والحادی عشر والثانی عشر وذلک بعد طلوع الفجر من الیوم

الاول الی غروب الشمس من الیوم الثانی عشر۔ وقال الشافعیؒ

ایام النحر اربعۃ ایام العاشر من ذی الحجۃ والحادی عشر

والثانی عشر والثالث عشر والصحیح قولنا لما روی عن

سیدنا عمر وسیدنا علی وابن عباس وابن عمر وانس بن مالکؓ

انهم قالوا ايام النحر ثلثة اولها افضلها والظاهر انهم اخذوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم لان اوقات العبادة والقربات لا تعرف الا بالسماع ۔ یعنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کے تین دن ہیں، ایک تو خود قربانی کا دن ہے یعنی ۱۰ ذی الحجہ اور ۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ، اور یہ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق سے ۱۲ ذی الحجہ کے آفتاب غروب ہونے تک ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دن چار ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ۔ اور یہ صحیح قول ہمارا ہے، کیونکہ سیدنا عمرؓ و سیدنا علیؓ و ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان سب نے فرمایا کہ قربانی کے دن تین ہیں جن میں سے پہلے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) قربانی کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ ان صحابۂ کرامؓ نے یہ قربانی کے دنوں کی مقدار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کی ہے، کیونکہ یہ عبادت کے اوقات ہیں جو بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کریں، نری اپنی رائے سے نہیں کر سکتے۔

## شافعیہ کی دلیل

اب رہی وہ دلیل جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مسلک کے اثبات کے لیے پیش فرمائی ہے۔ تو اس کے متعلق علماء کرام محققین و مدققین نے مندرجہ ذیل بحث فرمائی ہے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جو امام المحدثین حافظ کبیر ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے السنن الکبریٰ ص ۲۹۵ ج ۹ میں باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر و ایام منیٰ کلھا لانھا ایام النسک کے تحت باین سند بیان فرمائی ہے حدثنا ابو حامد احمد بن علی بن احمد الاسفرائینی بھا انباء ابو علی زاھر بن احمد ثنا ابو بکر بن زیاد النیسابوری ثنا ابو المغیرۃ ثنا سعید بن عبد العزیز حدثنی سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال علیہ السلام ..... وکل ایام التشریق ذبح.

سو اس حدیث میں سلیمان بن موسیٰ ہے، جس نے براہ راست حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی، نہ حضرت جبیرؓ سے اس کی ملاقات ہوئی اور نہ ہی ان کا زمانہ پایا۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہوئی صحیح نہ ہوئی۔

الجوہر النقی ص ۲۹۶ ج ۹ میں علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان الماردینی الشہیر بابن الترکمانی رحمہ اللہ نے کہا سلیمان ھذا متکلم فیہ وحدیثہ مضطرب اضطرابا کثیرا بینہ صاحب الاستذکار وبینہ البیہقی بعضہ فی ھذا الباب۔ یعنی:

سلیمان متکلم فیہ ہے اور اس کی اس حدیث میں بہت زیادہ اضطراب ہے جیسے صاحب الاستذکار علامہ ابن عبد البرؒ نے بیان کیا ہے اور حافظ بیہقیؒ نے خود بھی اسی باب میں اس کا بعض حصہ بیان فرمایا۔

دوسری حدیث حضرت امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ص ۲۹۵ و ص ۲۹۶ ج ۹ میں اس سند کے ساتھ بیان فرمائی اخبرنا ابو سعد المالینی انباء ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا احمد بن الحسن بن عبد الجبار الصوفی ثنا ابو نصر التمار ثنا سعید بن عبد العزیز عن سلیمان بن موسیٰ عن عبد الرحمٰن بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وفی کل ایام التشریق ذبح۔

اس میں سلیمان بن موسیٰ نے اپنا استاذ عبد الرحمٰن بن ابی حسین ظاہر کردیا، مگر اس عبد الرحمٰن بن ابو حسین کی ملاقات بھی حضرت جبیر بن مطعمؓ کے ساتھ نہیں ہوئی، لہٰذا یہ حدیث بھی منقطع ہوئی، اور صحیح نہ ہوئی۔

اس کے بعد امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ رواہ سوید بن عبد العزیز یعنی اس حدیث کو سوید بن عبد العزیز نے بھی بیان کیا ہے، مگر خود ہی اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا وھو ضعیف عند بعض اھل

النقل عن سعید۔ یعنی سوید بن عبد العزیز جو سعید بن عبد العزیز سے روایت کرتا ہے بعض اہل نقل کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس پر علامہ عینیؒ نے بنایہ شرح ہدایہ میں اور علامہ ابن ترکمانیؒ نے الجوہر النقی ص ۲۹۶ ج ۹ میں فرمایا کہ بعض اہل نقل نہ کہو، بلکہ کل اہل نقل یا اکثر اہل نقل کے نزدیک یہ ضعیف ہے۔

اور خود امام بیہقیؒ نے باب المعتکف یصوم ص ۳۱۷ ج ۴ میں اقرار کیا ہے وسوید بن عبد العزیز الدمشقی ضعیف بمرۃ لایقبل منہ ما تفرد بہ کہ سوید بن عبد العزیز ضعیف ہے جس روایت میں وہ اکیلا ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

پھر سلیمان بن موسیٰ کا اپنا فتویٰ السنن الکبریٰ ص ۲۹۷ ج ۹ میں امام بیہقیؒ نے لکھا ہے النحر ثلاثۃ ایام پھر اس کی تصدیق کرتے ہوئے مکحول فرماتے ہیں "صدق"۔ اور قاعدہ ہے کہ راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو سمجھو کہ وہ روایت اس راوی کے نزدیک معمول بہا نہیں، فتویٰ پر عمل کیا جائے گا۔

تیسری حدیث جو امام بیہقیؒ نے نقل فرمائی ہے وہ بھی سلیمان بن موسیٰ کے طریق سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل ایام التشریق ذبح۔

چوتھی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو سلیمان بن موسیٰ

کے طریق سے مروی ہے انما ایام اکل وشرب ایام ذبح اور دوسرے طریق سے جو مروی ہے اس میں وایام ذبح کا لفظ نہیں ہے۔

پانچویں حدیث کی سند یہ ہے معاویۃ بن یحییٰ الصدفی عن الزھری عن سعید بن المسیب مرۃ عن ابی سعید ومرۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایام التشریق کلھا ذبح۔ اس میں معاویہ بن یحییٰ صدفی ہے جو اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد ہے جیسے خود امام بیہقیؒ نے ہی فرمایا لا یرویھما غیر الصدفی اور صدفی کے متعلق شیخ کا حوالہ دے کر فرمایا والصدفی ضعیف لا یحتج بہ یعنی صدفی اس قدر ضعیف ہے کہ اس کا قول دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اور صدفی کا نام کامل ابن عدی میں معاویۃ بن یحییٰ الصدفی ہے۔ اور نسائی، ابن معین اور علی بن المدینی نے بھی ابن یحییٰ صدفی کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں فرمایا قال ابی ھذا حدیث موضوع بھذا الاسناد (دیکھو محلی ص ۲۴۲ ج ۱۰)

نیز اس میں اضطراب ہے کہ سعید بن المسیب کبھی تو ابوسعید کا نام لیتے ہیں اور کبھی حضرت ابوہریرہؓ کا نام لیتے ہیں اور امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ یہ غیر محفوظ ہیں۔

چھٹی حدیث اس سند کے ساتھ بیان فرمائی اخبرنا ابو حامد احمد بن علی الحافظ انبا زاهر بن احمد ثنا ابو بکر بن زیاد النیسابوری ثنا محمد بن یحییٰ ثنا ابو داؤد عن طلحۃ بن عمرو الحضرمی عن عطاء عن ابن عباس قال الاضحیٰ ثلثۃ ایام بعد یوم النحر ایک تو اس سند میں طلحۃ بن عمرو الحضرمی ہے، جسے ابن معین ابوزرعہ اور دارقطنی نے ضعیف کہا اور امام احمد بن حنبل نے متروک کہا اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ (الجواہر)

دوسرے یہ کہ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا معارض ہے اس قول سے جو امام طحاویؒ نے احکام القرآن میں سند جید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا نقل کیا ہے کہ الاضحیٰ یومان بعد یوم النحر یعنی قربانی کے دو دن ہیں اس کے بعد۔

حضرت امام بیہقیؒ نے حسن، عطاء اور عمر بن عبد العزیز کے اقوال نقل فرمائے کہ قربانی کے دن عید قربانی اور اس کے بعد تین دن ہیں تو یہ کونسی دلیل ہے۔ اگر یہ فتوے مقبول ہوں تو محمد بن سیرین اور سعید بن جبیر صرف عید کے دن کو ہی قربانی کا دن سمجھتے ہیں تو اُن کے بارے آپ کی کیا رائے ہے۔ اور سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف وعطاء بن یسار محرم کا ہلال دیکھنے تک قربانی کے ایام سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ صرف اقوال الرجال سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔

# الحاصل

جیسا کہ مضمون کے شروع میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بارہ میں چار مسلک ہیں۔ ○ صرف عید کا دن ہی قربانی کا دن ہے۔ ○ عید کا دن اور ۱۱، و ۱۲ ذی الحجہ بھی قربانی کے دن ہیں۔ ○ عید کا دن اور اس کے بعد ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ ذی الحجہ بھی قربانی کے دن ہیں ○ عید کے دن سے لے کر ہلال محرم تک سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں۔ مگر ان میں سے وہ مسلک جسے بڑے بڑے جید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے بزرگوں کی تائید حاصل ہے وہی اولیٰ عمل ہے۔ اور پھر یہ مسئلہ ہے بھی ایسا کہ اس میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

گو کہ پہلے خاصی بحث ہو چکی ہے پھر بھی زیر بحث چار ایام والی حدیث سے متعلق مزید جان لینا چاہیے کہ دار قطنیؒ نے اپنی سنن ص ۵۴۴ میں یہ حدیث بایں سند روایت کی ہے حدثنا ابو بکر النیسابوری نا احمد بن عیسیٰ الخشاب نا عمرو بن ابی سلمۃ نا ابو معید عن سلیمان بن موسیٰ ان عمرو بن دینار حدثہ عن جبیر بن مطعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل ایام التشریق ذبح اس میں ابو معید ہے جو حدیث میں نرم ہے۔

# جانوروں کے عیوب

ذیل میں قربانی کے جانوروں کے عیوب اور ان کا شرعی حکم بالترتیب فہرست کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ عیوب ونقائص کے سلسلے میں عموماً جو الجھن پیش آتی ہے باقی نہ رہے۔

| نام عضو | کیفیت عیوب | شرعی حکم |
|---|---|---|
| آنکھ | دونوں آنکھوں سے اندھی | ممنوع |
| | ایک آنکھ سے نظر نہ آتا ہو | ممنوع |
| | جس کی پیدائشی آنکھیں نہ ہوں | ممنوع |
| | دن میں نظر آئے اور رات کو نظر نہ آتا ہو | جائز |
| | ایک آنکھ میں سفید موتیا ایک تہائی یا زائد ہو | ممنوع |
| | اگر ایک تہائی سے کم ہو | جائز |
| | آنکھ سے بھینگی ہو | جائز |
| ناک | ایک تہائی یا زائد ناک کٹی ہوئی ہو | ممنوع |
| | ایک تہائی سے کم ناک کٹی ہوئی ہو | جائز |
| کان | پیدائشی دونوں کان نہ ہوں | ممنوع |
| | پیدائشی ایک ہی کان ہو | ممنوع |
| | جس کے کان میں سوراخ ہو | جائز |

| | | |
|---|---|---|
| | جس کے کان کو داغ دیا گیا ہو | جائز |
| | لمبائی میں پورا کان چرا ہوا ہو | مکروہ تنزیہی |
| | جس کے کان چھوٹے ہوں | جائز |
| | جس کے کان اگلی طرف سے کٹ کر لٹکے ہوئے ہوں | خلافِ اَولیٰ |
| | جس کے کان پچھلی طرف سے کٹ کر لٹکے ہوئے ہوں | خلافِ اَولیٰ |
| | مجموعی طور پر ایک تہائی یا زائد کان میں سُوراخ ہوں | ممنوع |
| | مجموعی طور پر ایک تہائی سے کم کان میں سُوراخ ہوں | جائز |
| | ایک تہائی یا زائد کان کٹا ہوا ہو | ممنوع |
| | ایک تہائی سے کم کان کٹا ہوا ہو | جائز |
| سینگ | ایک یا دونوں سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں | مکروہ تنزیہی |
| | ایک یا دونوں سینگوں کا خول اُتر گیا ہو | مکروہ تنزیہی |
| | سینگ جڑ سے ٹوٹ جائیں اور گودا نظر آئے | ممنوع |
| | سینگ جڑ سے ٹوٹ جائیں اور گودا نظر نہ آئے | مکروہ تنزیہی |
| | ایک تہائی یا زائد سینگ کٹا ہُوا ہو | جائز |
| | ایک تہائی سے کم سینگ کٹا ہُوا ہو | جائز |
| دانت | جس کے تمام دانت ٹوٹ جائیں | ممنوع |
| | بعض دانت ٹوٹ جائیں اور گھاس نہ کھا سکے | ممنوع |
| | اگر گھاس کھا سکے | جائز |

| | | |
|---|---|---|
| | پیدائشی دانت نہ ہوں اور کھا نہ سکے | ممنوع |
| | اگر کھا سکے | جائز |
| زبان | دنبی، بھیڑ، بکری کی زبان نہ ہو | جائز |
| | گائے، بھینس کی زبان نہ ہو اور کھا نہ سکے | ممنوع |
| | اگر کھا سکے | جائز |
| | گائے، بھینس کی زبان ایک تہائی یا زائد کٹی ہو | ممنوع |
| | گائے، بھینس کی زبان ایک تہائی سے کم کٹی ہو | مکروہ تنزیہی |
| تھن | پیدائشی طور پر تھن نہ ہوں | ممنوع |
| | جس کے تھن خشک ہو جائیں | ممنوع |
| | بغیر مرض کے دُودھ خشک ہو جائے | جائز |
| | ایک تہائی یا زائد تھن کٹ جائیں | ممنوع |
| | ایک تہائی سے کم کٹے ہوئے ہوں | جائز |
| | تھنوں کے سرے کٹے ہوئے ہوں | ممنوع |
| | ایک تہائی یا زائد تھن کٹا ہُوا ہو | ممنوع |
| | ایک تہائی سے کم کٹا ہُوا ہو | جائز |
| | دنبی، بھیڑ، بکری کا ایک تھن نہ ہو | ممنوع |
| | یا ایک تھن کا مرض سے سُوکھ جانا | ممنوع |
| | یا ایک تھن ضائع ہو جائے | ممنوع |

| | | |
|---|---|---|
| | گائے، بھینس، اونٹنی کا ایک تھن نہ ہو | جائز |
| | یا ایک تھن ضائع ہو جائے | جائز |
| | اور اگر دو تھن نہ ہوں | ممنوع |
| | یا دو تھن ضائع ہو جائیں | ممنوع |
| | یا دو تھنوں کا دُودھ سوکھ جائے | ممنوع |
| | اگر ایک تھن کا دودھ سوکھ جائے | جائز |
| ٹانگ | جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو | ممنوع |
| | اگر دو، تین یا چاروں کٹی ہوئی ہوں | ممنوع |
| | ایک پاؤں سے لنگڑا ہو اور زمین پر رکھ سکے | ممنوع |
| | اگر زمین پر رکھ سکتا ہو مگر اس سے چل نہ سکے | ممنوع |
| | اگر اس کے سہارے سے مذبح تک پہنچ سکے | جائز |
| دُم | ایک تہائی یا زائد دُم کٹ جائے | ممنوع |
| | ایک تہائی سے کم دُم کٹ جائے | جائز |
| | پیدائشی طور پر دُم نہ ہو | خلافِ اَولیٰ |
| | دُم کا درمیانی حصہ کٹ کر یا چیر کر یا نکل گیا ہو | جائز |
| چکتی | پیدائشی طور پر دُنبی کی چکتی نہ ہو | جائز |
| | پیدائشی طور پر دُنبی کی چکتی چھوٹی ہو | جائز |
| | ایک تہائی یا زائد چکتی ضائع ہو گئی ہو | ممنوع |

| | | |
|---|---|---|
| | ایک تہائی سے کم چکتی ضائع ہوگئی ہو | جائز |
| کھجلی | ایسا جانور جسے کھجلی ہو مگر موٹا تازہ ہو | جائز |
| | کھجلی کی وجہ سے دُبلا ہو مگر چربی کچھ ہو | خلافِ اَولیٰ |
| | اور اگر چربی نہ رہے | ممنوع |
| دُبلی پتلی | جس کی ہڈیوں اور نلیوں میں گودا گھل گیا ہو | ممنوع |
| | جس کی ہڈیوں اور نلیوں میں گودا و چربی باقی ہو | خلافِ اَولیٰ |
| مجنونہ | ایسی مجنونہ جو موٹی تازی ہو۔ | جائز |
| | جو مجنونہ دُبلی ہو اور گھاس کھاتی ہو | جائز |
| | اور مجنونہ گھاس بھی نہ کھاتی ہو اور دُبلی بھی ہو | ممنوع |
| کھانسی | ایسا جانور جسے کھانسی لگی ہوئی ہو | جائز |
| خنثیٰ اور مخنّث | | ممنوع |
| بانجھ | جو بانجھ ہوگئی ہو | جائز |
| حاملہ | ایسی حاملہ جو قریب الولادۃ ہو | مکروہ |
| بیمار | جس کی بیماری ظاہر ہو | ممنوع |
| داغی | جس کا کوئی عضو گرم لوہے سے داغا گیا ہو | جائز |
| زخمی | ہل چلانے والے بیل کے سرین پر آر کا زخم رہتا ہو | جائز |
| | ہل چلانے والے بیل کی گردن پر جوتے کا زخم ہو | جائز |
| مونی | جس کے جسم سے اُون مونڈ کر اتار لی گئی ہو | جائز |

**فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں کسی قسم کا عیب نہ ہو، نیز خصی (بدھیا) کی قربانی افضل ہے، اسی طرح خوب موٹا تازہ اور خوبصورت جانور قربانی کرنا افضل ہے۔ نیز زیادہ اور اچھے گوشت والے جانور کی قربانی افضل ہے اور اگر گوشت تو زیادہ ہو مگر بُرا اور خراب ہو تو اس میں افضلیت نہیں۔

**مسئلہ:** جانور خریدتے وقت بے عیب تھا، مگر بعد میں لنگڑا یا کانا ہوگیا یا کوئی اور عیب پیدا ہوگیا جس کی قربانی ممنوع ہو، تو مالدار کو چاہیے کہ دُوسرا جانور خرید کر ذبح کرے غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں وہ اسی کو ذبح کرسکے۔

**مسئلہ:** بعض جانور گندگی کھاتے ہیں، انھیں چند روز بند کرکے ذبح کیا جائے۔ مثلاً اُونٹ، اُونٹنی کو ۴۰ دِن تک، گائے، بیل، بھینس، بھینسا ۲۰ دن اور بکری ۱۰ دِن تک بند رکھنے کے بعد ذبح کریں۔

## خصّی جانور کی قربانی:

جانوروں کو دو طرح سے خصّی کیا جاتا ہے۔

مُوجُوء: جس کے خصیتین کو کوٹ دیا جائے۔

خصّی: جس کے خصیتین کو دبا کر نکال دیا جائے۔

ان دونوں قسم کے خصّی یعنی بدھیا جانوروں کی قربانی جائز ہے

رہا یہ کہ دُوسرے طریقہ سے یعنی خصیتین نکال دینے سے اعضاء میں کمی ہوجاتی ہے، سوعضو کا کم ہوجانا، یا موجوء کی صُورت میں خصیتین کو کچل کر بیکار و ناکارہ کر دینا یکساں ہے۔ مگر یہ عیب گوشت کی عُمدگی کے لیے قصداً کیا جاتا ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی میں سراجیہ کے حوالے سے لکھا ویجزئ الخصی، پھر البرہان شرح مواہبُ الرحمٰن قلمی ص ۳۳۷ کے حوالے سے لکھا ویجزئ الخصی لانہ اطیب کما قال الشعبیؒ مازاد الخصی فی طیبۃ لحمہ خیر للمساکین مما فات من الخصیتین۔ پھر درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ۲۲۴ ج ۵ کے حوالے سے لکھا ویضحی بالجماء والخصی والثولاء۔ نیز عالمگیری ص ۳۳۰ ج ۵ سے نقل فرمایا یجوز المجبوب العاجز عن الجماع۔

نیز کفایت المفتی ص ۲۱۰ ج میں حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ صادر فرمایا کہ خصّی جبکہ گوشت کے لحاظ سے بہتر ہو تو وہ افضل ہے یعنی اگر فقراء اور نادار لوگ زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت والا جانور افضل ہے اور اگر حاجت مند کم ہوں تو پھر جس کی قیمت زیادہ اور گوشت عمدہ ہو وہ افضل ہے۔

# ذبح کرنے کا طریقہ

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لیے لٹانے سے پہلے پہلے چھری کو کسی علیحدہ جگہ پر خوب تیز کر لینا چاہیے۔ جانور کے سامنے چھری تیز کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پھر دُعا پڑھ کر تکبیر کہے، اور نہایت پھرتی کے ساتھ چاروں رگیں کاٹے۔ ان رگوں میں ① حلقوم جس میں کھانا جاتا ہے ② مری جس میں سانس جاتا ہے اور ③ و ④ ودجان یہ دو رگیں خون کی ہیں۔

ذبح کرنے سے پہلے دل میں یہ نیت کرے کہ میں قربانی کرنے لگا ہوں۔ اور ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رُخ لٹائے اور خود بھی باوضو ہو اور قبلہ کی طرف مُنہ کرے اور ذبح سے پہلے اگر یاد ہو تو یہ دُعا پڑھے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھ کر ذبح کرے۔

ذبح کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھے کہ چاروں

رگیں کٹ جائیں البتہ اگر چار رگوں میں سے کوئی ایک رگ کٹنے سے رہ گئی اور معلوم نہ ہو سکے تو کچھ حرج نہیں مگر تین رگوں کا پوری طرح یقین کر لینا چاہیے۔ اگر دو رگیں کٹنے سے رہ گئیں اور اسی حالت میں جان نکل گئی تو جانور حرام ہو جائے گا۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی نسبت بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا افضل ہے اور احادیث نبویؐ میں بھی اسی طرح ہے۔ البتہ علامہ عینیؒ نے ذخیرہ کے حوالے سے اور عالمگیری نے محیط کے حوالے سے فقیہ بقالی کا قول لکھا ہے والمستحب ان یقول بسم اللہ اللہ اکبر یعنی بدون الواو۔ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واو کے پڑھنا مستحب ہے۔ اور عالمگیری ص ۱۹۳ ج ۶ میں یہ بھی لکھا ہے بقالی کہتا ہے کہ واو کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ پھر شمس الائمہ حلوائیؒ کا مسلک بھی یہی لکھا ہے اور دلیل یہ بیان کی کہ واو سے جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے لان الواو یقطع فور التسمیۃ۔

اس پر فقیہ انزاریؒ نے وفیہ نظر کہ کر اعتراض کر دیا علامہ عینیؒ نے بنایہ شرح ہدایہ ص ۱۳۷ ج ۴ میں اس کی تصدیق کی اور فرمایا قلت نظرہ صحیح لان الذی ثبت فی الصحیح علی ما ذکرنا بالواو فلا ینبغی ان یترک اتباعا للحدیث

یعنی میں (علامہ عینیؒ) کہتا ہوں کہ انزاری کا اعتراض بجا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ واو کے ساتھ آیا ہے، اس لیے حدیث کی اتباع کرنی چاہیے اور اس کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔

**فقہ حنفی** کی معتبر اور مایۂ ناز کتاب ہدایہ ص ۴۲۱ ج ۴

میں فقیہ اعظم برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے وما تداولتہ الالسن عند الذبح وھو قولہ بسم اللہ واللہ اکبر منقول عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ تعالیٰ فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف یعنی ذبح کرتے وقت ذبح کرنے والوں کی زبان پر جو الفاظ متداول ہیں یعنی بسم اللہ واللہ اکبر یہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ واو کے ساتھ بسم اللہ واللہ اکبر پڑھنے کا دستور عام تھا۔ صرف بقالی اور شمس الائمہ حلوانیؒ دو ہی اشخاص ہیں جنھوں نے بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واو کے پڑھنے کا قول کیا ہے۔ اِن دو کے

علاوہ ان کی تبعیت میں کسی نے قول کیا ہو تو ہو سکتا ہے۔ مگر عام استعمال واو کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔

فتاویٰ برہنہ ص ۱۵۱ ج ۲ میں علامہ شیخ نصیر الدین بینائی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "ومنقول از ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ومتداول بسم اللہ واللہ اکبر است"۔

اور واو کے ساتھ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے چنانچہ صحیح مسلم ص ۱۵۶ ج ۲، سنن ابی داؤد ص ۳۰ ج ۲، سنن کبریٰ بیہقی ص ۲۶۸ ج ۹، اور مشکوٰۃ ص ۱۲۷ میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کرتے وقت بسم اللہ و اللہ اکبر پڑھتے تھے۔

**فقہ شافعی** کے مقلد حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح ص ۱۵۶ ج ۲ میں مذکورہ بالا حدیث سے مسئلہ نکالا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تسمیہ (بسم اللہ) کے ساتھ تکبیر اس طرح پڑھنا بسم اللہ و اللہ اکبر مستحب ہے۔ فیہ استحباب التکبیر مع التسمیۃ فیقول بسم اللہ و اللہ اکبر۔

اور موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے

بھی الکافی ص ۴۷۲ ج ۱ میں لکھا ہے ویقول عند الذبح بسم اللہ واللہ اکبر لحدیث انس رضی اللہ عنہ یعنی ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر کہے حضرت انس رض کی حدیث اس کی دلیل ہے۔

## فقہ حنبلی کی کتاب العُدہ شرح العُدہ

ص ۲۱۲ میں علامہ بہاؤالدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم المقدسی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی لکھا ہے ویقول عند ذٰلک بسم اللہ واللہ اکبر۔

الرّوض المربع شرح زاد المستقنع ص ۵۳۲ ج ۱ میں علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ویقول حین یحرک یدہ بالنحر او الذبح بسم اللہ وجوبًا واللہ اکبر استحبابًا یعنی نحر یا ذبح کے وقت جب اپنے ہاتھ کو حرکت دے رہا ہو بسم اللہ تو ضرور پڑھے کہ یہ واجب ہے اور واللہ اکبر بھی پڑھے اس لیے کہ یہ مستحب ہے۔

## فقہ مالکی کی کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۴۸۵

ج ۱ میں لکھا ہے کہ میں نے سوال کیا کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر..... کہے؟ تو جواب دیا کہ حضرت امام مالک

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ لفظ کہے تو حسن ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ اہل السنت والجماعت کے مذاہب اربعہ میں یہی ہے کہ بسم اللہ واللہ اکبر واو کے ساتھ پڑھے اور یہی افضل اور حسن ہے۔

ذبح کر چکنے کے بعد یہ دُعاء پڑھے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

مسئلہ: قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دُعا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے۔ اگر دِل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں پڑھا صرف بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہو گئی۔ لیکن اگر دُعاء یاد ہو تو پڑھ لینے میں بہت بڑا ثواب ہے۔ (شامی ص ۳۰۴ ج ۵)

مسئلہ: اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دُوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔

ذبح کر چکنے کے بعد جانور کو ٹھنڈا ہونے دیں، جب جانور ٹھنڈا ہو جائے تب سر کو دھڑ سے جُدا کریں اور

چمڑا اتاریں۔ ٹھنڈا ہونے سے پہلے چمڑا اتارنا اور سر کو دھڑ سے جُدا کرنا درست نہیں ہے۔

**مسئلہ:** قربانی کا جانور دِن میں ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر کسی وجہ سے رات کو ذبح کردیا جائے تو قربانی ہوجائے گی۔ البتہ ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات میں صبح صادق سے پہلے جانور ذبح کردیا تو قربانی ادا نہیں ہوگی اور دوبارہ قربانی کرنا واجب ہوگا۔

فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۶ ج ۴ میں شامی ص ۲۰۳ ج ۵ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات کو صبح صادق سے پہلے ذبح کردی تو قربانی ادا نہیں ہوئی۔ اِسی طرح ۱۲ تاریخ کا سُورج غروب ہونے کے بعد قربانی ذبح کی تو قربانی ادا نہ ہوگی۔ ۱۰ و ۱۱ کے درمیان والی رات، اور ۱۱ و ۱۲ کے درمیان والی رات میں قربانی کرنا ہمارے مذہبِ حنفیہ میں جائز تو ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے۔

## ذابح کے اِمدادی پر بسم اللہ واجب ہے؟

**سوال:** جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہے اور اِس کے ساتھ

دوسرا ایک شخص اور شریکِ حال ہوتا ہے اور ذبیحہ کے بقیہ اعضاء کو پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبح کرنے والے کے علاوہ دوسرا اس کا شریکِ حال تکبیر نہ کہے، تو کیا ذبیحہ حرام ہو جائے گا کیا ذبح کرنے والے اور پکڑنے والے دونوں کے لیے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازمی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ صرف ذبح کرنے والے پر فرض ہے۔ ہاتھ پیر پکڑنے والے پر تسمیہ فرض نہیں ہے۔ اور وہ جو درِ مختار وغیرہ میں شریکِ ذابح پر تسمیہ فرض لکھا ہے اس کا مطلب ردّ المحتار وغیرہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ غرض اس سے یہ ہے کہ جس کا ہاتھ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پھیرنے میں ہو اس پر بھی تسمیہ فرض ہے نہ کہ ہاتھ پیر پکڑنے والے پر۔

## جانور خرید کر بعد میں شریک بنانا

**مسئلہ:** قربانی کے لیے کسی نے گائے خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی اس گائے میں شریک کر لیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے، اس کے بعد کچھ اور لوگ اس گائے میں شریک ہو گئے تو یہ درست ہے۔ اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ

پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اب اس
میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے، لیکن اگر کسی کو
شریک کر لیا تو دیکھنا چاہیئے کہ کس نے شریک کیا ہے؟ وہ
امیر ہے جس پر قربانی واجب ہے یا غریب ہے جس پر قربانی
واجب نہیں تھی۔

اگر امیر ہے تو درست ہے۔ اگر غریب ہے تو درست
نہیں، لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو جس کو شریک کیا ہے
اس کی قربانی تو ادا ہو جائے گی اور اس شریک کرنے کی وجہ
سے دُوسرے شریکوں کے حصوں میں بھی کوئی نقصان نہ آئے گا،
لیکن اس غریب پر واجب ہے کہ جتنے حصے خریدنے کے
بعد دُوسرے لوگوں کو دیئے ہیں ان کی ضمان اس طرح ادا کرے
کہ اگر ابھی قربانی کے دن باقی ہیں تو اتنے حصے قربانی کر دے
اگر قربانی کے دن گزر گئے تو ان حصوں کی قیمت مساکین کو
دیدے۔ (عالمگیری ص ۲۳۷ ج ۵)

## غریب اور امیر کی قربانی میں فرق

مسئلہ: اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا، پھر دُوسرا خریدا
پھر وہ پہلا بھی مل گیا۔ اب اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہُوا ہے تو ایک
ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے، دونوں میں سے خواہ کسی کی

قربانی کردیوے۔ لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر پہلے جانور کی قربانی کرے تب تو خیر، اور اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ قیمت میں پہلے جانور سے کم تو نہیں ہے، اگر کم ہے تو جتنے دام کم ہوں اتنے دام غریبوں کو خیرات کردینا مستحب ہے ورنہ نہ۔ اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہُوا تو دونوں جانوروں کی قربانی اس پر واجب ہوگی۔

## غریب کو دو جانور کرنے کی وجہ:

غریب پر دو جانوروں کی قربانی کرنے کا سبب اس کا دُوسرا جانور خرید لینا ہے۔ اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمے کچھ بھی نہ تھا۔ پھر اگر پہلا مل جاتا تو اس کے ذمے وہی ایک رہتا کہ وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہُوا تھا۔ سو جب اس نے دُوسرا خرید لیا تو وہ بھی اس پر واجب ہوگیا۔

اور امیر آدمی پر خود شروع سے قربانی واجب ہے، گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے اور یہ واجب ایک ہے۔ پس خواہ یہ کتنے ہی خریدے وہ ایک ہی واجب رہے گا۔ اور اگر پہلا نہ ملتا تو دُوسرا خریدنا واجب ہوتا اور غریب آدمی جتنے خریدتا چلا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے۔ (تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص ۲۷)

# خاوند کی اجازت کے بغیر قربانی کا حکم

سوال: ایک عورت نے بلا اجازت اپنے خاوند کے قربانی میں ایک حصہ خرید لیا اور قیمت بھی دے دی۔ جس وقت حصہ کا گوشت گھر آیا تو اس کے خاوند کو قربانی کا قصہ معلوم ہوا، اس نے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس حصہ کو فروخت کر دو۔ اس عورت نے وہ حصہ دوسری عورت پر فروخت کر دیا، اور قیمت لے لی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس نے حصہ خرید لیا اس کو قربانی کا ثواب ہوا یا نہیں۔ پہلی عورت جس نے شروع میں حصہ خرید لیا تھا' شاید قدرے زیور کی مالک ہو بلکہ وہ بھی خاوند ہی کے ملک ہو، تحقیق نہیں۔ اگر عورت صاحب نصاب ہو تو کیا صورت مسئلہ ہے اور غیر نصاب کی کیا۔

الجواب: جس دوسری عورت نے گوشت کا حصہ خریدا ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی اور پہلی عورت نے جب حصہ خرید کر ذبح کرا دیا اس کی طرف سے قربانی ہو گئی، خواہ وہ غنی ہو خواہ فقیر۔ اور ہر حال میں اس کو گوشت فروخت کرنا جائز نہیں تھا اور جب فروخت کر دیا اس کے دام جو وصول ہوئے وہ حق مساکین کا ہے اور چونکہ اس نے مساکین کو نہیں دیا اس لیے اب دینا واجب ہوگا۔ (تتمہ جلد ثانی فتاوی امدادیہ ۱۳۷، ۱۳۸)

# قربانی کی نذر:

سوال: ایک شخص بیمار ہُوا، اس کے لواحقین نے کہا کہ: خُداوندا اگر یہ مریض صحت پاوے تو تین گائے مسلم قربانی کروں گا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مریض نے صحت پایا اور ذی الحجہ کے مہینے میں گائے ذبح ہو گی۔ یہ قربانی کے حکم میں ہے یا صدقہ کے

الجواب: قربانی کے۔ ہکذا فی ردالمحتار (تتمہ ج ۲ امدادیہ ص ۱۳۸)

سوال: اور گوشت کے مصارف کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: مساکین کو دینا چاہیے کذافی ردالمحتار ص ۲۲۰ ج ۵)

سوال: اور گائے کی قیمت تخمینہ کر کے روپیہ کسی مدرسہ میں یا غرباء کے دینے سے نذر سے بری الذمہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ایام قربانی اگر گزر جاویں تو مساکین کو دام دینا چاہیے۔ فقط (تتمہ جلد ثانی فتاویٰ امدادیہ ص ۱۳۸)

مسئلہ: نذر کردہ قربانی سے نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے۔

کوئی شخص غریب ہو اور ایک بکرا قربانی کی نیت سے پالے تو اس میں سے خود بھی کھا سکتا ہے اور اگر زبان سے کہہ کر نذر مانے تو اس میں سے خود نہیں کھا سکتا۔ اس نوعیت کا ایک سوال اور اس کا جواب تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۲۰۱ میں درج ہے:

**سوال:** بندہ نے ایک بکرا لے کر قربانی کے لیے پالا، مگر چونکہ بندہ مالکِ نصاب نہیں تھا اس واسطے ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم اس بکرے کی قربانی سے خود گوشت نہیں کھا سکتے کیونکہ تم صاحبِ نصاب نہیں ہو اور یہ بکرا تمہارا قربانی کے ارادے سے خرید کیا ہُوا بجائے نذرِ معین کے سمجھا جائیگا، دوسرے مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں، تم بلا شک کھا سکتے ہو بتائیے یہ صحیح مسئلہ کس کا ہے؟

**الجواب:** فی العالمگیریہ وله ان یدخر الکل لنفسه فوق ثلثة ایام الا ان اطعامها والتصدق بها افضل الا ان یکون الرجل ذا عیال وغیر موسّع الحال فان الافضل له حینئذ ان یَدَعَه لعیاله ویوسّع به کذا فی البدائع وان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یاکل منها شیئا ولا ان یطعم غیره من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیا او فقیرا (عالمگیریہ ص ۲۰۱ ج ۶)

**ترجمہ:** اور قربانی کرنے والے کو اجازت تو ہے کہ تین دِن سے زیادہ اپنے لیے ذخیرہ بنا کر رکھ لے مگر بہتر ہے کہ دُوسروں کو کھلائے اور صدقہ کر دے۔ البتہ جو آدمی عیال دار ہو، تنگدست ہو اور خوش حال نہ ہو تو اس وقت اس کے لیے یہی افضل ہے کہ

اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ رکھے اور ان کے لیے وسعت کا سامان بہم پہنچائے۔ اسی طرح بدائع میں ہے اور اگر نذر ماننے سے قربانی واجب ہوئی ہے تو قربانی کرنے والا اس میں سے نہ آپ خود ہی کچھ کھا سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے دولت مند کو کھلا سکتا ہے۔ اور نذر ماننے والا خواہ امیر ہو یا غریب۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب زبان سے نذر کر لے تو اس کا کھانا خود نذر ماننے والے پر جائز نہیں ہے اور اگر نذر نہ کی ہو گو مثل نذر کے اس پر واجب ہو گا پھر بھی اس کا کھانا اور اغنیاء کو کھلانا جائز ہے۔

## گابھن کی قربانی:

کسی شخص نے قربانی کی نیت سے گائے خریدی پھر معلوم ہوا کہ یہ گائے تو گابھن ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کے بچے میں جان پڑ گئی ہے یا نہ۔ اگر ابھی بچہ میں جان نہ پڑی ہو تو اسی کو ذبح کر لے، اور اگر جان پڑ چکی ہو تو بہتر یہ ہے کہ دوسری گائے خرید کر قربانی کرے۔ البتہ دوسری گائے پہلی گائے سے قیمت میں کم ہو تو جس قدر قیمت کم ہو گی بقایا رقم خیرات کر دے۔

اگر دوسری گائے کی تلاش میں قربانی کے دن گزر گئے اور دوسری گائے نہیں مل سکی اور وہی گابھن گائے اس کے پاس

موجود ہے تو جب وہ بچہ جنے اور دُودھ دے تو اس کا دُودھ پینا درست ہے۔ اگر اس گائے کے بدلہ میں کوئی دُوسری گائے نہیں ملی جس کی قربانی کی جاتی تو اس گائے کی قیمت بجائے قربانی کے صدقہ کرنا واجب ہے۔

قربانی کے جانور کا اگر ذبح سے بچہ پیدا ہو گیا یا ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آیا تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیے۔

## مُتفرق مسائل:

قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے۔

قربانی کے جانور کا دُودھ نکالنا یا اُس کے بال اور اُون کاٹنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے ایسا کر لیا تو دُودھ اور بال و اُون کی جو قیمت بنتی ہو اس کا صدقہ دینا واجب ہے۔

عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں لیکن جس شہر میں کئی جگہ نمازِ عید ہوتی ہو تو شہر میں کسی ایک جگہ بھی نمازِ عید ہو گئی تو پورے شہر میں قربانی جائز ہو جاتی ہے۔ البتہ چھوٹے دیہات میں جہاں نمازِ عید نہیں ہوتی صبح صادق کے بعد بھی جائز ہے۔

کسی عذر کی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو اگر نمازِ عید نہ ہو سکے تو نمازِ عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے (دُرِ مختار)

جن بستیوں اور شہروں میں نمازِ جمعہ و عیدین جائز وہاں نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نمازِ عید سے پہلے ہی قربانی کر لی تو اس پر دوبارہ قربانی کرنا واجب ہے۔

جس شخص پر قربانی واجب ہے، ایام قربانی میں ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ایام قربانی میں جانور کی قیمت صدقہ کرنے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا اور ہمیشہ گنہگار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے، جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔

جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی ایسا کرلے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

دو بھائیوں کا مال یکجا جمع ہے مگر کھانا پینا الگ الگ ہے۔ وہ ہر سال قربانی کے دو حصے کرتے ہیں مگر اپنے حصے الگ الگ نہیں کرتے تو قربانی دونوں کی ہو تو جائے گی مگر بہتر یہ ہے کہ

ہر جانور یا حصے پر ایک خاص شخص کا نام لگا دیا جائے کہ یہ فلاں کی طرف سے ہے اور یہ فلاں کی طرف سے۔

ایک شخص صاحبِ نصاب ہے مگر اس کا روپیہ کسی تجارتی کمپنی میں ہے اور سال گزرنے سے پہلے نہیں مل سکتا اور اس کے علاوہ قربانی کرنے کے لیے روپیہ اس کے پاس موجود نہیں اور نہ ہی کہیں سے قرض مل سکتا ہے تو اُسے چاہیے کہ کوئی زائد از حاجت چیز فروخت کر کے قربانی کرے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں۔

**سوال:** قربانی جس کے ذمے واجب تھی اُس نے اپنی سُستی سے قربانی کے دِنوں میں قربانی نہ کی' بعد میں جب وہ قیمت قربانی کی خیرات کرے تو اُصول (یعنی ماں باپ اور ان سے اُوپر کے)، یا فروع (اولاد اور ان سے نیچے) یا کافر کو خیرات کر سکتا ہے اگر وہ مفلس اور حاجت مند ہوں یا نہیں؟

**الجواب:** فقہاء کے کلام میں اس باب میں یہ الفاظ ہیں: تصدق بقیمتھا جو دال ہے وجوبِ تصدق پر' اور صدقہ واجبہ اُصول یا فروع اور کافر پر صرف کرنا جائز نہیں اور دُرِ مختار کتاب الاضحیہ میں ایک جزئیہ ہے جس میں ایسے ذیل بذبح الاضحیہ پر جس نے عمداً تسمیہ ترک کیا ضمان لازم کیا ہے'

اس میں تصریح ہے تصدق بقیمتہا علی الفقراء (درمختار ص ۳۲۶ ج ۵)۔ (یعنی اس کی قیمت فقیروں پر صدقہ کر دے) اور صدقہ واجبہ کے مصارف جو فقراء ہوتے ہیں ان سے اُصول، فروع اور کافر خارج ہیں۔ اور ردالمحتار میں ایک جُزئیہ ہے، جس میں قربانی کے ایام گزر جانے کے بعد خریدی ہُوئی قربانی کو ذبح کرنے کی صورت میں لکھا ہے:

(ترجمہ[1]) جب اس کو ذبح کرے تو اس میں سے خود کھانا حلال نہیں جس طرح اس کی قیمت میں سے کچھ روک رکھنا جائز نہیں (۳۱۴/۵)

اور جس چیز کا خود کھانا' خرچ کرنا جائز نہیں، اصول فروع اور کافر کو بھی دینا درست نہیں۔ (تتمہ جلد ثانی فتاویٰ امدادیہ ص ۱۳۶)

## قربانی کا گوشت

اپنے کھانے کے لیے چاہے تو تمام کا تمام گوشت رکھ لے' خواہ بھُون کر یا خشک کر کے اور چاہے تو تازہ گوشت فریج وغیرہ میں رکھ لے اور جب جتنا چاہے پُورا سال ہی کھاتا رہے' اس کی مکمل اجازت ہے۔ یا اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دے تو بھی جائز ہے، یا اپنے دوستوں کو دے دے، فقیروں اور محتاجوں کو بانٹ دے سب جائز ہے۔

لیکن بہتر ہے کہ گوشت کے تین حصّے کر لے۔ ایک تہائی

[1] اصل فتوٰی میں ردالمحتار کی عربی عبارت تھی مگر یہاں اصل عبارت کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔

فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں میں خیرات کر دے، اور ایک تہائی اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں میں بانٹ دے۔ اور ایک تہائی اپنے لیے گھر میں رکھ لے۔

○ اور اگر ایک تہائی سے خیرات کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

○ اور اگر کچا گوشت خشک کر رکھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

○ اور اگر گوشت کو آگ پر بھون کر کھائے تو بھی درست ہے۔

## قربانی کی کھال:

رکنِ رکین ص ۲۹۸ میں لکھا ہے کہ قربانی کی کھال، اور اس کی رسّی، جھول، نکیل وغیرہ سب خیرات کر دے، یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں کو دے، قیمت میں جو دام ملے ہیں وہی بانٹے۔ قیمت ان چیزوں کی اپنے کام میں خرچ کر دینا اور اس کے بدلے اپنے پاس سے دینا اچھا نہیں ہے۔ اگرچہ اس طرح کرنے سے ادا ہو جائیں گے۔ قربانی کی کھال اپنے کام میں لانا (مثلاً چھلنی، مشک، ڈول، جا نماز، پوستین، جوتا، دسترخوان، موزہ، ٹوپی وغیرہ بنوانا) درست ہے۔ اور اپنے دوست یار اور سیّد اور غنی کو بھی دے سکتا ہے۔

قربانی کی کھال فقراء پر صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت

کرنا درست ہے، بلکہ قربانی کی کھالوں کی قیمت ان کے فروخت کرنے کے بعد شریعت کی رُو سے صدقۂ واجبہ میں داخل ہے۔ اور ان کے مصارف زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ تملیک فقراء اس میں ضروری ہے۔ قیمت کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی مرمت یا تعمیر میں صرف کرنا، سامانِ مسجد و مدرسہ، روشنی مسجد و مدرسہ میں، اور فرش مسجد و مدرسہ میں، یا مسجد و مدرسہ کے پنکھے، یا مدرسہ و مسجد کے کنوئیں میں، اور اسی طرح عیدگاہ وغیرہ کی مرمت میں صرف کرنا منع ہے۔ اپنے ملازم کو، بیوی کو، اولاد کو ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ کو نہ دے۔

امام مسجد و مؤذنِ مسجد کو بھی بسبب اُن کی اس خدمت کے نہ دے۔ اگر امام کی امامت اور مؤذن کی اذان و خدمتِ مسجد کی وجہ سے دے گا تو ناجائز کام کیا اور اس کی قربانی میں نقصان رہے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۷ ج ۱)

کھالوں کی قیمت نادار طالب علموں کو وظائف کی صورت میں یا سامانِ تعلیم کی صورت میں دیا جائے وہ تملیک کی صورت میں دیا جائے۔ (کفایت المفتی)

فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۱۷ ج ۱ میں ہے کہ: قربانی کی کھالیں کسی انجمن یا مدرسہ کے مہتمم کو دینا درست ہے۔ اور اس کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مہتمم و متولی کو وکیل بناتا ہے فروخت کر کے صدقہ کرنے کے لیے۔ پس جیسے خود بخود فروخت کرنے کے بعد تنخواہِ ملازمین میں نہیں دے سکتا۔ اسی طرح مدرسہ کا مہتمم بھی تنخواہِ ملازمین و مدرسین وغیرہ میں نہیں دے سکتا، طلبہ پر صدقہ کر سکتا ہے۔ بس صرف طلبہ ہیں اس قیمت کو لانا چاہیے کیونکہ ظاہر ہے کہ متولی و مہتمم انجمن کو ان چمڑوں کا مالک بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ محض امین و وکیل ہیں مالک کے۔ فروخت کرنے اور مصرف میں صرف کرنے کے۔

اگر کھال کے بدلے میں دبغیر اس کے کہ اس کو فروخت کیا جائے، کتب فقہ و تفسیر و حدیث حاصل کر لی جائیں اور ان کو عوام کی فائدہ رسانی کے لیے مسجد میں رکھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں (کفایت المفتی)

قربانی کی کھال میں لڑکی کا یا امامِ مسجد کا حق لازم سمجھنا غلط ہے۔ حق لازم کسی کا نہیں۔ لیکن تبرعاً لڑکی یا امامِ مسجد کو دے سکتا ہے۔ لیکن تبرعات میں جبر نہیں اور دینے والے پر لازم نہیں کہ وہ ضرور ہی دے اور نہ امام کو حق ہے کہ وہ جبراً لے۔ اگر وہ اپنا حق سمجھ کر یا اجرتِ امامت قرار دے کر زبردستی لینا چاہیے تو وہ غلطی اور گنہگار ہے اور اُجرت سمجھ کر اسے دینے والا بھی

گنہگار ہے۔

اگر قربانی کرنے والے نے قربانی کی کھال کسی کو دے دی اور اب وہ شخص جس کو کھال دی ہے وہ اسے فروخت کر کے کسی معلم کو تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دے تو جائز ہے۔ لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کر دے تو پھر وہ اس روپے کو معلم کی تنخواہ یا مسجد میں خرچ نہیں کر سکتا، بلکہ صدقہ کر دینا واجب ہے۔

قربانی کے زائد از حاجت گوشت، پوست، استخوان اور انتڑیوں وغیرہ کو خاص ادویہ کے ذریعے محفوظ کر کے اسے کاروباری نقطۂ نظر سے عالمِ اسلام میں قیمتاً فروخت کیا جائے اور اس کی آمد کا بیشتر حصہ مجاہدینِ اسلام کے مفاد کے لیے خرچ کیا جائے تو جائز ہے، کیونکہ بیع قربانی کرنے والے کی طرف سے اپنی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ فقراءِ مسلمین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہے اور اس میں کوئی نقصان معلوم نہیں ہوتا، مال منتفع بہ کو ضائع ہونے سے بچانا بھی جواز کے لیے ایک مستقل وجہ ہو سکتی ہے۔

قربانی کی کھال کو مختلف صنعتی اور کاروباری صورت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

انتڑیوں کو چھلنیوں اور دیگر سامانِ تفریح مثلاً اسپورٹ کا سامان وغیرہ تیار کرنے کے مصرف میں لانا جائز ہے۔

استخوان اور سینگ کے ذریعے بٹن اور کنگھی، تسبیح، چاقو، و چھری کے دستے اور دیگر اسی قسم کی مصنوعات کے تیار کرنے میں صرف کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہڈی کا بہت بڑا خرچ شکر سازی وغیرہ کے کارخانوں میں ہو سکتا ہے۔ دیگر فضلات ردّیہ کو کھاد کے طور پر کھیتوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قربانی کے چمڑے کا حکم قربانی کے گوشت کا سا ہے، جس طرح قربانی کا گوشت غنی کو دینا جائز ہے اسی طرح قربانی کا چمڑا بھی غنی کو دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کو تبرعاً احسان کے طور پر دیا جائے، اس کی کسی خدمت وعمل کے بدلے میں نہ دیا جائے۔ اور جب اس غنی کی ملک کر دیا جائے، تو اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی دوسرے املاک کی طرح جائز ہے۔

اگر مسجد کے متولی یا امام کو جو کہ غنی ہیں، چمڑا دے دیا، اور اس کا مالک بنا دیا، اب وہ متولی یا امام مسجد اسے فروخت کر کے اپنی مرضی اور خوشی سے از خود مسجد کی مرمت یا دیکھ بھال کے لیے خرچ کر دے تو جائز ہے۔ لیکن اگر وہ متولی یا امام مسجد اس کو فروخت کر کے مسجد میں صرف نہ کرے تب بھی جائز ہے اور اگر اس کو دینے والے نے مالک نہیں بنایا بلکہ وکیل بنایا ہے تو اس کو کوئی ایسا تصرف کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو متوکل

یعنی وکیل بنانے والے کے لیے ناجائز ہو۔

اگر کوئی شخص مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کو یہ کہ کر چمڑا دے کر اسے فروخت کر کے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں صرف کر دو تو اس صورت میں چمڑے کو فروخت کر کے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا منع ہے کیونکہ یہ صریح توکیل ہے تملیک نہیں ہے۔ اگر تملیک ہو تو پھر چمڑا دینے والے کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ بعد تملیک مہتمم یا متولی سے اس کے مصرف کے متعلق پوچھے۔

**سوال:** اس پر کیا دلیل ہے کہ قربانی کے چمڑوں کی قیمت کے مصارف بعینہٖ زکوٰۃ کے مصارف ہیں حالانکہ کتابوں میں یہ ہے کہ فروخت کے بعد تصدق واجب ہے یعنی خود تصرف کرنا جائز نہیں ہے نہ کہ یہ صاحب کہیں ہے کہ یہ صدقہ واجبہ ہے۔

**الجواب:** صدقہ واجبہ کے تو یہی معنے ہیں کہ تصدق اس کے ساتھ واجب ہے کیونکہ صدقہ تو اعیان سے ہے اور وجوب اس فعل کی صفت ہے تو اعیان کا اس کے ساتھ موصوف ہونا مجازاً ہے۔ حقیقت اس کی فعل ملابس بہ کا وجوب ہے۔ پس جب تصدق کو واجب مان لیا اسی سے اس صدقہ کا واجب ہونا بھی بالمعنی المذکور لازم آگیا اور بجز اس کے تو کوئی معنی ہی نہیں پس صدقہ واجبہ ہونا اس کا ثابت ہو گیا، تو اب اس کے

صدقہ واجبہ کے مصارف میں کیا شبہ رہا۔ یہی دلیل اس پر کافی ہے۔

سوال: کیا صدقہ میں قبض یا تملیک شرط ہے یا فقط صدقہ واجبہ میں؟ اگر سب میں ہے تو صدقہ جاریہ میں تو ممکن نہیں اس کا کیا جواب اور کیا دلائل ہیں؟

الجواب: چونکہ عین تو جاری ہی نہیں، اس کے منافع جاری ہیں، اور وہ محلِ ملک ہیں جیسے اجارہ میں تملیکِ منافع بعوض اور اعارہ میں بلا عوض کی تصریح کی گئی ہے۔ پس تخلّف ملک کا صدقہ سے کہاں لازم آیا۔ فقہاء کا علی الاطلاق یہ کہنا الصدقۃ کالھبۃ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع پھر ہبہ کی تعریف میں تملیک العین کہنا صاف دلیل ہے کہ مطلق صدقہ میں تملیک شرط ہے اور اگر واجب ہی کے ساتھ بھی خاص کیا جائے تو اس کا واجب ہونا بھی اوپر ثابت ہو گیا۔

سوال: یہ چمڑے کے فروخت سے جو کراہت آتی ہے وہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اگر تحریمی ہے تو علماء اس کا خلاف کیوں کرتے اور اگر تنزیہی ہو تو اس سے جو روپیہ آئے گا وہ مالِ خبیث ہوگا یا نہ؟ نیز مالِ خبیث سے اگر کوئی مدرسہ بنایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بدلائل مطلوب۔

الجواب: عینی شرح کنز میں ہے ولو باعھا بالدراھم

لیتصدق بہا جاز الخ اس سے معلوم ہوا کہ اس بیت سے بیع کرنے میں کچھ کراہت نہیں هو ای الهبة تمليك العين مجانا وفيه باب المصرف للزكوة وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم الخ۔ ان روایات سے چمڑے کے داموں کو صدقہ کرنے کا وجوب، اور صدقہ کرنے میں تملیک کی شرط لگانا اور صدقات واجبہ کا مصرف زکوٰۃ کی طرح ہونا ثابت ہوا اور اس مجموعہ سے وہ احکام مجموعی ثابت ہوئے۔ (تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص ۹۷)

## چرمہائے قربانی مدرسہ و مسجد میں دینا

عزیز الفتاویٰ ص ۲۷ ج ۶ میں ہے: قیمتِ چرمِ قربانی جو بعد فروخت کرنے چرم کے حاصل ہو اس کا صدقہ کرنا فقراء، و مساکین پر واجب ہے اور مصارف اس کے زکوٰۃ کے مثل ہیں، تملیک فقراء اس میں ضروری ہے۔ اور یہ بھی کتبِ فقہ میں مصرح ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کو کہ جس میں قیمتِ چرمِ قربانی بھی داخل ہے تعمیر مسجد و مرمت مسجد و روشنی و سامانِ مسجد وغیرہ میں صرف نہیں کر سکتے۔ اور یہ حیلہ بھی کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ کسی مسکین کو یا فقیر کو اول اس کا مالک بنایا جائے پھر اس سے کہا جائے کہ تو اپنی طرف سے اس روپیہ کو مسجد وغیرہ

میں یا روشنی وغیرہ میں صرف کر دے۔ مگر دینے کے وقت یہ شرط نہ کرے بلکہ دینے کے بعد اس سے یہ کہہ دے۔ بہر حال اس حیلہ سے روشنی وغیرہ اور خرید لالٹین وغیرہ میں اس کو صرف کر سکتے ہیں۔

اگر قربانی کے چمڑے جمع کر کے ایک شخص کو بطور بخشش ہبہ کر دیں، پھر وہ شخص ان چمڑوں کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے محلہ میں راہ داری کے لیے فانوس کر دے تو یہ جائز ہے (ص ۳۰)

امداد الفتاوی کے تتمہ ثانیہ ص ۲۰۱ - ۲۰۲ میں ہے:

سوال: یہاں چرم قربانی قصاب کو دیتے ہیں اور ان سے بعوض چرم قربانی کے محرم (کے مہینے) میں گوشت لے کر خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جن شہروں میں چرم وزن سے فروخت ہوتا ہے وہاں تو یہ بیع ہی درست نہیں کیونکہ مبادلہ موزون کا موزون سے نسیئۃ (بطور اُدھار کے) ربوا یعنی سود ہے۔ اور جن شہروں میں عدداً فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع تو درست ہے جب گوشت کی مقدار اور صفت پورے طور سے بیان کر دی جائے (اور وقت و مقام تسلیم بھی معین کر دیا جائے (کیونکہ یہ بیع سلم بن جائے گی)۔ لیکن اس کے عوض میں جو گوشت آوے گا اس سب کا خیرات کرنا مساکین پر واجب ہے۔ اگر خود کھاوے گا یا غنی کو کھلائیگا

اتنی مقدار کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ فی الدر المختار لا بمستهلك كخل و لحم و نحوه كدراهم فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه اه قلتُ ولا تغلط مما فى رد المحتار عن القنية اشترى بلحمها ماكولا فاكله لم يجب عليه التصدق بقيمته استحسانا اه ص ۳۲۱ ج ۵۔ لانه مخصوص باللحم دون الجلد والفرق ان اللحم ماكول دون الجلد فاقيم ماكول مقام الماكول دون غير الماكول۔

**مسئلہ**: قربانی کی اون ذبح سے پہلے نہ اپنے کام میں لائے اور نہ فروخت کرے۔ اور اگر اُون کاٹ کر فروخت کر دی تو اس کے دام صدقہ کر دے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۱۰ ج ۴)

ذبح کرنے کے بعد قربانی کے جانور کے تھنوں میں دُودھ ہے یا اس کے بدن پر اون ہے تو اس دُودھ اور اُون کو اپنے کام میں لا سکتا ہے اگر بیچے گا تو اس کے دام صدقہ کرنے ہوں گے۔

# میّت کی طرف سے قربانی

میّت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے جبکہ بعض علما کرام نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مُبارک تلمیذ رشید حضرت امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "مُجھے یہ پسند ہے کہ میّت کی طرف سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لیے تو دی جائے مگر قربانی نہ کی جائے۔ اگر میّت کی طرف سے قربانی کرے تو سب کچھ اللہ واسطے دے دیا جائے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھایا جائے۔"

لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ میّت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیثِ نبویؐ ہے جو حضرت حنش رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ رشید سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے امیرالمؤمنین حضرت امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو دُنبے قربانی کرتے ہُوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین رضؓ! یہ کیا بات ہے؟" یعنی آپؓ کو تو ایک ہی دُنبہ قربانی کے لیے کافی تھا، یہ دو دُنبے کس مقصد کے لیے کیے؟ تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی میری وفات کے بعد میری طرف

سے بھی قربانی کیا کرنا۔ اسی لیے میں نے ایک دُنبہ اپنی طرف سے اور دُوسرا دُنبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد ص ۲۹ ج ۲ اور مُلّا علی قاری کی کتاب مرقاۃ شرح ص ۳۰۹ ج ۳ میں موجود ہے۔ اور حضرت حاکم رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ مگر حضرت امام ترمذی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے ایک راوی شریک کی وجہ سے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

اور اس حدیث کی تائید میں بہت سے ایسے دلائل حدیثیہ موجود ہیں جو ہر قسم کی عبادت مالی اور جانی کا ثواب میت کو پہنچنے کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے معجم طبرانی ص ۳۲۸ ج ۶ میں بیٹے کی دُعاء اور تعلیم علم کا ثواب میت کو پہنچنے کا ذکر ہے اور ص ۲۵۸ ج ۱ میں حج کا ثواب میت کو پہنچنے کی حدیث ہے۔

نیز حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اُمت کی طرف سے اور اپنی طرف سے بڑے بڑے سینگوں والے دو مینڈھے جو خصی بھی تھے ذبح فرمائے جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۱۲۸ میں روایت ہے عن جابر رضی اللہ عنہ قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوءین فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی

فطر السمٰوٰت والارض علی ملة ابراھیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین لاشریك له وبذٰلك امرت وانا من المسلمین اللھم منك ولك عن محمد وامته بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر اس کے بعد ذبح کیا۔ اور فرمایا اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی۔ یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے روز بڑے بڑے سینگوں والے سیاہ وسفید دو خصّی مینڈھے ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا، پھر جب ان کو قبلہ رُخ کرکے لٹایا تو فرمایا کہ میں نے اپنا مُنہ اُسی کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے، اسی ایک ہی کا ہوکر، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور قربانی وغیرہ سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو رب ہے سب جہانوں کا، جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی توحید کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور اسی کے حکموں کا فرمانبردار ہوں۔ اے اللہ میری طرف سے یہ قربانی کا عطیہ صرف تیری ہی طرف سے ہے، اور تیری ہی رضا کے لیے قربان کر رہا ہوں۔ یہ محمدؐ کی طرف سے بھی

ہے اور اس کی اُمت کی طرف سے بھی ہے۔

**الحاصل** میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، مگر کسی زندہ شخص کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے ہرگز قربانی نہیں ہو سکتی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ میّت کی طرف سے ایصالِ ثواب پہنچانے کے لیے اگر قربانی کی تو اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ میت کے مال میں سے اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے قربانی نہ کی ہو، ورنہ سارا گوشت صدقہ کرنا ہوگا۔

## مُرغ اور انڈے کی قربانی؟

**سوال:** بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مُرغ اور مُرغی کے انڈے کی قربانی ہو سکتی ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جُمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جو سب سے پہلے پہنچے گا وہ ایسا ہے جیسے اُونٹ کی قربانی کرے، پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے گائے قربانی کرے اور پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے مینڈھا قربانی کرے پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے مُرغی کی قربانی کرے اور پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے کوئی انڈے کی قربانی کرے اور بعض روایتوں میں چڑیا کا بھی ذکر آتا ہے۔

تو کیا اس حدیث کی رُو سے مُرغ اور مُرغی کے انڈے اور چڑیا کی قربانی کا جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**: حضرت شیخ محی الدین ابوزکریا ابن شرف نووی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت قَرَّبَ کے معنے تَصَدَّقَ کیے ہیں۔ دیکھو ص ۲۸۰ ج ا نووی فمعنی قَرَّبَ تَصَدَّقَ یعنی صدقہ کر دیا، قربانی کرنے کے معنی مُراد نہیں لیے۔

اسی طرح دُوسرے مسالک والوں نے یہی معنے کیے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان علماء کے نزدیک مُرغ، انڈا اور چڑیا وغیرہ کی قربانی کا کوئی جواز نہیں، ورنہ قرب کے معنی تصدق نہ کرتے اگر ان کے نزدیک مُرغ کی قربانی جائز ہوتی تو تصریح فرماتے۔

علامہ فتنی رحمہ اللہ نے مجمع البحار میں لکھا ہے کہ مرغی اور اس کے انڈے کا ذکر جو حدیث میں کیا گیا ہے یہ دونوں ہدی میں سے نہیں ہیں، کیونکہ ہدی اُونٹ ہوتا ہے اور گائے اور بھیڑ اور بکری کے ہدی ہونے میں اختلاف ہے۔ هما لیسا من الهدی وانما هو من الابل والبقر وفی الغنم خلاف تو اس کا جواب دیا کہ یہ عبارت ایسے ہے جیسے عرب کہتے ہیں اکلت طعاما وشرابا یعنی میں نے روٹی پانی کھا لیا۔ اور جیسے

عرب کہتے ہیں اتیت متقلد اسیفا و رمحا یعنی میں تلوار اور نیزہ کا قلادہ ڈال کر آیا۔ چونکہ کھانا کھایا جاتا ہے اور پانی پیا جاتا ہے کھایا نہیں جاتا، مگر اہل عرب اپنے محاورہ میں عطف کی صورت میں اکل کا اطلاق طعام اور شراب دونوں پر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح نیزہ کا قلادہ نہیں ڈالا جاتا، مگر محاورہ میں عطف کی صورت میں تقلد کا اطلاق تلوار اور نیزہ دونوں پر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّ مَاءً بَارِدًا یعنی میں نے اس کو بھس اور ٹھنڈے پانی کا چارہ دیا جب کہ پانی پیا جاتا ہے، چارہ نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:
ولہ ما سکن فی اللیل والنہار یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں تمام وہ چیزیں جو رات دن میں سکون لیتی ہیں۔ حالانکہ سکون تو رات میں ہوتا ہے اور دن میں تلاش رزق کے لیے ادھر ادھر پھرتے ہیں۔

اور احناف میں سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی جواب دیا اور تقدیر عبارت کی یوں بتائی ای یہدی کبشا و یصدق دجاجۃ ثم الذی یصدق بیضۃ۔
نیز یہ کہ مرغ کی قربانی مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ عالمگیری ص ۱۰۵ ج ۴ میں ہے۔

# قربانی پر اعتراض

بعض جُہلاء قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قربانیاں تو بے فائدہ جانوں کا مارنا ہے۔ اس سے کیا ثواب ہو سکتا ہے؟ سو اس کا الزامی جواب اس آیتِ قرآن میں ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ یعنی ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک طریقہ قربانی کا مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان چوپاؤں پر جو اللہ تعالے نے انھیں دیے ہیں (ذبح کرتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں۔

مرزا حیرت علیہ الرحمۃ نے مترجم قرآن پاک کے حاشیہ ص ۴۴۱ میں لکھا ہے کہ یعنی یہ کچھ اسلام کی تخصیص نہیں، چنانچہ اب تک کتب سابقہ میں قربانی کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ ہنود کے ہاں بھی قربانی کا دستور تھا جیسا کہ ان کی اگلی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ایک رسالہ خاص اس باب میں شائع ہو چکا۔

لیکن مُشرکین نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لیے جنھیں وہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے نائب اور مُختار و متصرف سمجھتے تھے، اُن کے نام پر قربانیاں، نذریں اور مَنّتیں ماننی شروع کر دی تھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیجیے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کہ حقیقت یہ ہے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو سارے جہان کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں سب سے پہلا حکم بردار ہوں۔

اس آیت میں قربانی کے لیے لفظ نُسُکْ کا استعمال کیا گیا ہے۔ احکام القرآن جصاص کے ص ۳۴ ج ۳ میں بھی نسک سے مراد قربانی ہی لی گئی ہے۔

نیز سورت الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ یعنی اپنے رب کے لیے ہی نماز پڑھ اور صرف اسی کے لیے ہی قربانی کر۔

اس کی تفسیر میں حضرت امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے احکام القرآن ص ۱۹۷۴ ج ۴ میں تحریر فرمایا ہے: فاعبد لربك ولا تعبد لغيره وانحر له ولا تنحر لسواه من الاصنام و الاوثان و الانصاب حسبما كان عليه العرب و قريش فى جاهليتها یعنی صرف اپنے رب

کی عبادت کر اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کر اور اسی کے لیے قربانی دے اور اس کے سوا کسی اور کی قربانی نہ دے، نہ بتوں کی نہ مورتیوں کی اور نہ تھانوں میں؛ جیسا کہ عرب کے مشرک اور زمانۂ جاہلیت میں قریش کیا کرتے تھے۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ کے مترجم قرآن پاک مطبوعہ دہلی کے آخر میں مولانا بشیر الدین احمد خلف مترجمؒ نے الفاظ و محاورات کی فرہنگ کا اضافہ کیا ہے۔ اس فرہنگ کے ص ۱۲ پر لفظ تھان کے تحت لکھتے ہیں: **تھان** اصل معنے گھوڑے کی بندھنے کی جگہ کے ہیں، ٹھکانا، مقر، کسی دیوتا کی سمادیا استھان وہ مقام جس کو لوگ متبرک سمجھ کر خدا کے سوا دوسروں کی نذر و نیاز چڑھاتے ہیں، مزار، درگاہ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اور کفار اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی کیا کرتے تھے، اسی لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے سے پہلے یہ عبارت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور خود بھی یہی عبارت پڑھا کرتے تھے۔

فقہاء کرامؒ نے بھی قربانی کو اسلام میں بہت بڑا اہم حکم بتایا ہے اور اس کے قائم مقام صدقہ وغیرہ میں سے کوئی چیز

نہیں ہو سکتی۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۶۶ ج ۵ میں علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: لایقوم غیرھا مقامھا حتیٰ لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا فی الوقت لایجزئہ من الاضحیۃ لان الوجوب تعلق بالاراقۃ یعنی قربانی کے سوا کوئی چیز قربانی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر اس نے خود بکری یا اس بکری کی قیمت قربانی کے دنوں میں صدقہ کر دی تو یہ قربانی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی، کیونکہ قربانی کا وجوب جانور کا خون بہانے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح شامی ص ۲۲۰ ج ۵ اور عالمگیریہ ص ۳۴۶ ج میں بھی فتاویٰ درج ہیں بخوف طوالت یہاں ان کتابوں کی عبارت تحریر نہیں کی جا رہی ہے۔

نیز ایثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا قربانی کی اصل رُوح ہے اور یہ جذبہ جانور کا خون بہانے سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جس جانور کو اپنے گھر رکھا ہو اور سال بھر بڑے پیار سے اس کو پالا ہو، اور بیماری میں اس کا علاج کیا ہو اور کھلانے کے لیے عُمدہ چارہ پینے کے لیے صاف اور تازہ پانی، اور اس کے آرام و رہائش کے لیے موسم کے مُطابق جگہ مہیّا کی ہو، اس کی جسمانی صحت

وصفائی کا خاص سے خیال رکھا ہو، اپنے بچوں سے زیادہ اس کا دھیان رکھا ہو، پھر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے زمین پر لٹا کر اس پیارے جانور کی گردن پر چھری رکھ کر اپنے ہی ہاتھ سے بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھتا ہوا ذبح کر رہا ہو۔ بھلا ایسا جذبۂ صادق محض صدقہ دینے میں پیدا ہوسکتا ہے۔ نیز بے جان چیز کا تو بدل بھی ہوسکتا ہے کہ خدانخواستہ اگر وہ ضائع یا گم یا چوری ہو جائے تو اسی طرح کی دُوسری چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن جاندار چیز کی کوئی دوسری، جاندار یا بے جان چیز بدل نہیں ہوسکتا، ہاں البتہ اس کا معاوضہ ضرور ہوسکتا ہے، جیسا کہ خدانخواستہ کوئی شخص جس پر قربانی واجب ہو اور کسی وجہ سے قربانی کے ایام میں جانور ذبح نہ کرسکے تو صدقہ دینا واجب ہوگا۔

## قربانی کو عبث سمجھنے والے

لوگوں کا کہنا ہے کہ جتنا روپیہ قربانیوں پر ضائع کیا جاتا ہے وہی روپیہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف کرنا چاہیے۔ کیا وہ لوگ دُوسرے فضول کاموں میں روپیہ ضائع کرنے والوں کو نہیں سمجھا سکتے؟

## سگریٹ نوشی

کے بارے میں اس وقت کے صحیح اعداد و شمار کا تو علم نہیں البتہ چند سال پہلے کی ایک

سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان میں روزانہ پانچ کروڑ
کی سگریٹیں پھونک دی جاتی ہیں۔ یعنی اوسطاً ایک کھرب
روپیہ اسّی ارب پچیس کروڑ (۱۸۰۲۵۰۰۰۰۰۰۰) روپے سالانہ
دھوئیں میں اُڑا دیے جاتے ہیں۔

سگریٹ نوشی اور دولت کی بربادی ملک خداداد اسلامی
جمہوریہ پاکستان کی حکومت کی خصوصی اجازت سے ہو رہی ہے
اور اس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس
وقت آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس فعلِ قبیح میں بھی کم
از کم ڈیڑھ گنا اضافہ ہو چکا ہو۔ نیز اس کام کے لیے جس قدر
محنت ہوتی ہے یا اشتہار بازی کی جاتی ہے، ریڈیو، ٹی وی،
اخبارات و جرائد کے ذریعے اس کی تشہیر جس پیمانے پر ہوتی
ہے ہر باشعور شہری اس سے باخبر ہے۔

کیا یہ کھربوں روپے رفاہِ عامہ اور تعلیمی مصارف کے لیے
استعمال نہیں ہو سکتے۔ پھر اسی سگریٹ سے متعلق دوسری کئی
نشہ آور اشیا مثلاً چرس اور ہیروئن وغیرہ کے استعمال سے کیا
دولت اپنے صحیح مصرف میں خرچ ہوتی ہے؟

پھر افیون ہے اور اس کی کئی دیگر مصنوعات و اقسام ہیں،
اسی طرح بھنگ، شراب، حقہ نوشی، نشہ آور ٹیکے اور دیگر گولیاں

اور کیپسول اور سیرپ وغیرہ۔ پھر جُوا، چکلے، کُتوں کی ریس، راگ رنگ، ناچ گانا، سینما، ہاکی، کرکٹ وغیرہ۔ نیز چڑیا گھروں کے اندر جانوروں کو قید کرنے کے لیے اربوں روپے کے اخراجات کرنا پھر ان جانوروں کی خوراک، صفائی، علاج مُعالجہ اور ملازمین کی تنخواہیں، نیز اخلاق سوز لائبریریوں میں گندے ناول، افسانے وغیرہ بلکہ حالیہ چند برسوں میں تو حد ہی ہوگئی ہے کہ ٹیپ ریکارڈر، گانوں کی کیسٹیں، وڈیو کیسٹیں، وی سی آر، وڈیو گیمز وغیرہ نیز شادی بیاہ، منگنی، ختنہ، اور دیگر تقاریب میں فضول خرچی ڈھولک اور ڈھول، بینڈ باجے، فحش گانوں کی ریکارڈنگ، ہوٹلوں، ریستورانوں، دفتروں، دکانوں، ہوائی جہازوں، بسوں، ٹرکوں، ویگنوں، کاروں، ٹیکسیوں، رکشاؤں، ٹانگوں حتیٰ کہ گدھا گاڑیوں (یعنی کھوتا ریڑھیوں) بلکہ فروٹ چاٹ، نیز دہی بھلوں اور گول گپوں کی ریڑھیوں پر بھی ریکارڈنگ ہوتی ہے، اور آج کل تو پاپ میوزک اور ڈسکو نے مسلمانوں کی نئی نسل کو اخلاقی لحاظ سے یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں، سکھوں اور بے دین دہریوں کے برابر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے کام ہیں جن میں قومی عزت و دولت کا مسلسل ضیاع ہو رہا ہے۔ مثلاً گھڑ دوڑ، نیزہ بازی، دنگل،

شترناچ، ریچھ کتے کی لڑائی، تیتر، بٹیر اور مرغوں کی لڑائی، اور
موت کے کنویں، تھیٹر، سرکس و دیگر فضولیات میں وقت اور
روپیہ ضائع و برباد ہو رہا ہے۔ پھر تہواروں کے مواقع پر اور دیگر
تقاریب اور جلسوں میں حاجت سے زیادہ روشنی و چراغاں کرنا
بجلی کا ناجائز اور زائد از ضرورت استعمال۔ نیز اپنے بزرگوں
کی قبروں کو پختہ کرنا، ان پر چراغ جلانا، قبروں پر عالی شان اور
بلند ترین گنبد بنانا، قبروں کے ارد گرد بڑے بڑے اور خوبصورت
باغیچے بنانا، پھر ان کی حفاظت کے لیے ملازمین رکھنا اور انھیں
تنخواہیں دینا، پھر زائد المیعاد ہونے پر ان کی مرمت پر روپیہ پیسہ
برباد کرنا، نیز سونے اور چاندی کے دروازے بنا کر مزارات میں
نصب کرنا۔ قبروں پر پھولوں کی چادریں اور ہار چڑھانا، غیر اللہ
تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کرنا وہاں پر نذر و نیاز دینا، اللہ تعالیٰ
کی مسجدوں کو غیر آباد اور مزاراتِ اولیاء اللہ کو آباد کرنا، خلافِ
شرع قوالیاں گانا، اور حال کھیلنا پھر قوالوں اور حال کھیلنے والوں
کو رقوم دینا، حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام علیؓ اور سیدہ
فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نیاز دینا، نذر اللہ
اور نیاز حسینؓ، پنج تن پاک، پیرِ دستگیر کے نام پر مانگنے والوں کو
دینا، پھر دوسری طرف کھیل تماشوں میں پیسے برباد کرنا کرکٹ

وغیرہ کے لیے لاکھوں روپوں سے انتظامات کرنا، پھر ان کھیلوں کو براہِ راست ٹی وی پر دکھانا، فخریہ طور پر اُونچے اُونچے مکان بنانا، اور طرح طرح کے ڈیزائن بنوانا، نیز سُرخی پاؤڈر ناخن پالش وغیرہ پر فضول پیسے اُڑانا، فیشنی بال کٹوانا، لڑکیوں اور عورتوں کا بال کٹوانا، مردوں کا ڈاڑھی منڈوانا یا کترانا، سونے کے دانت بنوانا، مردوں کا سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہننا، سچے تلے کی جوتی پہننا، حد سے زیادہ مہر مقرر کرنا اور پھر ادا نہ کرنا، قومی لباس کو چھوڑ کر مہنگا غیر قوموں کا لباس پہننا، یورپ سے "اعلیٰ نسل" کے کُتے لانا اور انھیں خالص گھی، مکھن، دُودھ وغیرہ پلانا جبکہ اشرف المخلوقات کے لیے خالص اشیاء نایاب ہیں، پھر ان کی خدمت اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر کرتے ہیں۔

اسی طرح اور بے شمار فضول خرچیوں کی مثالیں مزید پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر یہ تمام فضول خرچیاں بند کر دی جائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارا ملک خوشحال ہو جائیگا۔ کیا یہ سارا نزلہ اسلامی احکام پر ہی گرنا چاہیے۔

○
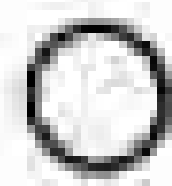
# إِزالةُ الخفاء

عن

# صلوٰة الجنازة بالإخفاء

یعنی

## نمازِ جنازہ پست آواز سے پڑھی جائے

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد ایک استفسار ملا جس میں تھا کہ بعض لوگ نماز جنازہ میں ثنا، درود اور دعائیں بلند آواز سے پڑھتے ہیں دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا تبھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے سن سن کر وہ دعائیں یاد کر لیتے تھے

سو اس کا جواب لکھ کر مستفتی کو بھیج دیا گیا۔ خیال آیا کہ وہ جواب طبع کرا کر شائع کر دیا جائے تاکہ دوسروں تک حق بات پہنچ جائے

سو اصل مسئلہ قرآن و حدیث کی رو سے یہ ہے کہ سوا ان مقامات کے جہاں نبی کریم نے جہر کا حکم فرمایا اور وہاں شرعاً جہر مطلوب ہے، ہر ذکر اور دعا پست آواز (مخافتۃً) سے پڑھنا سنت ہے۔ مثلاً اذان، اقامت، تکبیراتِ انتقال اور تسمیع امام کے لیے، سلام کہنا امام کا، خطبہ دینا خطیب کا، تلبیہ کہنا حاجیوں کا، وعظ و نصیحت اور تعلیم کے لیے بلند کرنا آواز کا شرعاً مطلوب ہے۔ ان کے ماسوا اذکار و ادعیہ میں اخفا ہی اصل ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اے لوگو! اپنے پروردگار سے گڑگڑا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو۔

نیز فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ اپنے جی ہی جی میں گڑگڑا گڑگڑا کر اور ڈر ڈر کر، اور بہت زور کی آواز سے نہیں بلکہ دھیمی آواز سے صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرتے رہو اور اس کی یاد

سے غافل نہ رہو

اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سراہا نادیٰ رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا انہوں نے اپنے رب کو دبی آواز سے پکارا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے خیر الذکر الخفی بہتر ذکر مخفی ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ نمازی نماز میں اپنے رب سے باتیں کرتا ہے تو نمازی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ اس کی بات کس ہستی کے ساتھ ہے۔ اسے ایک دوسرے سے آواز بلند نہ کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن انیس رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیب کے قریب نماز پڑھی پھر آخری رکعت کے بعد میں با آواز بلند دعا کی تو سعید نے مجھے ڈانٹ دیا جاتے وقت میں نے ڈانٹنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ تو نے کیا سمجھا ہے کہ اللہ ہم سے قریب نہیں (مصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۸ جلد ۲)

بنو تمیم کے کسی دیہاتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے کہا اللھم ارزقنی مالاً و ولداً (اے اللہ مجھے مال اور اولاد دے) تب یہ آیت اتری وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی چلا کر دعا مت کرو۔ (مصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۴۱)

حضرت عائشہ صدیقہ، ابراہیم، عطاء، ابن عیاض، ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے اتری ہے (مصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۴۱)

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حالت میں پایا کہ جب ذکر میں اور قرآن کریم پڑھتے وقت اور لڑائی

کے وقت پست آواز کو پسند کرتے تھے اور ہمارا اپنا مسلک بھی یہی
ہے (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۵۳)

حسن بصریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صحابہ کرامؓ دعاء کرنے میں خوب محنت
کرتے تھے اور سوائے بھس بھس کے کچھ سنائی نہ دیتا (مصنف ابن ابی شیبہ
جلد ۲ صفحہ ۴۸۰)

اسی لیے محدث نوویؒ نے فرمایا یُسِرُّ بِالدُّعَاءِ بِلَاخِلَافٍ اس میں کچھ
اختلاف نہیں کہ دعاء دھیمی آواز سے مانگی جائے (نووی شرح صحیح مسلم
ج۱ ص۲۱۱ و ج۱ ص۲۱۲ و ج۱ ص۲۱۵)

توضیح کے محشی فرنگیؒ نے صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے الاصل فی الدعاء الاخفاء
دعاء مانگنے کا اصول یہ ہی کہ خفیہ طور پر ہو

مرقاۃ ج۲ ص۳۵۷ میں ملا علی قاریؒ نے لکھا وَلَیْسَ الْاَسْرَارُ فِی سَائِرِ
الْاَذْکَارُ اَیْضًا اِلَّا فِی التَّلْبِیَۃِ وَالْقُنُوْتِ لِلْاِمَامِ وَتَکْبِیْرِ لَیْلَتَیِ الْعِیْدِ۔ تلبیہ
میں اور امام کو قنوت نازلہ پڑھنے اور تکبیراتِ عیدین (و تکبیرات انتقال
واذان واقامت وجہری قراءۃ جہری نمازوں کے سوا تمام اذکار کو پست
آواز سے پڑھنا ہی مسنون ہے

ہدایہ صفحہ ۱۲۵ میں ہے کہ دعا قنوت میں اخفاء ہی مختار ہے کیونکہ یہ دعا ہے
ہدایہ صفحہ ۵۵ میں ہے بناہ علی الاخفاء دعاء کی بنیاد ہی اخفاء پر ہے۔
سباحۃ الفکر صفحہ ۹ میں مولوی عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے تعوذ دعا
ہے اس میں سب علماء متفق ہیں کہ اس کا اخفاء مستحب ہے

تفسیر رازی ۱۳۰ میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خفیہ
دعاء کا مرتبہ ستر بار علانیہ دعا کرنے کے برابر ہے۔

کبیری ص۳۰۲ میں امام حلبی نے لکھا ہے کہ اصل یہ ہے کہ دعا خفیہ مانگی جائے۔ ابن نجیم رح نے بھی بحر الرائق ص۳۴۳ ج۱ میں لکھا ہے کہ تمام اذکار کی اصل یہی ہے کہ خفیہ کیے جائے

فتح القدیر ص۴۳۲ ج۱ اصل تمام اذکار میں اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔

فتاوٰی برہنہ ص۲۹۴ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا ہے کہ ذکر میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور ص۳۳۱ میں کہا بلند آواز سے دعاء مانگنا بدعت ہے۔ نیز کہا مجلسِ وعظ میں جماعت کے ساتھ بلند آواز سے دعاء کرنا بدعت ہے۔

مکتوبات ص۳۳۴ ج۱ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے لکھا ذکرِ جہر بدعت است۔ ص۲۴۶ ج۱ میں لکھا منع از جہر می کنند کہ بدعت است۔ اور ص۱۷ ج۱ و ص۳۲ ج۱ میں لکھا اکابر این طریقۂ علیہ (نقشبندیہ) از ذکرِ جہر اجتناب فرمودہ اند۔

فتاوٰی قاضی خان ص۹۱ ج۱ میں ہے ذکر بآواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

سباحۃ الفکر ص۱۵ میں مولوی عبدالحی رح نے لکھا ہے کہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ نماز کے بعد جہر سے اللہ اکبر کہنا سوائے یوم عرفہ و نحر و باقی ایام تشریق کے مکروہ اور بدعت ہے۔

بدائع صنائع ص۲۰۲ و ص۲۸ و ص۲۷ میں کاسانی رح نے لکھا ہے والجہر بالاذکار بدعۃ

ہدایہ ص۳۰ میں ہے عبادت کے لائق یہی ہے کہ خفیہ کی جائے

مواہب الرحمٰن ص۱۴۴ ج۴ میں ابن جریر کے حوالہ سے لکھا کہ آواز دعا میں

بلند کرنا اور چیخ و پکار مکروہ تحریمی ہے۔

یہ مسئلہ اپنے مقام پر ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہ
نسائی کے حاشیہ مطبوعہ صفحہ ۲۸۱ میں شیخ الاسلام علامہ عینی رح کے حوالے
سے لکھا ہے کہ ابن بطال محدث نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں قرآن پاک نہ پڑھنے
والے اور منکر صحابہ کرام رضی میں سے عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب و
عبداللہ بن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم تھے اور تابعین میں سے طاؤس عطاء
سعید بن المسیب ابن سیرین سعید بن جبیر شعبی اور حکم تھے۔ اور مالکیہ
کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ صفحہ ۱۷۴ میں لکھا ہے کہ فضالہ بن عبید جابر
بن عبداللہ واثلہ بن الاسقع (صحابہ میں سے) اور قاسم بن محمد و سالم بن عبداللہ
و شعبیہ و یحییٰ بن سعید (تابعین میں سے) نماز جنازہ میں قراءۃ نہ کرتے تھے
نیز ابن منذر نے کہا کہ مجاہد و حماد و ثوری کا بھی مسلک ہے اور امام مالک
نے فرمایا کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ
پڑھنے کا کوئی معمول نہیں ہے

اور بعض صحابہ کرام رض و تابعین رح نماز جنازہ میں سورۃ پڑھنے کے قائل ہیں
جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رض والو امامہ بن سہل بن حنیف جو کبار و علما
صحابہ میں سے اصحاب بدر کے ابنا میں سے تھے۔ حبیب بن مسلمہ۔ شافعی،
احمد بن محمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ

مگر جو قراءۃ فاتحہ کے قائل ہیں وہ بھی جہراً پڑھنے کے ہرگز قائل نہیں
چنانچہ سنن نسائی صفحہ ۲۸۱ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے
کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد مخافتۃ (چپکے چپکے) ام القرآن (سورۃ
فاتحہ) کا پڑھنا سنت ہے اس کے بعد تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے بعد

## سلام پھیرے

بدایۃ المجتہد ص ۲۳۶ میں علامہ ابن رشدؒ نے ابن شہاب زہریؒ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابو امامہؓ کی یہ بات محمد بن سوید فہری کے آگے ذکر کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے ضحاک بن قیس سے سنا کہ وہ حبیب بن مسلمہ سے بھی نماز جنازہ کے متعلق اسی طرح بیان کیا جس طرح ابو امامہؓ نے آپ کو بیان کیا۔

اسی واسطے امام نووی محدث شارح صحیح مسلم ص ۳۱۱/۱ میں لکھتے ہیں کہ وقد اتفق اصحابنا علی انہ ان صلی علیہا بالنہار اسر بالقراءۃ وان صلی باللیل ففیہ وجہان۔ الصحیح الذی علیہ الجمہور یسر۔ والثانی یجہر۔ واما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف۔ یعنی ہمارے تمام اصحاب (امام شافعیؒ کے مسلک پر چلنے والے) اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ جو دن میں پڑھا جائے اس میں تو پست آواز سے قراءۃ کی جائے۔ اور اگر رات میں نماز جنازہ ادا کی جائے تو اس میں دو خیال ہیں۔ جو صحیح خیال ہے جس پر جمہور علما ہیں وہ یہ ہے کہ رات کی نماز جنازہ میں بھی پست آواز سے قراءۃ کی جائے۔ اور دوسرا خیال یہ ہے کہ جہر (اونچی آواز) سے قراءۃ کی جائے۔ یہ تو ہوئی قراءۃ کی بات۔ لیکن جنازہ کی نماز میں جو دعا مانگی جائے وہ تو پست آواز سے ہی مانگی جائے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے۔

اسنی المطالب شرح روض الطالب ص ۳۱۹/۱ میں امام شیخ الاسلام زکریا الانصاری الشافعیؒ نے نماز جنازہ میں جو امور فرض ہیں ذکر کیے پھر مسنون امور ذکر کیا ان میں سے ایک سنت چیز یہ ذکر کی کہ فاتحہ کی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ سنت ہے جیسے فاتحہ کے بعد آمین

کما سنت ہے پھر لکھا کہ سنتوں میں سے ایک سنت یہ بھی ہے کہ اگرچہ نماز جنازہ رات کو ادا کی جا رہی ہو سورۂ فاتحہ پست آواز سے پڑھے کیونکہ حضرت ابو امامہ رض کی حدیث موجود ہے۔ آگے چل کر شارح نے فرمایا کہ سرًّا پڑھنے کے بارے جو مصنف رح نے کلام کیا ہے اس میں تعوذ، قراءۃ، درود اور دعائیں سب ہی شامل ہیں۔ آگے فرمایا کہ تکبیرات اور سلام جہراً کہنے میں سب علماء کرام کا اتفاق ہے۔

بدایۃ المجتہد صـ۲۳۱ میں علامہ ابن رشد رحنے لکھا ہے ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سرًّا فی نفسہٖ پھر دل میں سرًّا سورۂ فاتحہ پڑھے

ابن قدامہ حنبلی رحنے الکافی صـ۲۶۱ میں لکھا کہ نماز جنازہ میں سات سنتیں ہیں۔۔۔۔ تیسری سنت یہ ہے کہ قراءۃ سرًّا کرے کیونکہ رسول اللہ صلعم بھی سرًّا ہی قراءۃ کرتے تھے

الروض المربع شرح زاد المستقنع صـ۳۴۲ میں امام منصور بن یونس البہوتی حنبلی رح نے لکھا۔ نماز جنازہ میں تعوذ اور بسم اللہ کے بعد سورۂ فاتحہ پست آواز سے پڑھے اگرچہ رات کا وقت ہو

نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج صـ۴۷۵ میں امام شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ بن شہاب الدین الرملی المتوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر نے لکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور دعاء کا پست آواز سے یعنی سرًّا پڑھنا سب کے نزدیک مندوب ہے سب کا اس پر اتفاق ہے۔ اور تکبیر و سلام بلند آواز سے کہنے پر سب نے اجماع اور اتفاق کیا ہے

بنایہ صـ۱۰۰ میں علامہ عینی رح نے لکھا ہے کہ تجنیس میں لکھا ہے کہ

نماز جنازہ میں حمد و ثنا، درود اور دعاؤں میں سے کوئی بھی جہراً نہ پڑھے کیونکہ یہ تمام کام ذکر ہیں اور ذکر میں اخفاء ہی اولیٰ ہے

# ایک شبہ کا جواب

اب رہی وہ حدیث جس سے بادی النظر میں (بظاہر) یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند دعا مانگی تھی جیسے صحیح مسلم ص۳۱۱ میں حضرت عوف بن مالک رضی کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر دعاء مانگی جسے میں نے یاد کر لیا اور اس دعا سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں یہ آرزو کرتا رہ گیا کہ کاش یہ میت میں ہوتا

اس حدیث کے تحت محدث نووی نے بھی کہہ دیا کہ فیہ اشارۃ الی الجہر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ واقعی اس حدیث میں نماز جنازہ میں جہراً دعاء مانگنے کی طرف اشارہ ملتا ہے

اور آج کے مدعیانِ حدیث اس حدیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں سو اس کا جواب دینے سے پہلے میں ایک سوال آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آج کے مدعیانِ حدیث ہم مقلدین ابی حنیفہؒ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حنفی لوگ گمراہ ضال اور مضل ہیں کیونکہ یہ حنفی لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو نہیں مانتے بلکہ فرمان نبوی کے خلاف اپنے امام کی مانتے ہیں مگر یہ بڑے بڑے اساطین علم حدیث امام نووی وغیرہ محدثین کے بارے آپ کا کیا فتویٰ ہے جو صریح صحیح حدیث اظہر من الشمس کے ہوتے ہوئے اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں

الا الدعاء فیستر بہ بلا خلاف یعنی نماز جنازہ کی دعاؤں میں کسی کا اختلاف نہیں بلکہ سب علماء محدثین بیک زبان کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی دعاء سترا یعنی پست آواز سے مانگی جائے ۔ کیا یہ علماء نبی اکرم صلعم کے عمل کی خلاف مخالفت کر کے حنفیوں کی طرح گمراہ ضال مضل ہوتے یا نہ ۔ اگر یہ بھی ہم حنفیوں کی طرح گمراہ ہیں تو صرف حنفیوں پر یہ بندوق کیوں چلتی ہے ان تمام کو مورد عتاب کیوں نہیں بنایا جاتا ۔ اور صرف حنفیوں کی کتب کے بارے کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ کوئی دین اسلام کی کتابیں نہیں ہیں جیسا کہ فتاوی ستاریہ جلد ۱ ص ۹۳ میں شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا الحافظ الحاج ابو محمد عبد الستار صاحب دہلوی مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ

"شامی کوئی دین اسلام کی کتاب نہیں جو قابل حجت ہو سکے"

بلکہ اگر آپ حق گو ہیں تو صاف اعلان کر دو اور پاک و ہند سعودی عرب و تمام اسلامی ممالک میں پوسٹر چھاپ کر دیواروں پر لگا دو کہ یہ جس قدر حنفی شافعی مالکی حنبلی مقلد ہیں یہ سب گمراہ ضال مضل ہیں ان کی کوئی کتاب دین اسلام کی کتاب نہیں جو قابل ہو سکے ۔

اور آپ کو چاہیے کہ احادیث کی کتب معتبرہ بغیر حاشیہ اور شرح کے اپنے پاس رکھیں اور بغیر کسی کتاب سے امداد لینے کے اپنے ذہن رسا سے مطلب لو

اور اگر یہ شارحین باوجود مقلد ہونے کے ایسے ہیں کہ شرح احادیث میں ان کا قول مسلّم اور مانا ہوا ہے وہ اگر کسی عام کو خاص اور مطلق کو مقید یا حقیقی معنے کی بجائے مجازی معنے کر لیں یا کسی حدیث کو اسلام کے ابتدائی دور پر محمول کریں یا منسوخ کہیں وغیرہا من التاویلات تو حنفیہ کیوں گمراہ

اور ضال مضل ہیں۔ یہ آپ لوگوں کی یک طرفہ ڈگری بے اصول ہے
اب آئیے علماء شوافع وحنابلہ نے اس حدیث کے جواب دیے ہیں وہ
انابت کے کان لگا کر سنیے وباللہ التوفیق فی التحقیق والتدقیق۔
نووی محدث شافعی نے ص۱۳۲ ج۱ میں کہا وحینئذ یتاول ہذا الحدیث
علی ان قولہ حفظت من دعاوہ ای علمنیہ بعد الصلوٰۃ فحفظتہ۔ یعنی
جب اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نماز جنازہ کے اندر کی دعا
سراً مانگی جائے تو اس وقت اس حدیث کا مطلب یوں لیا جائے گا
کہ حضرت عوف بن مالک کا حفظت من دعاوہ کہنے سے ان کی یہ مراد
ہے کہ نماز جنازہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ دعا
سکھا دی تب میں نے اس کو حفظ کر لیا۔
اسی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ انہ جہر
بالقراءۃ سو اس کا جواب اسنی المطالب ص۳۱۹ ج۱ میں زین الدین یحییٰ
زکریا انصاری شافعی رحمہ نے اس طرح دیا بان خبر ابی امامۃ اصح منہ۔
یعنی عبداللہ بن عباس کی حدیث سے ابو امامہ کی حدیث زیادہ صحیح
ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد انما جہرت
لتعلموا انہا سنۃ کا مطلب صاحب المجموع نے یہ بیان کیا کہ لتعلموا
ان القراءۃ مامور بہا یعنی میں نے سورۂ فاتحہ با آواز بلند اس واسطے
پڑھی ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ
پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں بلند
آواز سے پڑھنے کا حکم ہے۔ اگر آپ کا ہر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ
پڑھنے کا معمول ہوتا تو آپ کو یہ بات کہنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اور حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری محدث حنفی رحمہ نے فرمایا ہے
کہ امام مالک و امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا
واجب نہیں۔ اور اگر کوئی پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ تجرید قدوری
میں ہے کہ سورۃ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا نہ مکروہ ہے اور نہ واجب۔
اور امام شافعی نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے
اور شرنبلالی نے رسالہ الاتباع فی مسئلۃ الاستماع میں لکھا کہ نماز جنازہ میں
ثنا کی نیت سے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں
ہے کہ سلف میں سے بعض نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور بعض
نہ پڑھتے تھے۔ پھر شافعیہ کا تمسک نسائی میں نقل کردہ عمل ابن عباس سے
ہے کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ نماز جنازہ میں باآواز بلند پڑھی اور نماز سے
فارغ ہوکر فرمایا کہ میں نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اس لیے بلند آواز کر
پڑھی تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ یہ بھی ماثور رہا ہے
پھر فرمایا بیشک یہ روایت ہے مگر اس کے معارض ابن حدیث سے
قوی سند کے ساتھ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور عمرو بن شیبہ نے اخبار
المدینۃ و مکہ میں نقل کی ہے کہ ابوحمزہ راوی نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ
سے پوچھا کہ خانہ کعبہ میں کیسے نماز پڑھوں تو آپؓ نے فرمایا جیسے نماز جنازہ
میں تو پڑھتا ہے کہ تو تسبیح و تکبیر پڑھتا رہ الخ
اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثبوت نہیں ملتا کہ نماز
جنازہ میں آپ سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (عرف شذی تحت الترمذی ص ۱۹۹)
علماء نے نماز جنازہ میں اور مذہب بھی بتائے ہیں چنانچہ حسن بصریؒ
فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے بعد صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

اور حضرت حسن بن علی نے فرمایا کہ تین تکبیروں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے
اور حضرت مسور بن مخرمہ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ بھی پڑھی جائے اور
اس کے ساتھ کوئی چھوٹی سی سورۃ بھی پڑھی جائے۔

بنایہ صفحہ ۱۰۹۹/۲ میں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ترمذی نے کہا ہے کہ جابر
اور ابن عباس کی حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے (یعنی جس میں ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں قراءۃ فاتحۃ الکتاب کی تھی
اس کا اسناد قوی نہیں (دیکھو ترمذی صفحہ ۱۹۹)

رہی وہ حدیث جس میں ابن عباس نے فرمایا انہ من السنۃ او من تمام
السنۃ تو وہ حدیث حسن صحیح ہے مگر من السنۃ کے لفظ میں سے یہ قطعی فیصلہ
نہیں کیا جا سکتا کہ صحابی رض کا قول "من السنۃ" مرفوع ہی پر بولا جاتا ہے
گو اہل اصول نے لکھا ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بسا اوقات ہم نے
ایسا بھی پایا ہے کہ صحابیؓ من السنۃ کا لفظ کہتا ہے مگر اس کے تحت مرفوع
حدیث نہیں ہوتی بلکہ اس صحابی رض کا استنباط (اجتہاد) ہوتا ہے۔

تو جب یہ لفظ محتمل ہے تو اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ
ایک مسلمہ اصول ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

اور پہلی حدیث کا ایک اور جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ ایک واقعہ جزئیہ
ہے جو کسی موقعہ پر آپ نے بیان جواز کے لیے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ
لی ہوگی۔ مگر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا عام معمول نہ تھا۔ اور سنت
نام ہے آپ کے معمول کا۔ ایک دو بار سے سنت نہیں بنتی فعلہ مرۃ وترکہ
اخریٰ فلم یکن سنۃ (ہدایہ) اور سنت کی تعریف علماء اصول نے یہ کی ہے
السنۃ ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب

یہاں ایک اور سوال بھی ہے جس کا جواب دینا سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مسلم ۲۱۷ و بخاری ص میں ابن عباسؓ کا فرمان نقل ہے کہ عہد رسالت میں فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگ باواز بلند ذکر کرتے تھے اور میں سن کر معلوم کر جاتا تھا کہ نماز باجماعت ہو چکی

اس کے حاشیہ پر محشی نے لکھا کہ بعض سلف کی یہ دلیل ہے جو فرض نماز کے بعد تکبیر و ذکر بلند آواز کے ساتھ پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں اور متاخرین میں سے ابن حزم ظاہری بھی اس عمل کو مستحب سمجھتے ہیں

اس کا جواب مختلف علماء نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔

علامہ نووی محدث نے تو یہ جواب دیا ہے کہ ابن بطال اور دیگر علماءؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حنفی مالکی شافعی حنبلی تمام مذاہب وغیرہ جن کے لوگ اتباع کرتے ہیں سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذکر و تکبیر باواز بلند پڑھنا کوئی مستحب امر نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ آپ کا یہ جہری ذکر تھوڑے سے وقت کے لیے تھا۔ ہمیشہ اور دائمی معمول نہ تھا۔

اس لیے میں اس بات کو مختار سمجھتا ہوں کہ فرض نماز سے فارغ ہو کر امام اور مقتدی دونوں اللہ تعالیٰ کا ذکر خفیہ خفیہ کریں۔ ہاں البتہ تعلیم دینا مقصود ہو تو امام بلند آواز سے ذکر کرے۔ جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ مقتدی سیکھ گئے ہیں تو اس کے بعد پست آواز سے ذکر کرے۔ اور اس حدیث کا محمل بھی امام شافعیؒ نے اسی بات کو بنایا کہ آپؐ کا ذکر بالجہر تعلیم کے لیے تھا۔

مشکوٰۃ ۸۸ میں محشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی مراد بیان کرنے میں علماء نے کئی قول کہے ہیں۔ بعض نے تو یہی مطلب سمجھا ہے کہ فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر ہی مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث میں فرض نماز کے

بعد والا ذکر مراد نہیں بلکہ اثناء نماز میں ہر اونچ نیچ میں جو تکبیرات امام بآواز بلند کہتا ہے وہ تکبیرات مراد ہیں اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ تکبیریں سن کر میں پہچان جاتا تھا کہ نماز میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ پہلی ہیئت ختم ہو گئی ہے۔ یہ جواب محدث طیبی نے دیا ہے

اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس تکبیر سے مراد وہ تسبیح و تحمید کے ساتھ والی ہے جو چونتیس دفعہ پڑھی جاتی ہے اور تسبیح ۳۳ دفعہ اور تحمید ۳۳ دفعہ (جس کو تسبیح فاطمی سے آج کل تعبیر کیا جاتا ہے)

اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ نماز کے بعد آپؐ ایک بار یا تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے۔

اور قاضی عیاض رحمہ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بچے تھے آپؓ نماز باجماعت میں ہمیشہ حاضر باش نہ ہوتے تھے اور نہ اس پر آپؓ مواظبت فرماتے تھے

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ آخری صفوں میں کھڑے ہوتے ہوں

اور بعض علماء نے فرمایا کہ دراصل ابن عباسؓ حج کے ایام میں منٰے کے اندر ایام تشریق کی تکبیرات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ایام تشریق میں بعد از نماز فرض باآواز بلند تکبیرات تشریق کہی جاتی تھیں (اور مجمع ایک لاکھ سے زیادہ تھا۔ سب نے تکبیرات تشریق کہیں تو میں اپنے ڈیرے پر ہوتا۔ آواز تکبیروں کی سن کر میں سمجھ جاتا کہ اب باجماعت نماز ختم ہو چکی ہے

حضرت شیخ عبدالحق محقق محدث دہلویؒ لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ جواب مذہب حنفی کے عین مطابق ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں جہر بالذکر صرف انہی مقامات میں جائز ہے جہاں جہاں شریعت نے بتایا اور ان مقاما

کے علاوہ سب جگہوں میں جہر بالذکر کو حنفی مذہب والے مکروہ سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عید کی تکبیریں یا تکبیرات تشریق جو فی نفسہ واجب ہیں مگر جب رہ جائیں۔ تو دوسرے وقتوں میں ان کی قضاء کے قائل نہیں ہیں ہدایہ ص ۱۵۵ میں ہے الجہر بالتکبیر بدعۃ۔ الجہر بالتکبیر خلاف السنۃ آگے لکھا کہ شرع شریف میں جو تکبیرات کا جہراً کہنا آیا ہے وہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ (کہ عورتوں پر نہیں نہ منفرد پر نہ وتروں نفلوں اور نماز عید کے بعد نہ گاؤں میں نہ مسافر پر کیونکہ باجماعت مسنونہ نماز پڑھنا' اقامۃ' مصر ایام تشریق کا ہونا شرط ہے۔)

فتاوٰی قاضی خان ص ۱ میں ہے وبہ اخذ اصحابنا ان الجہر بالتکبیر بدعۃ فلا یؤخذ الا بما اتفق علیہ الصحابۃ رض۔

ہٰذا آخر ما اردت من تحقیق مسئلۃ اخفاء الاذکار من الثناء والصلوٰۃ علی النبی ﷺ والدعاء علی المیت فی صلوٰۃ الجنازۃ بعونہ ومنہ وکرمہ تبارک وتعالیٰ

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک وصلی اللہ علی النبی الامی الرسول الکریم محمد وعلی آلہ واصحابہ و اہل بیتہ و ذریاتہ وعترتہ اجمعین

محمد حسین غفرلہ

خادم جامعہ ضیاء العلوم بلاک ۱ سرگودھا پاکستان

خویدم جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

نوٹ : فتاوٰی نذیریہ ص ۶۶۳ و ص ۶۶۴ میں ابو امامہ رض کی حدیث کے تحت بحوالہ تلخیص الحبیر ص ۱۶ حافظ ابن حجر کی تحقیق محمد عبد الرحمن مبارکپوری نے لکھا ہے کہ انہیں روایات کی وجہ سے جمہور کا یہ مذہب ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ و
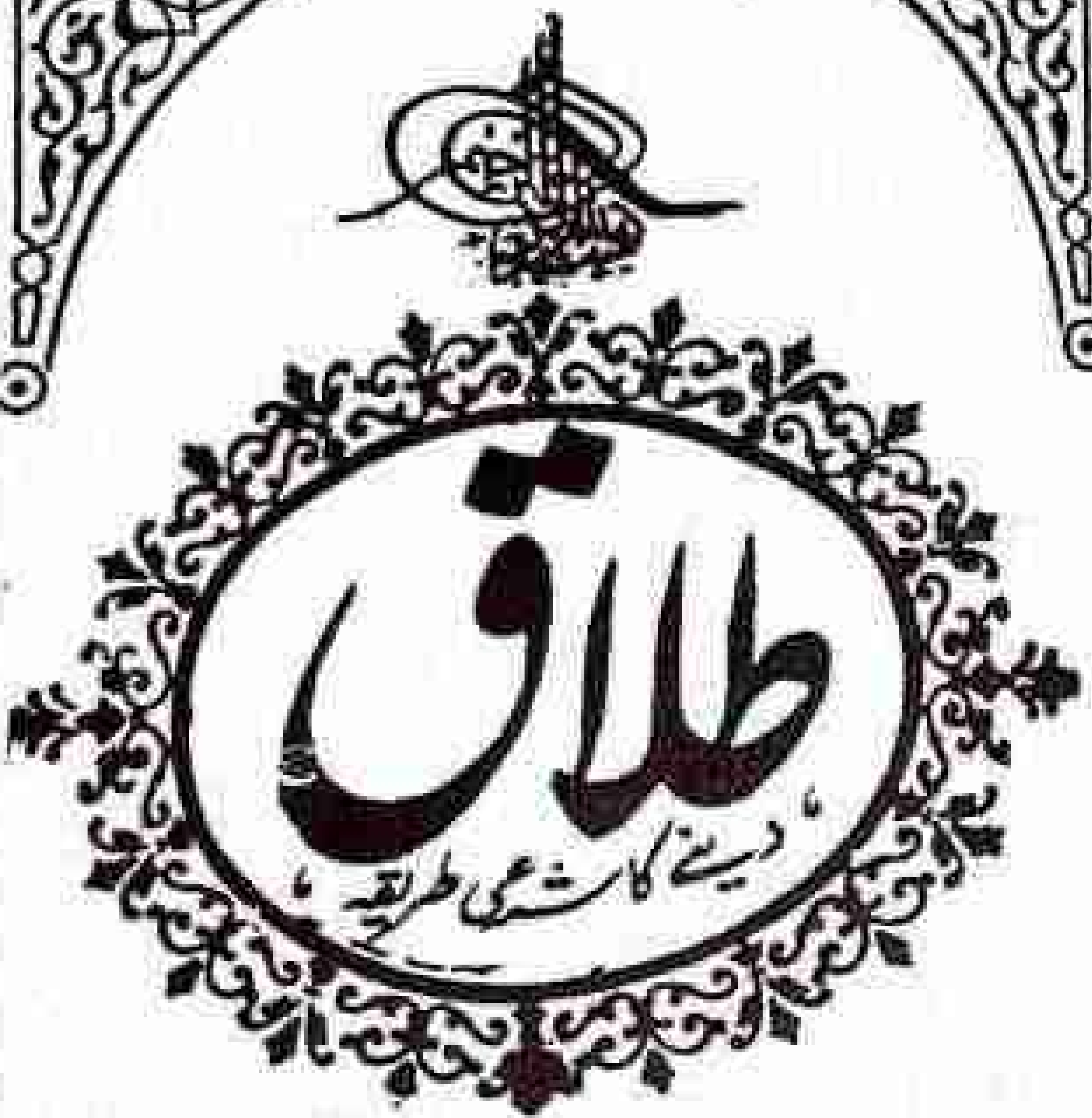
# طلاق

دینے کا شرعی طریقہ

از

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہٖ اجمعین

اما بعد عام طور پر مسائل نکاح وطلاق کے پوچھے جاتے ہیں۔ ان کے بارے مختلف قسم کے حالات نظر سے گزرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی لوگ اس قدر دینِ حق سے دُور ہیں کہ ان کا واپس راست پر پہنچنا مستبعد ہو گیا۔ کیونکہ وہ ان باتوں کے بارے علمائے حق کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ اس کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتے حالانکہ ہر جوان مرد و زن پر جیسے ضروری ہے ایمانیات و اعتقادیات کے علم کی تحصیل اور نماز، روزہ، پاکی پلیدی کا علم حاصل کرنا۔ ایسے ہی ان پر نکاح وطلاق و رضاعت وپردہ و حلال وحرام کا علم حاصل کرنا بہت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ قطعی حلال کو حرام، اور قطعی حرام کو حلال سمجھنے سے آدمی اسلام کے دائرہ سے نکلتے ہی کفر کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ متفق ہیں مشکوٰۃ میں حضرت امامنا خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک تقریری تبلیغی اصلاحی بیان کا اقتباس نقل ہے جو آپ رضی اللہ عنہ نے کسی مقام پر کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی موجودگی میں نومسلم لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ علم الفرائض کی اہمیت بیان کرتے ہوئے

بڑے زوردار انداز کے ساتھ فرمایا تعلموا الفرائض علم فرائض سیکھو

اس مجلس میں صاحب النعلین والعصا والوسادہ والطہور حضرت

محدثِ اعظم امام المحدثین والفقہاء عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی حاضر

موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ سنتے ہی فوراً اعلم الفرائض کے

ساتھ دو چیزوں کا اضافہ کرتے ہوئے فرمایا "والطلاق والحج"

یعنی جیسے ایمانیات وعبادات کے بعد فرائض کا علم حاصل کرنا بہت

اہمیت رکھتا ہے ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر علمِ طلاق اور حج حاصل

کرنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں حلت وحرمت

کا زبردست دخل ہے۔ ذرا سا لفظ منہ سے نکل گیا تو حلال چیز حرام ہو

گئی مگر کہنے والے کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے وہ اپنے زعم میں یہی سمجھے

ہوئے ہے کہ جو چیز میرے لیے اب تک حلال رہی ہے وہ چیز میرے اس

لفظ کہنے کے بعد بھی بدستورِ سابق حلال ہی ہے حرام نہیں ہوئی۔

اس بنا پہ وہ حلت والا معاملہ اس کے ساتھ کرتا رہتا ہے اور یہ کام

بھی صرف روز دو روز مہینہ دو مہینہ سال دو سال کا نہیں ہے ساری

زندگی کا ہے جو مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ساری عمر کے لیے مجرم

اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب رہا

اس لیے حضرت امام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم

طلاق بھی حاصل کرو

اور وہ دور تو تھا اہلِ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنھوں نے

قرآن وسنت کا علم براہِ راست حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے اخذ کیا تھا اور اس کو ضبط رکھا اور لوگوں تک پہنچانے میں

کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ اور ان نومسلم لوگوں میں کئی موالی (غلام) تھے جن کو صحابہ کرام رضی نے حاصل کر کے اپنے گھر کا فرد بنا کر بیٹوں کی طرح رکھا اور ان کو دینی تربیت پر مکمل سعی فرمائی اور وقتاً فوقتاً امتحان بھی لیتے رہے اور قابلیت سمجھ کر اپنی موجودگی میں ہی ان کو مسند تدریس پر بٹھلاتے تاکہ اشاعت التوحید والسنۃ اور تعلیم الوحیین یعنی قرآن و حدیث کا سلسلہ جاری رہے

مگر ان اسلاف کے گزرنے کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ غیر قوموں کا تسلط ہم پر اس لیے ہو گیا کہ ہم نے آپ ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون مگر ہم نے دعوۃ الی الخیر وامر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کر دیا۔ جہالت ہم پر مسلط ہو گئی غیر قوموں کے غلط پروپیگنڈوں سے جو علماء حق کے بارے کیے جاتے رہے عوام کے دل علماء حق سے متنفر ہوتے رہے اور علماء سوء نے اپنی چرب زبانی سے موقع کو غنیمت سمجھ کر علماء حق کے بارے اور زیادہ بدظنیاں پیدا کر دیں جس سے عوام بجائے علماء حق سے دور تر ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ مولوی فساد کی جڑھ ہیں۔ ان کی بات نہ سننا۔ دو ملاؤں میں مرغی حرام، ملاں کی دوڑ مسجد تک، ملاں حلوا خور کہہ کہہ کر اور ہی تنفر پیدا ہو گیا۔ اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دو ان مولویوں کو اور اپنا دنیا کا کام کرو پیسہ جوڑو۔ دقیانوسی مولوی تمہاری ترقی سے مانع ہیں۔ اپنے بچوں کو سکولوں کالجوں میں داخل کرو دنیوی تعلیم دو۔ مولویوں کو کیا آتا ہے

یہ جاہل ہیں انہیں انگریزی لکھنا پڑھنا ہی نہیں آتا۔

اس طرح علم دین سے دور رہنے والوں کا نہ عقیدہ صحیح نہ عبادت صحیح نہ معاملات درست نہ معاشرہ درست نہ اخلاق۔ ان کا عقیدہ وہی ہو جو اپنے دل کو لگے۔ عبادت اپنی رائے کی۔ معاملات و معاشرہ اپنے مطلب کے۔ پردہ کی کیا ضرورت ہے دل صاف ہونا چاہیے۔ مومن سب بہن بھائی ہیں۔ عورت استعمال کے لیے ہوتی ہے

برائے نام مسلمان کہلانے کو کچھ کام ایسے کیے اور ایسے فقرے یاد کر لیے جس سے پاکستانی غیر پاکستانی کا امتیاز نہ ہو جائے۔ مثلاً دیواروں پر زر کثیر خرچ کر کے جلی حروف سے لکھ دیا "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" تاجر نبیوں کے ساتھ ہوں گے" "تیل لگانا سنتِ نبی ہے" "خوشبو لگانا سنتِ نبی ہے" "سرمہ لگانا سنتِ نبی ہے" "درخت لگانا عبادت ہے"۔ بکریاں پالنا سنتِ نبی ہے" "نکاح کرنا سنتِ انبیا ہے" "مساجد اللہ کا گھر ہے انہیں اپنے گھروں سے بڑھ کر سجاؤ اور خوب نقش و نگار کر کے مزین کرو بڑا کار ثواب ہے"۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ

مگر جو فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (و مسلمۃ) کا لفظ احادیث میں نہیں ہے۔ یار لوگوں نے انگریزی وغیرہ تعلیم نسواں کی اہمیت عوام کے ذہنوں میں بیٹھانے کے لیے یہ لفظ اپنی طرف سے گھڑ کر جھوٹی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر کے من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کی وعید کے مرتکب ہو گئے۔

نیز علم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم انگریزی سائنس جغرافیہ

طبیعیات سحر نجوم شامل کیا۔ جیسے یہ لوگ ان علوم کی ضروری تعلیم کے استدلال
میں یہ حدیث شریف پیش کرتے ہیں۔ اور قرآنی زبان میں ان کا نام علم تجربی ہے
قرآنی اور نبوی زبان میں علم دین ہے اور بس۔ اور صحابہ کرام رضی جو اہل
لسان بھی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین ذہین تلامذہ بھی تھے انہوں
نے بھی حدیث طلب العلم وغیرہ سے علم دین ہی سمجھا۔ اور آپ خود بھی
یہی علم دین پڑھاتے رہے اور دنیائے اسلام کے بلاد و امصار میں اسی
علم دین کے مراکز قائم کیے اور حکومت اسلامیہ کی طرف سے علماء صحابہ رضی
کو بحیثیت معلم قرآن و سنت کے تعینات کیا جاتا تھا اور ان کا وظیفہ بقدر
ضرورت بیت المال المسلمین سے مقرر کیا جاتا تھا۔ یہی علم دین پڑھ کر کئی
مدرس بنتے تھے کئی مناظر کئی مبلغ کئی مصنف کئی قاضی کئی محتسب
کئی ناظر کئی قاضی القضاۃ کئی خلیفے کئی خطیب کئی کفار کے ساتھ لڑنے
والے مجاہد جو عسکری تربیت اسی قرآن و سنت کی روشنی میں حاصل
کیے ہوئے ہوتے تھے کئی تاجر ہوتے تھے جو تجارت اسلامیہ کے ذریعے
قرآن و حدیث ہی کی تبلیغ کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے دنیا میں انہی تاجروں
نے اسلام پہنچایا۔ وہ سب کے سب بڑے ماہر سیاست دان تھے۔ یہی قرآن و
سنت پڑھ کر تدبیر منزل سیاست مدن سیاست ملک سیکھی اور ساری دنیا پر
چھا گئے۔ الحمد للہ علی ذلک

اور حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہم نے قرآن و سنت کا دامن چھوڑا اور دوسرے
علوم کی طرف بھاگے اور غیر مسلموں کے کہنے میں آ گئے تو اس وقت سے کتنے
سکول کتنے کالج کھلے پرائمری سکول سے کالجوں تک سٹوڈنس کی تعداد روز بروز
بڑھتی جا رہی ہے عورتوں کے سکول و کالج علیحدہ بھی ہیں اور مخلوط تعلیم کے سکول

سکالج بھی ہیں اس طرح عورتیں تعلیم یافتہ ہو کر مردوں کے دوش بدوش ہم کریں بلکہ مردوں پر حکمرانی کریں کہ مردوں کی عقل بوڑھی ہو چکی ہے وہاں قابل نہیں کہ زمام سیاست و حکومت اپنے ہاتھ میں لے۔

اب یہ انگریز یہود و نصاریٰ کے پڑھے ہوئے شاگرد اتنے جری ہو گئے کہ انگریزی قانون کی تائید میں قرآن پاک کی عبارات اور حدیثی روایات میں اپنی من مانی "تاویلات اور ہیرا پھیریاں کرتے ہیں۔ اور جب علمائے حق اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ان ہیرا پھیریوں کا جواب باصواب دیتے ہیں تو عوام کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتے ہیں کہ مولویوں کو کیا سمجھ ہے یہ مولوی کیا جانیں۔ انہیں قرآن سمجھ نہیں آتا ان کو موجودہ تقاضوں کا کچھ علم نہیں یہ دقیانوسی مولوی پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ ہم نے تو اونچی تعلیم اتنا زر کثیر خرچ کر کے دوسرے ممالک کے ماہرین سے حاصل کی ہے۔ جس سے نئے تقاضوں کے مطابق قرآن مجید کا مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس طرح ہم مولویوں کی ان بھول بھلیوں میں نہیں آتے۔ ان چکنی چپڑی باتوں سے عوام ان سے متاثر ہو کر علماء حق کو کہتے ہیں کہ فلاں علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر جو اسلامیات میں مسلسل محنت کر کے زر کثیر خرچ کر کے غیر ملکی ماہرین سے سندات حاصل کی ہیں وہ نہیں سمجھا بوجھتا۔ اور تم مفت کے مسجدوں کے ٹکڑے کھا کر کسی مُلّانے سے کچھ روز کتابیں پڑھ کر علم میں اس سے بڑھ گئے ہو جب کہ تم کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں آتا۔

اور حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جن کا استاذ غیر مسلم (یہودی۔ مجوسی۔ رافضی دہری یا مسیحی ہو گا وہ نظریات اپنے ہی سامنے رکھیگا۔ اور ہیرا پھیری کر کے

قرآن و حدیث کے مفہوم کو اس طرح تبدیل کر کے رکھ دے گا کہ بھولا بھالا اسلام سے ناواقف سٹوڈنس کو اپنے استاذ کی بات پر یقین کامل کرلے گا اور علماء حق کے بارے بدظن اور متنفر ہو جائے گا۔ اور جب ذہنی یہودیوں اور مسیحیوں مجوسیوں اور دہریوں کے تلامذہ اپنے ملک میں آکر بہ حیثیت پروفیسر یا مصنف کے کام کریں گے تو وہی نظریات اپنے ذہن نارسا میں سمو کر نکال کر اپنے طالب علموں کے سامنے پیش کریں گے۔ بس وہ سارا زہر یلا مواد غیر ملک سے نکل کر اپنے ملک میں پھیل جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے رہنماؤں میں علماء کی کوئی وقعت نہیں ہے فرنگی باتوں کو بڑی خوشی سے اور بڑی تیزی سے بھاگ کر اپناتے ہیں اور علماء حق کی بات اگر ان کی رائے کے موافق ہو تو گاتے پھرتے ہیں کہ دیکھو بھائیو! ہم تو علماء کی باتیں مانتے ہیں اور اگر علماء حق کی بات ان کی رائے کے خلاف ہو تو بعض علماء سوء کا کوئی قول اپنی تائید میں پیش کر دیں گے یا پھر علماء حق سے فتویٰ لینے کی کوشش کریں گے اور سوال ہی ایسے انداز سے بات کریں گے اور ایسے پہلو پیش کریں گے جس کے بعد علماء حق کا فتویٰ ان کی رائے کے موافق ہو جائے۔ یا پھر ان علماء حق کی تجہیل کرتے ہوئے کہیں گے کہ بیچارے وقت کے تقاضوں کو کیا جانیں۔

بہرحال یہ عائلی قوانین بھی اسی قبیل سے ہیں۔

اور ادھر عوام کا یہ حال ہے کہ جہالت کی وجہ سے نہ حکومت کا قانون سمجھتے ہیں اور نہ اللہ کا قانون۔ اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ پھر جب حکومت والے باز پرس کرتے ہیں تو مقدمہ میں ناکام ہوتے ہیں اور مطلب حل نہیں ہوتا تب علماء کی طرف آتے ہیں شاید کہ شریعت میں ہماری مطلب

براری ہو جائے۔ جب عالم کا فتویٰ ان کی رائے کے موافق ہوا تو ان کے مخالف عالم کے خلاف دعویٰ دائر کر دیں گے جس کی وجہ سے حاکم کے حکم کی اور توہینِ عدالت کی ناجائز حرکت کے جرم میں جیل کی ہوا کھانا پڑے گی پھر کوئی آدمی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔

حکومت کے حکم کی خلاف ورزی سے تو جیل جانا پڑتا ہے لیکن اللہ کے قرآن اور رسول کے فرمان کی کس قدر خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں بلکہ خود حاکم وقت بھی خلاف ورزی کرے تو کچھ پرواہ نہیں۔

یہ ہیں آج ہمارے پندرھویں صدی ہجری کے تلخ حالات کہ قرآن وحدیث کے خلاف کرنے والا تو مجرم نہیں مگر انگریزی قانون کو خلاف کرنے والا سخت مجرم اور مستوجب سزا ہے

ہر چہ بادا باد آدم بر سر مطلب

آج کے دور میں یہ فضا عام ہو رہی ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے۔ خطا کسی کی بلا کس پر گرمی بازار میں سودا کرتے کرتے کسی بات پر جھگڑا تب عورت کو طلاق جوا کھیلتے کھیلتے لڑائی ہو گئی فوراً عورت کو طلاق۔ ہل چلاتے چلاتے کسی کے ساتھ سخت کلامی ہو گئی تب عورت کو طلاق۔

غرض ہر بات پر عورت ہی بیچاری پستی ہے۔

عوام کو کیا پتہ کہ طلاق دینے کے لیے اسلام نے کچھ شرائط، قیود اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں جن کی خلاف ورزی سے آدمی مجرم اور مرتکب گناہِ کبیرہ ہوتا ہے جس کی سزا آخرت میں بھگتنی ہوگی البتہ جس نے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔ مگر جب اس کو علم نہیں تو وہ

تو پھر کس چیز کی کرے گا۔

یہ گناہ اس لیے ہوگا کہ ملک میں کثرت سے علماء حق موجود ہیں اور یہ شخص جیسے اور دنیوی امور کی تحصیل کے لیے وقت فارغ کر لیتا ہے ایسے ہی اس نے نکاح طلاق کے شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے اپنا وقت کیوں نہ فارغ کیا جب کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرمادیا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ اس حدیث میں گو العلم کا لفظ بظاہر مطلق معلوم ہوتا ہے جس میں سب علوم آسکتے ہیں مگر چونکہ یہ کلام شارع علیہ السلام کی معصوم زبان سے صادر ہے اس لیے دلالۃ متکلم کی بنا پر حقیقۃ قاصرہ مراد ہوگی یعنی علم دین علم قرآن وحدیث اور ان کی فہم (فقہ) دوسرے واہیات علم مراد نہیں اور قرآن وحدیث کی رو سے ان کو علم کہتے ہی نہیں

اب اگر کسی نے بازار میں جھگڑتے جھگڑتے کسی سے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ اگر تیری بات ٹھیک ہے تو میری بیوی کو تین طلاق۔

اب اس وقت وہ غصہ میں شرابور ہے۔ اس نے یہ کب سوچا ہوگا کہ میری بیوی کس حال میں ہے؟ حیض کی حالت میں ہے یا طہر (پاکی) کی حالت میں ہے۔ اگر وہ بیوی حیض کی حالت میں ہے تو یہ طلاق دینے والا مجرم ٹھیرا۔ کیونکہ حیض کی حالت میں طلاق دینا شرعاً ممنوع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے شخص پر ناراضی ظاہر فرمائی۔ اور اگر وہ بیوی طہر (پاکی) کی حالت میں تھی تو اس نے یہ کب خیال کیا ہوگا کہ میں طہر میں طلاق دے رہا ہوں اس طہر میں میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہے یا نہیں کی۔ اگر صحبت نہ کی تھی تو خیر۔ اور اگر

اس طہر میں صحبت کی تھی تو اس میں اسے طلاق نہ دینی چاہیے تھی اور اس کی یہ طلاق بدعی ہوئی۔
اب یہ شخص بدعت کا مرتکب ہوا۔
پھر اس نے بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دے دیں یہ دوسری بدعت ہوئی۔ کیونکہ بیک وقت ایک ہی مجلس میں بلکہ ایک ہی طہر میں یا دو طلاقیں یا تین طلاقیں دینا بھی بدعت خلافِ سنت اور گناہ کا کام ہے
پھر بلا وجہ ٹکہ دو ٹکہ کی خاطر کسی بات پر کسی بندہ کے ساتھ جھگڑا کر کے بیچاری بیوی کا دل دکھایا جس کا اس معاملہ میں کچھ قصور نہیں
پھر اس طرح بیوی کی محبت بغض فی غیر اللہ میں متبدل ہو گئی۔
پھر بیوی کے سارے خاندان (سسرال) کے ساتھ دشمنی مول لی
پھر اگر اس کے بچے ہیں تو بیچارے خراب ہوں گے۔
پھر قیامت کے دن جس جرم کا مستوجب ہو گا وہ مزید برآں
پھر یہ کہ دنیا میں گھر لو حالات برباد ہوتے دیکھ کر پریشان ہو کر کوئی حیلہ سوچے گا اور ہر طرح کی کوشش کرے گا کہ کسی طرح پھر سے بدستورِ سابق میرا گھر آباد ہو جائے۔ اب دوڑے گا اور علماء کی طرف رجوع کرے گا۔ اور علماء فتویٰ دیں گے کہ اب کوئی صورت آباد ہونے کی نہیں رہی۔ اب وہ اور پریشان ہو گا اور ادھر ادھر لوگوں سے مشورہ کرے گا۔ پھر مشورہ دینے والے بھی اسے دو قسم کے ملیں گے
بعض تو یہ مشورہ دیں گے کہ چلو چلیں اہلِ حدیث عالم کے پاس (جب کہ یہ خود مقلد ہے امام مالک یا امام ابو حنیفہ یا امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کا) تو وہ اہلِ حدیث عالم اس کو تسلی دے گا اور اس

کے مونڈھے پر ہاتھ مار کرے گا کہ بھائی! کوئی فکر کی بات نہیں تیرا کچھ نہیں بگڑا۔ صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ بغیر تجدید نکاح کے اپنی بیوی کو اپنے گھر بسالے۔ ساری زندگی کے لیے وہ تیری بیوی ہے۔

خوشی خوشی باہر نکلتا ہے تو مقلدین حضرات (مالکی یا شافعی یا حنفی یا حنبلی) مل جاتے ہیں وہ دریافت کرتے ہیں کہ جناب بتائیے کیا فتویٰ ملا؟ وہ خوش ہو کر بولتا ہے کہ میں ابھی سے جا کر بیوی کو اپنے گھر لا کر بساتا ہوں۔ مولوی صاحب نے اجازت دے دی ہے

مقلدین حضرات اسے سمجھاتے ہیں کہ تیری بیوی ائمہ اربعہ کے نزدیک تجھ پر حرام ہو چکی ہے اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے صحابہ تابعین و تبع تابعین و دیگر ائمہ مجتہدین محدثین کا اتفاق ہے البتہ اہل سنت میں سے صرف ابن تیمیہ و ابن قیم متفرد ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈر اور قیامت کا خوف کر مبادا کہ اس معمولی سے مزے کے پیچھے اپنی اخروی زندگی برباد کر بیٹھے

اب وہ سوچ کر پوچھتا ہے کہ اب تم ہی خود مجھے مخمصے سے رہائی کی صورت بتاؤ۔ میرا آباد گھر ہونے کی کوئی صورت نکل بھی سکتی ہے یا کہ نہیں خدارا اس میں میرا تعاون کرو اور میرا یہ کٹھن مسئلہ حل کرو

تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ایک صورت ہے اور وہ ہے حلالہ جس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہی دو گواہ بلا کر اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ اپنی بیوی کا نکاح کر دے اور اس کو اتنا کہہ دینا کہ صبح سویرے اس کو طلاق دینی ہوگی تاکہ میں اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے اپنا اجڑا ہوا گھر پھر سے بسا سکوں۔

یہ سن کر اس نے کہا اچھا میں ایسا ہی کر لیتا ہوں چنانچہ اس عورت نے اپنے بھائی سے نکاح کر کے دوسرے روز طلاق لے لی اور پھر اپنے ساتھ نکاح کر کے اپنا الو سیدھا کر لیا۔ اور اپنے زعم میں خوش بیٹھا ہے۔ سچ پوچھو تو حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اہلِ حدیث (غیر مقلد) عالم کے کہنے میں آکر اس تین مغلظ طلاقوں والی بیوی کو بغیر نکاح کرنے کے گھر میں رکھ لیا جس کی وجہ سے ساری زندگی کا خود بھی مجرم بنا اور عورت کو بھی مجرم بنائے رکھا تو یہ معذور بھی نہیں کہ علمائے محققین کی کمی نہیں۔ اور اگر ان مقلدین کے بے تکے قول کو سن کر اس پر عمل کیا تو بھی حرام اور لعنتیوں کام کیا۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لعن اللہ المحلل والمحلل لہ حلالہ کرنے کرانے والے ہر دو پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

اور جو بات قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ مروجہ حلالہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس صورت میں جائز ہے کہ

وہ بیوی جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ پہلے تو اپنے گھر میں عدّۃ گذارے۔ اس کے بعد کسی آدمی سے نکاح کر لے۔ مگر نکاح کرتے وقت یہ شرط نہ لگائے کہ نکاح کے بعد تجھے طلاق دینی ہوگی۔ پھر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو گھر آباد کرے اور اس سے صحبت کرے۔ اب وہ گھر خوش و خرم آباد ہے اب اتفاق ایسا ہو گیا کہ وہ بے چارہ خاوند مر گیا۔ جس کے بعد اس متوفی خاوند کی عدت الوفات اُسی متوفی کے گھر میں گزاری۔ اس کے بعد اس پہلے خاوند کے ساتھ ملاقات اور بات چیت ہوئی۔ اب وہ دونوں پھر سے دوبارہ آباد ہونے پر رضامند

ہو گئے اور نکاح کر لیا

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین طلاقیں دی ہوئی عورت اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزار لے۔ اس کے بعد کسی آدمی سے نکاح کر لے بغیر کسی شرط کے۔ پھر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو گھر آباد کرے اور اس سے صحبت کرے۔ اس کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ پہلے خاوند کی طرح دوسرے خاوند کے ساتھ بھی اس عورت کا نباہ نہیں ہو سکا۔ اخیر میں اس خاوند ثانی نے تنگ آکر طلاق دے دی پھر اس دوسرے خاوند کے گھر عدت الطلاق گزار کر باہر نکلی تو پہلے خاوند سے ملاقات ہوئی اور اب وہ دونوں دوبارہ گھر آباد کرنے پر رضامند ہو کر نکاح کر لیں تو یہ حلالہ ہے جس کی شرع شریف نے اجازت دی ہے اور قرآن مجید کی عبارت حتی تنکح زوجا غیرہٗ سے یہی شرعی حلالہ مراد ہے۔ خوب سمجھ لو۔

عوام کی یہ حالت دیکھ کر خیال آیا کہ اس طوفانِ بے تمیزی پر عوام کو متنبہ کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا جائے تاکہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے اور مرنا یاد ہے اور روزِ قیامت برپا ہونے اور خدا کے حضور جواب دہی کے لیے پیش ہونے کا جس یقین اور ڈر ہے اور نیکی بدی کی جزا کے وقوع کا تصور ہے، وہ اسے پڑھے اور سمجھے اور اپنی بے لگام زبان کو لگام لگائے، اور جو بات کرے سوچ سمجھ کر کرے۔ جیسے پہلی جماعت پڑھنے والے بچوں کو بھی اردو کے قاعدہ میں یہی بات پڑھائی سمجھائی جاتی ہے کہ "پہلے تول پھر بول" یہ بات صرف بچوں کے لیے

تو نہیں جو بیچارے دوں کو یہ علم بھی نہیں کہ کم از کم استاذ سے پوچھ تو لیں کہ سر! بات کو کس طرح تولیں کس ترازو سے تولیں۔
اور اس تولنے کا طریقہ کیا ہے اور وہ ترازو کہاں ہے جہاں سے اٹھا کر ہم اپنے پاس محفوظ رکھیں اور بات کوئی مجسم چیز تو ہے نہیں جسے کسی مجسم ترازو پر رکھ کر بات کا ہلکا یا وزنی اور بھاری ہونا معلوم ہو سکے۔ بہر حال ایسے ایسے سوالات نادان بچوں کے کچے ذہن میں نہیں آتے۔ پھر استاذ سے پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر یہ بات جو بڑی قیمتی ہے اور ساری زندگی میں کام آنے والی ہے بچوں کے ذہن میں بٹھائی جاتی ہے تاکہ بڑے ہو کر اس کو پختگی ذہن کے بعد اس قیمتی بات کی قیمت پائیں گے اور مصنف اور استاذ کو دعائیں دیں گے اور تا زندگی اس بات پہ عامل اور کار بند رہیں گے اور جو بات منہ سے نکالیں پہلے اسے عقل کے ترازو پہ تولیں کہ یہ بات کوئی وزن رکھتی ہے اور کتنا وزن رکھتی ہے۔ مبادا کہ بات کرے اور ہو بھاری اتنی کہ اس کے بوجھ تلے اس طرح دب جائے کہ ساری عمر اس کے نیچے سے نکل نہ سکے بلکہ ممکن ہے کہ وہ بات اتنی بھاری ہو جس کے بوجھ سے قیامت کے دن بھی نجات نہ پا سکے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قعر جہنم میں رہے
پھر غصہ بڑی بلا ہے۔ یوں تو مسئلہ پوچھتے وقت مولوی صاحب کو کہہ دیتے ہیں جناب! میں نے واقعی اپنی بیوی کو طلاق تو دی ہے مگر سخت غصے کی حالت میں دی تھی۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ مولوی

صاحب طلاق کا لفظ سنتے ہی فوراً طلاق کا حکم صادر کر دیں۔ گویا
درپردہ یہ سائل استاذ ہے مولوی صاحب کا جو پوچھنے کے رنگ میں
مولوی صاحب کو مسئلہ سمجھا رہا ہے کہ مولوی صاحب! غصہ کی حالت
میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ذرا یہ بات ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینا.
جلد بازی سے کام نہ لینا

بھلا کوئی بھلا مانس سے پوچھے کہ غصہ کی حالت میں طلاق تو نہیں
پڑتی۔ اب یہ بتا کہ اگر غصہ کی حالت میں چھرا لے کر اپنی بیوی کا گلا
کاٹ دے اور پولیس والے گرفتار کر کے لے جائیں عدالت میں حاکم
پوچھے کہ تو نے اپنی بیوی کا گلا کاٹا؟ تو تو یہ بہانہ کرے کہ سر! میں نے
اپنی بیوی کا گلا کاٹا تو ہے۔ مگر غصہ کی حالت میں۔ اب آپ ہی بتا کہ
حاکم کیا جواب دے گا۔ یہی ناں کہ غصہ کی حالت میں کاٹا یا عشق محبت
کی حالت میں کاٹا۔ بہر حال تیرا گلا کاٹنے سے اس کا گلا تو کٹ گیا اور وہ
مر گئی لہٰذا تجھ سے قصاص لیا جائے گا۔

فرق صرف یہ ہے کہ گلا کاٹنے سے اس عورت کی موت اور خاوند
کا فراقِ محسوس مبصر ہے۔ اور طلاق میں نکاح کا ٹوٹنا اور عورت کا
خاوند سے فراق محسوس نہیں ہوتا۔ اور غیر محسوس بھی ایسی ہے کہ
شریعت کے بتائے بغیر اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شریعت
کے مقابلے میں ٹانگ اڑانا عقلمند کا کام نہیں

حاکم کے فیصلہ میں یہ امتیاز نہیں کیا جاتا کہ گلا کاٹتے وقت تیرے
غصے کی کیا کیفیت تھی وہ ہر حال میں اس کو مستوجب سزا ہی کہیگا جس
کے بعد اس مجرم کا کوئی عذر بہانہ مسموع نہیں

اور مسئلۂ طلاق میں شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ نے
پھر بھی اس قدر لچک رکھی ہے کہ اگر غصہ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ اس کا
دماغ مختل ہو گیا اور عقل ٹل گئی۔ اور بالکل بے ہوش ہو گیا کہ اپنی بھی کچھ
خبر نہیں اور لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ واقعی اس کا عقل ٹھکانے نہیں
تو ایسی بے ہوشی میں اس کی دی ہوئی طلاق کا واقعی کچھ اعتبار نہیں
لیکن اگر غصہ کی حالت میں اس کی یہ کیفیت نہیں اور اس کے
حالات اور قرائن سے صاف پتا لگتا ہے کہ اس کے ہوش وحواس
بالکل قائم درست اور صحیح ہیں۔ تو اس صورت میں اس کی دی ہوئی
طلاق واقع اور نافذ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے
والا کچھ بہانے بناتا پھرے۔

دنیا میں تو ایسے بہانے کر کے اپنا الو سیدھا کر لے گا اور مزے اڑاتا
رہیگا۔ مگر قیامت کے دن علام الغیوب کے حضور تو یہ بہانے ہرگز
کام نہ آئیں گے وہاں پچھتائے مگر سب بے سود۔ اللھم انا نعوذبک
من خزی ذلک الیوم وعذاب القبر وعذاب النار۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب
الیک اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ؕ

# جہالت کی وجہ سے آج کل لوگ طلاق دے کر کئی معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں

احسن الفتاویٰ جلد ۵ کتاب الطلاق ص۱۹۵ میں لکھا ہے
"آج کل کے دستورِ طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے۔
طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاحِ ذات البین کی کوشش کی جائے۔ مایوسی کی صورت میں اہلِ صلاح سے استشارہ و استخارہ کیا جائے، اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل الوطی صرف ایک طلاق رجعی دی جائے۔
اس کے برعکس آج کل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہو گیا ہے۔

① بدون غور و فکر جلد بازی۔
② اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔
③ خاندان کے بااثر و باصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا
④ استخارہ نہیں کیا جاتا۔
⑤ حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا۔
⑥ بیک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہیں۔
⑦ تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالۂ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے، اور بعض تو لعنتِ حلالہ کی بجائے عمر بھر لعنتِ زنا میں مبتلا رہتے ہیں

ان وجوہ کی بناء پر طلاق کا مروّج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم

ہے، حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

# طلاق مغلظہ میں غیر مقلدین سے فتویٰ لینا جائز نہیں

احسن الفتاویٰ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے لکھا

تین طلاقوں کے بعد کسی غیر مقلد سے فتویٰ لینا باجماعِ امت حرام ہے۔ اور خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ رح اس کی حرمت پر اجماعِ امت کے قائل ہیں (دیکھو فتاویٰ ابن تیمیہ ص۲۰ ج۲)

غیر مقلدین سے فتویٰ لینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی۔ یہ مرد اور عورت دونوں عمر بھر بدکاری کے گناہ میں مبتلا رہیں گے۔ عذابِ آخرت کے علاوہ دنیوی وبال الگ۔

اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا دینِ اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے۔ دنیا کی چند روزہ راحت و عیش کی خاطر مالک کو ناراض کرنا اور عذابِ جہنم کا سامان کرنا بہت بڑی حماقت و ناعاقبت اندیشی ہے، اس لیے اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نفسانی خواہش کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو لینا حرام ہے۔

اہلِ اثر مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان میں تفریق کرائیں۔ اور جب تک وہ اس حرام کاری سے باز نہیں آتے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں ورنہ دنیوی وبال و اخروی عذاب میں ان کے ساتھ وہ سب لوگ بھی شریک ہوں گے جو اُن سے قطع تعلق نہیں کرتے اور ان کو حرام کاری سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے

## مروجہ حلالہ لعنتیوں کا کام ہے۔ حرام ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے کرانے والوں پر لعنت کی بد دعا فرمائی ہے اس میں پہلا شوہر، دوسرا شوہر، اور بیوی تینوں آجاتے ہیں۔ عہ

البتہ اگر کسی کو میاں بیوی کی حالت پر رحم آئے اور وہ ان پر احسان کی نیت سے نکاح کر لے اور صحبت کے بعد طلاق دے دے تو کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اس کی نیت کا دوسرے کسی کو بھی قطعاً کوئی علم نہ ہو۔

اسی طرح اگر عورت کے دل میں یہ نیت تھی کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد اس سے طلاق حاصل کر کے پھر پہلے شوہر سے نکاح کر لے گی اور اس کی اس نیت کا کسی دوسرے کو قطعاً علم نہ ہو تو عورت پر کوئی گناہ نہیں

---

عہ ایسے نکاح کی حرمت اور مورد لعنت ہونے کے لیے شرطِ تحلیل کی تصریح ضروری نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی نیت کا علم بھی بہ قاعدہ "المعروف کالمشروط" اسی میں داخل ہے (احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۵۲)

# فاحشہ کو طلاق

مسئلہ فاحشہ اور بدچلن بیوی جو سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتی اس کو طلاق دینا مستحب اور ثواب ہے۔ اور اگر عورت یہاں تک نافرمان ہے کہ خاوند کے ساتھ اس کے ساتھ رہنا مشکل ہو، گھر میں ہر وقت فتنہ فساد برپا رہتا ہو، تو ایسی صورت میں طلاق دینا واجب ہے۔
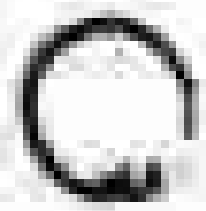
طلاق کے مسائل تو بے شمار ہیں۔ ہم یہاں مشتے نمونہ از خروارے عرض کر رہے ہیں جو عام زبان زد عوام ہیں۔ اگر کوئی پیچیدہ مسئلہ ان کے علاوہ درپیش آجائے تو فتاووں میں سے دیکھ لیا جائے یا علما کی طرف رجوع کیا جائے۔

# جن لوگوں کی دی ہوئی طلاق کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں

نابالغ۔ پاگل۔ سونے والا۔ کسی دوا وغیرہ سے بیہوش۔ دل و دماغ کی تکلیف کی وجہ سے ایسا مدہوش اور حواس باختہ کہ اس کو اپنے افعال اور اقوال کا ذرا علم نہیں۔ یا اس سے بلا اختیار اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور اکثر مختل۔ برسام کے مرض والا۔ باپ دادا کی طلاق اپنے بیٹے پوتے کی بیوی کو۔ مولیٰ کی طلاق اپنے غلام کی بیوی کو۔ عورت کا طلاق دینا اپنے شوہر کو بغیر اس کے کہ شوہر نے

اپنی بیوی کو طلاق تفویض کی ہو یا اسے اختیار دے دیا ہو۔
البتہ شراب وغیرہ مُسکِر (بدمست کرنے والی) حرام چیز سے مست آدمی نشہ کی حالت میں طلاق دے تو طلاق پڑ جائے گی۔
مجنون بحالتِ افاقہ طلاق دے تو صحیح ہے

## جن چیزوں سے طلاق نہیں پڑتی

- عورت نے کہا مجھے طلاق دو شوہر نے جواب دیا تم چاہو تو ہزار مرتبہ
- عورت نے کہا مجھے طلاق دو شوہر نے جواب دیا ایک دو تین جب تک طلاق کا لفظ منہ سے نہ کہے۔
- تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں
- محض دھمکانے کی نیت سے کوئی لفظ کہے مثلاً تو میری بیوی نہیں
- تو میرے لائق نہیں رہی
- طلاق کے متصل بعد تحریراً یا تقریراً ان شاء اللہ کہا۔
- دل میں طلاق کا خیال کر لیا
- طلاق کا لفظ زبان سے اس طرح کہا جو اُس نے خود بھی نہیں سُنا
- نکاح سے پہلے معاہدہ کیا کہ اگر میں بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کروں تو میری بیوی پر طلاق دوسرا نکاح نہ کروں گا (پھر) باوجود اس کے اس نے اس قول و قرار اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ البتہ عہد شکنی سے فاسق ہو گیا مرتکب گناہِ کبیرہ۔
- جبر و اکراہ اور زبردستی سے تحریری طلاق شوہر سے لکھوانا۔
- دھوکہ دے کر طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوانا۔

○ اپنے آپ طلاق نامہ لکھ کر شوہر سے اس پہ جبراً انگوٹھا یا دستخط کروالینا ۔ جبکہ شوہر نے نہ زبان سے الفاظِ طلاق کہے نہ لکھے نہ سن کر تصدیق کی

محض تین پتھروں کا پھینک دینا

○ طلاق دے دوں گا

○ حالتِ اکراہ میں طلاق کا اقرار کرنا

○ دس نے ہزار روپے کے بدلے بیوی کو طلاق دی ۔ مگر بیوی نے قبول نہیں کیا

○ شرط لگاتے وقت کسی جگہ کی تعمیم یا تخصیص کی تھی یا نہ ؟ شک ہے

○ میں اس رنڈی کو کسی حالت پر رکھنے کو تیار نہیں ہوں

○ میں اس کو کسی بھی قیمت پر نہیں رکھ سکتا ۔

○ خط لکھا کہ لڑکی کو گھر روانہ نہیں کرنا

○ مجھے طلاق چاہیے اور کچھ نہ چاہیے

○ مجھے (بیوی کا نام لے کر کہا) نہیں چاہیے

○ ایک دو تین

عدت میں نکاح کرنے والے نے تین طلاقیں دیں ۔ تو ایک طلاق بھی نہ پڑی ۔ کیونکہ نکاح فاسد میں متارکت کا حکم ہے ۔ پس عدت گزرنے کے بعد اسی عورت سے نکاح درست ہے ۔

میں تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا (اس میں کوئی لفظ دال بر طلاق نہیں)

ایسی بیوی مجھے درکار نہیں ۔ یہ کہہ کر بیوی کو گھر سے نکال دیا ۔

زانی سے رقم لے کر بغیر طلاق کے حرام سمجھنا ۔ (۷ صفحہ ۱۵۱ / ۵)

○ اگر تو فلاں کام کرے گی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا

مسئلہ: کسی نے جاہل شوہر سے عربی زبان میں تین طلاقیں حاصل کیں جن کے مفہوم اور معنے سے وہ جاہل شوہر بالکل ناواقف ہے ، تو

قضاءً تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ دیانۃً نہیں ہوں گی۔ اور طلاق دلانے والا سخت گنہگار ہے اور لائق تعزیر جو تلبیس میں ابلیس کا کام انجام دیتا ہے۔ مگر مشایخ اوزجند کے نزدیک طلاق بالکل نہ ہوگی نہ دیانۃً اور نہ قضاءً، آج کل اس قسم کے فتنے بکثرت اٹھ رہے ہیں لہٰذا مشایخ اوزجند کے مسلک ہی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔ (من احسن الفتاوی ص ۱۳۴ ج ۵)

- ایک آدمی کے کہنے پر کہ تو کہہ فلاں کی بیٹی کو میں نے طلاق دی" شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ میرے خدا نے قبول کیا (ہشتہ کف)
- میں نے ان شاء اللہ طلاق دی ہے یا ان شاء اللہ طلاق دیتا ہوں
- جب طلاق معافی مہر کے ساتھ مشروط تھی اور عورت نے معافی مہر سے انکار کر دیا
- مرد نے کہا میں جاتا ہوں تم چاہو طلاق لے لو پھر عورت نے کہا مجھے دوسرا خاوند کرنا نہیں ہے جو تم سے طلاق لوں تمہاری خوشی ہو آنا یا نہ آنا عورت نے عہد کیا کہ میں اگر تم سے تعلق رکھوں گی تو اپنے باپ بھائی سے تعلق رکھوں گی
- کسی کا کہنا کہ جو میرا کہنا نہ مانے اس کی بیوی پر طلاق
- میری عورت کی چوڑیاں توڑ دو
- میری عورت نوجوان ہے اور کسی سے نکاح کرنا چاہتی ہے
- بغیر دلالتِ لفظ محض نیت سے طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔

UMAKTABA TUL ISHAAT.COM - مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام



# جن الفاظ سے طلاق بائن ہو جاتی ہے

○ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ○ میں نے فارغ خطی دے دی

○ تو میرے کام کی نہیں رہی ○ میں نے تجھے چھوڑا [illegible]

○ تو میری بیوی نہیں ○ میں تیرا شوہر نہیں

○ مجھ سے تم سے کوئی واسطہ نہیں ○ عمر بھر میں تیری صورت نہ دیکھوں گا

○ میں اس سے سخت بیزار ہوں ○ میں اسے نہ بساؤں گا

○ تو میرے سامنے سے چلی جا ○ تو میرے نکاح سے باہر ہو گئی

○ میری تجھ سے بے تعلقی ہے ○ تو جہنم جا

○ بیوی کے طلاق دے دے کہنے کے جواب میں کہنا "میری جانب سے تو طلاق ہی ہے۔ اب مجھے بالکل غیر سمجھو اور جس طرح غیر آدمی سے پردہ کیا جاتا ہے تم مجھ سے بھی پردہ کر لو

○ طلاق دے چکا۔ مجھ سے کوئی تعلق نہیں

○ یہ میری بیوی نہیں رہی۔ میں اس کو طلاق دیتا ہوں۔

○ میں تجھ کو نہیں رکھتا۔ ○ میں تجھے چھوڑ چکا

○ میرے سامنے ہی تو کسی سے نکاح کر لے ○ تو جانے اور تیرا کام

○ تو ماں کے پاس جائے تو میرے نکاح سے خارج

○ میں نے تجھ کو الفت (علیحدہ) کر دیا" الفت ہو گیا

○ اب ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔

○ میں تیرے نکاح سے بری ہوں ○ تو اپنے کو مجھ سے دور رکھ

○ میری بیوی اپنے فعل کی مختار ہے۔ مجھ سے کچھ سروکار نہیں

○ اب یہ عورت غیر مرد کے کام آئی۔ اب میرے کام کی نہیں ہے۔
○ تُو جس کے ساتھ چاہے نکاح کرلے
○ غیر مدخول بہا بیوی کو جس سے خلوت صحیحہ بھی نہ ہوئی ہو صریح طلاق دے
○ مکمل آزادی دیتا ہوں
○ خلوت صحیحہ کے بعد اور دخول سے پہلے طلاق
○ بہ نیتِ طلاق بیوی کے میکوں کو کہا "تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ"
○ غصہ کی حالت میں کہا مَیں تجھے ماں بہن بناتا ہوں
○ 〃 〃 〃 کہا میرے سامنے سے دُور ہو جا
○ بہ نیتِ طلاق بیوی کو کہا تُو میری ماں ہے / تو میری بہن ہے
○ بغیر نیتِ طلاق بیوی کو کہا تُو میری ماں ہے / تو میری بہن ہے
○ 〃 〃 〃 〃 تُو فارغ ہے
○ مذاکرۂ طلاق کے دوران کہا "آپ کا اور میرا رشتہ ختم ہو چکا ہے"
○ تین انگلیوں سے اشارہ کر کے کہا تو تینی ہے
○ اس کو اس کے والدین کے گھر پہنچا دو۔ طلاق بائن ہے
○ جہاں چاہے دوسرا خاوند بنا لے
〃
○ اپنے میکہ چلی جا
〃
○ بیوی سے لا دعوی ہوں بدون نیت بھی طلاق بائن
○ لفظ طلاق کہنے کے بغیر طلاق کی نیت سے صرف مٹی کے ڈھیلے اپنی عورت کو دے دینے سے طلاق نہیں ہوتی۔
○ عورت کو مخاطب کر کے کہا "طلاق" رجعی طلاق
تجھے ایک دو تین۔ بہ نیت طلاق

○ تو ایک تو دو تو تین جب نیت ہو

○ بیوی کے مطالبۂ طلاق کے جواب میں صرف تین انگلیوں سے اشارہ کر دیا۔ اور منہ سے کچھ نہیں کہا یا تین پتھر پھینک دیے۔

قانون غیر مدخول بہا کو صریح لفظ سے طلاق دی جائے تو بائن ہی واقع ہو جاتی ہے رجعی نہیں ہوتی

## جن الفاظ سے طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے

○ دو تین طلاقی میں نے تجھ کو دی

○ میں نے تجھ کو دو تین طلاقی چھوڑا۔ (صریح مغلظ)

○ غیر مدخول بہا کو کہا کہ میری بیوی پر طلاق مغلظہ۔ اور نیت تین طلاق کی کی ہو

○ غیر مدخول بہا کو کہا میں نے تجھے تین طلاق دیں یا کہا سو طلاق دی

○ مدخول بہا کو کہا میں نے تجھے تین طلاق دیں

○ مدخول بہا کو ایک مجلس میں کہا میں نے تجھے طلاق دی طلاق دی طلاق دی

○ مدخول بہا کو ایک مجلس میں ایک طلاق دی دوسری میں دوسری تیسری مجلس میں تیسری یا ایک مجلس میں ایک دی دوسری میں دو

○ تین نوٹ لپیٹ کر بیوی کے ہاتھ میں دیے اور کہا "تجھے طلاق

مسئلہ دو بیویوں کے شوہر نے کہا "میں نے تین طلاق دی۔ میں نے تین طلاق دی۔ میں نے تین طلاق دی۔ نہ بیوی کا لفظ کہا اور نہ ہی کسی بیوی کا نام لیا۔ تو

ان دو عورتوں میں سے جس کی نیت کی ہو اسی پر تین طلاق پڑیں گی
اگر دونوں کا ارادہ کیا تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی

○ اگر کہا تین طلاقیں دونوں میں تقسیم کر کے دیتا ہوں تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی
البتہ اگر تین طلاقوں میں سے ہر طلاق دونوں بیویوں پر تقسیم کرنے کی نیت ہو تو ہر ایک بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

○ کسی نے شوہر سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی؟ شوہر نے کہا "ہاں دے دی ہے"۔ پھر دوسرے نے پوچھا تو بھی کہا "ہاں دیدی ہے" پھر تیسرے نے پوچھا تو بھی کہا "ہاں دے دی ہے"
تو پہلے آدمی کے سوال کے جواب میں اگر جھوٹ موٹ کہا "ہاں دے دی ہے" تو قضاءً طلاق پڑے گی نہ دیانۃً۔ اگر سچ مچ کہا "ہاں دے دی ہے" تو قضاءً بھی طلاق پڑے گی دیانۃً بھی۔ پہلی صورت میں عورت کو تمکینِ وطی جائز نہیں۔

اور دوسری یا تیسری بار سوال کے جواب میں ظاہر ہے کہ انشاء طلاق مقصود نہیں۔ بلکہ اخبار مقصود ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی

○ صرف نکاح ہوا۔ بیوی سے شوہر نے نہ صحبت کی اور نہ خلوت صحیحہ پہلے ہی شوہر نے کہہ دیا کہ "میری بیوی کو تین طلاق" تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں مغلظہ یعنی غیر مدخولہ

○ اور اگر کہا کہ "میری بیوی کو دو طلاقیں" تو دو طلاقیں پڑیں بائن

○ اور اگر کہا کہ "میری بیوی کو ایک طلاق" تو ایک طلاق بائن پڑ گئی

○ اور اگر کہا کہ "میری بیوی کو طلاق ہے میری بیوی کو طلاق ہے" تو پہلی

اسی طرح الگ الگ تین طلاقیں لغو ہے۔ اور دوسری طلاق سے بائن ہو گئی اور دوسری تیسری طلاقیں لغو ہو گئیں
دینے سے بھی پہلی طلاق بائن پڑ گئی اور دوسری تیسری طلاقیں لغو ہو گئیں
نیت طلاق بنے طلاق پڑے گی بائن
○ آزاد کی دیتا ہوں
○ میں نے اپنی بیوی کو جواب دے دیا نیتِ طلاق سے طلاق بائن پڑ گیا

## جن الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق بائن ہو جاتی ہے

تو مجھ پر حرام ۔ تو میرے لیے بالکل حرام ہو چکی۔ تو مجھ پر حرام ہے
جیسے ماں بہن ۔ جا تو نکاح کر لے۔
میری (غیر مدخول بہا) بیوی پر طلاقِ مغلظہ اور نیت تین طلاق کی ہو گی

## قوانین

قانون عورت کا سامنے موجود ہونا وقوعِ طلاق کے لیے شرط نہیں نہ یہ ضروری ہے کہ طلاق کے الفاظ بیوی سنے ۔ نہ یہ ضروری ہے کہ مطلقہ کی طرف نسبت و اضافت طلاق صراحتہً ہو (کفت ۳۰)

قانون وقوعِ طلاق کے لیے شہادت شرط نہیں۔ گواہ ہو یا نہ ہو۔ گواہ فاسق ہو یا عادل۔ شوہر کے طلاق دینے سے یعنی صرف منہ سے کہہ دینے سے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی طلاق پڑ جائے گی بشرطیکہ اپنی زبان سے کہی ہوئی عبارت خود بنے اور ذہنی ہوش و حواس طلاق دینے والا بالغ ہو۔ خواہ عورت سامنے ہو یا نہ ہو، سنے یا نہ سنے۔

اگر مجنون افاقہ کی حالت میں طلاق دے تو صحیح ہے۔ طلاق پڑ گئی۔

قانون صریح طلاق بغیر نیت کے بھی واقع ہو جاتی ہے

قانون جبراً طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے

قانون ہوش حواس قائم ہوں تو غصے کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

قانون بلا ارادہ اچانک منہ سے نکل گیا میری بیوی کو طلاق۔ طلاق رجعی

قانون تو طلاق ہے طلاق رجعی

قانون گونگے کی طلاق تب واقع ہوگی کہ اس کے اشارات میں سوائے طلاق کے اور کوئی احتمال نہ ہو۔ صرف طلاق ہی کے لیے معین ہو

مسلہ شوہر نے اپنی بیوی کو دو بار کہا اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ اس کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہو گئی تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی۔ البتہ اگر تاکید کی نیت سے دو بار کہا تو دیانۃً ایک طلاق ہوگی اور قضاءً دو ہی ہوں گی۔

زبردستی سے طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ زبردستی حد اکراہ کو نہ پہنچے۔ یہ قید مولنا خلیل احمد نے لگائی [illegible] ظاہر

قانون طلاق، وقف، عتق الامۃ میں شہادات حسبۃ ہیں۔ ان میں دعویٰ کی ضرورت نہیں

مسلہ شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی۔ پھر رجوع کر دیا۔ پھر کچھ دن بعد کسی بات پر رجعی طلاق دے دی۔ پھر کہنے سننے سے رجعت کر لی۔ پھر تیسری مرتبہ طلاق رجعی دی۔ تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔ رجعی طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کر لینے سے جو [illegible] ل تو ہو جاتی ہے مگر اس سے طلاق کا عدد باطل نہیں ہوتا۔ یعنی رجوع کے بعد بھی یہ طلاق

تین طلاقوں کے مجموعہ میں شمار ہوگی۔ اس لیے اس ایک طلاق کے مزید دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی

اسی طرح رجعی طلاق کی عدت گزرنے کے بعد اگر دوبارہ نکاح کیا۔ یا بائن طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرلیا تو آئندہ دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی۔

البتہ عورت نے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا۔ اس نے بھی طلاق دے دی یا اس کا انتقال ہوگیا۔ اور عورت نے پہلے شوہر سے نکاح کرلیا تو اب اس کو نئے سرے سے تین طلاقوں کا اختیار ہے۔ ایک یا دو طلاقوں سے مغلظہ نہ ہوگی (احسن الفتاوٰی ص ۱۵۵ ج ۵)

مسئلہ کسی کو مجبور کیا گیا تو اس نے مجبور ہوکر گذشتہ زمانہ میں طلاق دینے کا جھوٹا اقرار کیا، اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی حالانکہ اس سے قبل اس نے کوئی طلاق نہیں دی تھی تو اس جھوٹے اقرار طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

## ازالۂ وہم

بعض لوگوں کی زبانی یہ سنا ہے کہ ایام حمل میں طلاق دی جائے تو وہ طلاق نہیں پڑتی۔ اور یہ ان کا قول غلط ہے۔ حالتِ حمل میں طلاق ہوجاتی ہے قال اللہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ طلاق جس قسم کی ہوگی وہی پڑے گی۔ اگر تین طلاقیں دی ہیں تو لاتحل لہٗ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ فقط والسلام خیر ختام

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

## تمت بالخیر

کتبہ محمد حسین النیلوی غفرلہٗ

احسن التفسیر

تفسیر
تبیین القرآن

مرآۃ القرآن